

88429

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۹۵۵۰۱ Accession No. ۱۴۵۴۴

Author امداد صابری ا. ت

Title تاریخ مردم و سزا

This book should be returned on or before the date last marked below.

تاریخِ خرم و سزا

سیکندر

جلد اول کا دوسرا حصہ

حسب فرمائش

نیا کتاب گھر، اردو بازار جامع مسجد دہلی

ان
امداد صابری

کشمیر خیل
مارشل فیلڈ

جناح پریس دہلی

قیمت تین روپے

۲۱۲۵۲۲

میں اس جیل کی زندگی کے یادگار مجموعہ کو

اپنی والدہ محترمہ مسماۃ اللہ بندی کے نام مضمون کرتا ہوں

جنہوں نے

میرے جیل کے زمانہ میں روحی گرمی یاد میں اپنی آنکھیں کھولیں

اور

کبھی کسی تکلیف و دیکھ کو قومی کاموں میں حائل نہ ہونے دیا

اللہ تعالیٰ

مجھے ان کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

امداد صابری (نظر بند)

چوڑی والا ن دہلی -

یکم جون ۱۹۴۷ء

مختصر حالاتِ زندگی مولانا امداد صابری

وجہ تسمیہ | امداد صابری کا پیدائشی نام امداد الرشید ہے ان کے والد ماجد مولانا شرف الحق صاحب مرحوم و مغفور حضرت حاجی امداد اللہ شاہ صاحب مہاجر کی تھکے مرید و خلیفہ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے شاگرد و رشید تھے جن کو اپنے پیر و استاد دونوں سے انتہائی محبت تھی۔ اسی محبت و عقیدت نے پیر و استاد کے متبرک و مقدس ناموں کے جوڑے صاحبزادے کا نام رکھوایا۔

مقررہوں نے کہا بدعتی ہو گئے، رشید گنگوہیؒ کی امداد کسی عقیدت مند نے ردِ نیک سن جواب دیا۔ رشید خدا کا نام ہے۔ فلاں کی امداد سے کون منحرف ہو سکتا ہے۔

پیدائش | جنگ عظیم ۱۹۱۴ء کے جنگی زمانے میں جنگی اسپرٹ کا آدمی ۱۴ اکتوبر مطابق ۲۵ ذی قعدہ ۱۳۳۵ھ بروز جمعہ بوقت

علی الصبح پیدا ہوا، گھر میں کوئی لڑکا نہ تھا۔ انتہائی خواہشوں کے بعد خدا نے گھر والوں کی مراد پوری کی۔

تعلیم | ہوشِ سن بھالا، اور ابتدائی دینی تعلیم اور اردو لکھنی پڑھنی سیکھی۔ ۱۳۳۵ھ میں گھر پر انگریزی کا استاد رکھا گیا۔ ۱۳۳۶ھ میں حافظِ رحمت اللہ صاحب سے

مدرسہ دار الہدیٰ کشن پور میں قرآن مجید حفظ کیا۔ اور پہلی محرابِ مسجد حوض ولی چوہدری لان

میں سنائی۔ فارسی عربی کی کتبِ مظاہر العلوم سہارنپور میں پڑھیں۔ ۱۳۳۷ھ میں ادیب

فاضل کا امتحان پنجاب یونیورسٹی میں دیا۔ عروض حضرت نواب سراج الدین احمد خاں ساہی

اور مولانا ناصر جلالی سے حاصل کی اور ۱۳۳۷ء میں ہندی جیل کے اندر سبکی لہی افق پیدا ہوا۔ ان کے والد نے مولانا راشد انجیری کے ہاتھیں ہاتھ دیا۔ اور ان کے سامنے زانوئے ادب طے کرایا۔

سیاسی ماحول | زمانہ پلٹ چکا تھا۔ مذہبی اکھاڑے، دیوبندی بریلوی قضیے کھنڈ ہو چکے تھے اور اقتصادی بد حالی نے سیاسی جھگڑے چھڑ دئے تھے۔ ماحول تیز طبیعتوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ جب آپ نے دیکھا کہ قوم کی حالت ناگفتہ بہ ہے اور انتہائی بُرے مدارج پر پہنچ گئی ہے تو آپ سے نہ رہا گیا۔ آپ نے یہ محسوس کیا کہ مسلمانوں کی اقتصادی بد حالی کی وجہ وہ خریف ٹولیاں اور اڈے ہیں جو مسلمانوں کے اذفاف پر قابض ہیں اور مسلمانوں کے لئے کچھ نہیں کر رہے ہیں۔

چنانچہ آپ نے اوقاف کے سرمایہ کی حفاظت اور اس کے صحیح مصرف کرانے کا بیڑہ اٹھایا اور ۱۳۳۷ء میں جامع مسجد دہلی کے بکتر پر اصلاحی تقریروں کا سلسلہ شروع کیا۔ جلا پرست بھلا اس اصلاحی تحریک کو خاموشی سے کیسے برداشت کر سکتے تھے انھوں نے بھی مخالفت شروع کی اور تحریک کو دبانا چاہا، جتنی دبانے کی کوشش کی گئی وہ اُتتی ہی ابھری چنانچہ لوگوں نے منظمہ کمیٹی جامع مسجد کی شکایتیں پیش کرنا شروع کیں دہلی ہوئی چہرے ابھرنے لگیں۔

جہاں اُور پریشان کن واقعات سامنے آئے وہاں ایک واقعہ یہ بھی آیا کہ امام جامع مسجد سید حمید سودی دستاویز لکھتے ہیں۔ یہ واقعہ مسلمانوں کے لئے اور خاص طور پر جامع مسجد کے مقتدیوں کے لئے انتہائی پریشانی کا باعث بنا۔ شہر میں ایک سچائی

پھیل گئی۔ سب کو اپنی نمازوں کی فکر ہوئی مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ سود لینے یا دینے والا فاسق ہے اور اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔

چنانچہ ۱۳۳۷ء کے ایک جمعہ کا واقعہ ہے کہ جب مولانا صابری نے یہ واقعہ نماز جمعہ کے بعد جلسہ میں پیش کیا تو حاضرین جلسہ جن کی تعداد تقریباً پانچ ہزار تھی انہوں نے جمعہ کی دوبارہ نماز پڑھی اور آئندہ کے لئے فیصلہ کیا کہ وہ ایسے امام کیے پیچھے نماز نہ پڑھیں گے اس فیصلہ نے شہر کے کونہ کونہ میں منظم کمیٹی کے خلاف آواز **دعوتِ مباہلہ** | پہنچادی ممبران منظم کمیٹی۔ بوکھلا گئے اور اعلان نکالا کہ یہ

الزام غلط ہے۔ سید حمید نے سودی دستاویز نہیں رکھی۔ اس سلسلہ میں کافی ہنگامہ آرائی ہوئی۔ آخر جب کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو مولانا صابری نے ۹ جولائی ۱۳۳۷ء جمعہ کے لئے ایک پوسٹر دعوتِ مباہلہ نکالا۔

مقدمات | جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۹ جولائی کو نماز جمعہ سے قبل جامع مسجد کے ارد گرد تقریباً پانچ سو پولیس کی جمعیت نے آکر مولانا صابری کو جامع

مسجد کے درسیہ والے دروازے سے داخل ہوتے وقت ۱۰۰ نفقہ امن کی دفعہ کی ماتحت گرفتار کر لیا جس میں سال بھر کی ضمانت ایک ہزار روپیہ لی گئی۔ ستر جنوری ۱۳۳۷ء کو سردار دیور سنگھ محسٹریٹ درجہ اول نے یہ فیصلہ سنایا۔

اسی اثنا میں اس مقدمہ کی کارروائی تیج میں شائع ہوئی اس میں سید حمید کی جگہ امام سید احمد کا نام کاتب کی غلطی سے کہیں نہیں لکھا گیا۔ یہ تیج کی شائع کردہ کارروائی نقل کر کے چند آدمیوں نے پوسٹر کی شکل میں شائع کر دی جس پر شیخ الاسلام "سید احمد نے ان چند آدمیوں (جن میں شیخ عبدالستار ضل سکرٹری ملک مرحٹ یونین سلیم الدین اور

میاں اکبر، مولانا صابری کے خلاف دفعہ ۵۰۰ تعزیرات ہند تک عزت کا مقدمہ دائر کر دیا۔
 یہ مقدمہ سٹر لویس ایڈیشنل ڈسٹرکٹ ججسٹریٹ کی عدالت میں پیش ہوا مولانا صابری
 اور ان کے حامیوں کی اس تحریک سے کیا غرض تھی وہ آپ امام سید احمد کی زبانی سُنے۔
 جو انہوں نے اس مقدمہ میں بحیثیت مستغنیث عدالت مذکور میں ۲۵ مئی ۱۹۳۸ء کو اپنے بیان میں کہا۔
 مسلمانوں نے مجھے امام جامع مسجد منتخب نہیں کیا۔ میرے پاس کوئی سند
 عالم ہونے کی نہیں ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ آیا مسلمان پبلک کا یہ
 منشا ہے کہ وہ امامت کے عہدہ کا تقرر در اثنا تبدیل کر کے کسی ہتر
 سے بہتر آدمی کا تقرر اس کی جگہ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ملزمان کی پارٹی کا یہ
 منشا ضرور ہے جو ان کے شائع کردہ لٹریچر سے جو وقتاً فوقتاً شائع
 کرتے رہتے ہیں پایا جاتا ہے۔

اسی کے ساتھ جب امام صاحب سے جرح کی گئی اور ان کو سودی بستائیزات
 دکھائی گئیں تو اس پر انہوں نے جو فرمایا وہ یہ تھا۔

رہن نامہ یکم ستمبر ۱۹۳۷ء اور رہن نامہ دویم ۲۱ جون ۱۹۳۷ء کو میرے
 بیٹے سید سعید نے تحریر کئے ہیں اس میں جو شرائط تحریر کی گئی ہیں
 وہ سود کی حد تک پہنچی ہیں۔ ان رہن ناموں کا میرے بیٹے نے سود دیا
 لیکن بعد میں توبہ کر لی تھی۔ یہ رہن نامے جیسی شدہ ہیں۔

اس بیان کے بعد عدالت نے مولانا صابری کو ۷ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو دفعہ ۵۰۰
 کے ماتحت چھ ماہ اور پانچ سو روپیہ جرمانہ کی اور عدم ادائیگی کی شکل میں تین مہینے
 مزید قید کی سزا دی جس کا اپیل عدالت سشن میں کیا گیا۔ ۲۰ جنوری ۱۹۳۹ء کو

اس کا فیصلہ مسٹر ہنڈلری سشن جج نے سنایا اور مولانا صابری کو بری کیا۔

کانگریس کمیٹی کی سکریٹری شپ | ان اصلاحی اور سیاسی سرگرمیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مولانا صابری ۱۳۳۷ء

میں دہلی کانگریس کمیٹی کے سکریٹری منتخب ہوئے۔ آپ کی سرگردگی میں دہلی صوبہ کی توسیع اور صوبہ اسمبلی کے قیام کی تحریک شروع کی گئی۔ اور ۲۲ جولائی ۱۳۳۷ء کو بطور ڈسٹ ہسپتال کا پروگرام کھایا جس کی قیادت کرتے ہوئے مولانا صابری مع اپنے ستر ساتھیوں کے سبزی منڈی پر پکٹنگ کرنے کے الزام میں گرفتار کر لئے گئے اور ٹریکوری عدالت سے منرپاکر جیل بھیج دئے گئے۔

اس سزایابی کا نتیجہ یہ نکلا کہ مولانا صابری کی ایک ہزار روپیہ کی ضمانت جو ۱۰۷ کے پہلے مقدمہ میں دی گئی تھی ضبط کر لی گئی۔

چوتھا مقدمہ ۱۳۳۷ء کو فرانس خانہ پر فارورڈ بلاک کا جلسہ کرنے پر چلایا گیا۔ گرفتار ہوئے اور ۱۳ اگست کو سزایابی ہوئے۔ پانچواں مقدمہ ۲۸ اپریل ۱۳۳۷ء کو دہلی سی۔ آئی۔ ڈی کے ڈپٹی گوبال داس نے ڈیفینس آف انڈیا ۳۹ دفعہ کے ماتحت خلاف قانون لمپرچر قبضہ سے نکلنے کے الزام میں دائر کیا۔ جس کی شنوائی کچھ عرصہ مسٹر لوئس نے اور بعد میں ان کے تبدیل ہونے پر مسٹر ایسرنے کی۔ چنانچہ انہوں نے ۷ افروری ۱۳۳۷ء کو اس مقدمہ کا فیصلہ سنایا۔ اور ڈپٹی گوبال داس کے بیان پر یقین نہ کرتے ہوئے مولانا صابری کو بری کیا۔

چھٹا مقدمہ آپ پر میونسپل کمیٹی نے ۱۳ اگست ۱۳۳۷ء میں چلایا جس میں ان کو ناکامیابی ہوئی اور مولانا صابری بری ہوئے۔

آپ ۳۵ء و ۳۹ء میں دو سال تک مسلسل دہلی جماعتی ذمہ واریاں | کانگریس کمیٹی کے جنرل سکرٹری رہے ۳۵ء میں

دہلی صوبہ فارورڈ بلاک کانفرنس کے صدر استقبالیہ اور ۳۵ء میں دہلی صوبہ فارورڈ بلاک کے صدر منتخب ہوئے۔ اور اسی سال آپ نے سی پی، برافا، رڈ بلاک اور اقلیتی کانفرنس کی صدارت فرمائی۔

۱۹ اپریل ۳۹ء مطابق ۱۸ صفر ۱۳۵۸ء کو حافظ عبدالحکیم صاحب شادی | مالک جنرل بوٹ ہاؤس کی صاحبزادی کے ساتھ عقد ہوا بعد مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیتہ العلماء ہند نے پڑھایا۔

آپ ۳۵ء میں علاقہ نمبر ۸۔ انتخابی میں میونسپل کمیٹی حکومت کا خطاب | کے انتخاب کے لئے امیدوار ہوئے۔ تو دہلی حکومت نے اجازت نہ دی اور وجہ یہ بیان کی کہ یہ شخص خطرناک ہے اور پولیٹیکل مقدمات میں سزا پا چکا ہے۔

۳۸ء کے وسط میں امپرومنٹ ٹرسٹ دہلی نے امپرومنٹ یونین | دہلی انجیری گیٹ اسکیم چلائی چاہی اور اس میں ضلعی دستھان کے بجائے علاقوں کا صفایا کرنا چاہا تو علاقہ انجیری دہلی گیٹ کے باشندوں نے امپرومنٹ یونین کی بنیاد رکھی اور مولانا صابری کو اس کی صدارت پر فائز کیا۔

جس میں صابری صاحب نے حیرت انگیز کام کیا۔ نہ دن کو دن سمجھا اور نہ رات کو رات جانا۔ شبت و روز کے ایک طوفانی پروپگنڈہ کرنے میں مصروف ہو گئے میونسپل کمیٹی پر ہزاروں غمزدہ اور متیاب انسانوں کے مظاہروں سے ممبران کو بچو گیا

کہ وہ اس اسکیم کو اپنے اجلاس میں مسترد کر دیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ میونسپل کمیٹی کی ٹینک میں وہ اسکیم مسترد ہوئی۔ جو اسکیم کے حامی تھے وہ بھی مخالفت کرتے نظر آ رہے تھے اور حمایت کھینچنے نہ ہوتی تھی۔ اس اسکیم کا میونسپل کمیٹی سے جنازہ نکالنے کے بعد اس کو دفنانے کے لئے نیو دہلی امپروومنٹ ٹرسٹ کے دفتر پر مانتی جھنڈیوں سے مظاہرہ کیا گیا جو اثر کے اعتبار سے اپنا جواب نہیں دیتا تھا۔ چنانچہ اس جلوس کے بعد اس اسکیم نے اب تک سر نہیں اٹھایا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ٹھنڈی ہو گئی۔

۱۹۳۸ء کے اختتام پر جب کہ امپروومنٹ ٹرسٹ دہلی کی اجیری گیٹ دہلی اسکیم سے مولانا صابری خانجی تھے تو میونسپل کمیٹی کی طرف توجہ دی اور ضروری سمجھا کہ جب تک پبلک میونسپل کمیٹی کے معاملات میں نہ پیدا کی جائے گی اس وقت تک میونسپل کمیٹی کا درست ہونا ناممکن ہے۔ چنانچہ دہلی کے آزاد خیال نوجوان طبقہ نے جماعت اصلاح میونسپل کمیٹی قائم کی اور اس کا انتخاب کر کے مولانا صابری کو اس کا صدر بنایا۔

جماعت اصلاح میونسپل کمیٹی نے میونسپل کمیٹی کے لئے کلی گل سے مطالبہ کیا کہ وہ خود دہلی میں کلی سپلائی کرنے کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے تاکہ ملکی سرمایہ غیر ملکی کمپنی کو نہ ملے۔

اس آواز پر میونسپل کمیٹی نے دہلی حکومت سے بھی کے لائسنس کے ملنے کی اجازت چاہی جو نامنظور کر دی گئی۔ اس کشمکش میں میونسپل کمیٹی نے چیف کمشنر کے پاس اپنا پروٹسٹ بھیجا اور جماعت اصلاح میونسپل کمیٹی نے کلی کمپنی کے

خلافت قدم اٹھایا اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ بجلی کے ریٹ میں تخفیف کرے اور جیونٹ اس کو تین پیسہ میں پڑ رہا ہے اس کے چار آتے وصول نہ کرے۔

یہ ظاہر کرنے کے لئے گندہلی کی پبلک غیر بجلی کمپنی کے ہاتھ میں بجلی سپلائی کرنے کا انتظام دینا پسند نہیں کرتی اور موجودہ بجلی کی قیمت کو زیادہ سمجھتی ہے جماعت اصلاح میونسپل کمیٹی نے عملی قدم یہ اٹھایا کہ ۳۹ روپے کورات کے آٹھ بجے پانچ منٹ کے بجلی گلی کی جائے چنانچہ بجلی گلی گئی ہوئی اور رات کے آٹھ بجتے ہی آٹھ منٹ میں تمام شہر میں اندھیرا چھیل گیا۔

ٹریمپوے بائیکاٹ | دوسرا احتجاجی قدم ٹریمپوے بائیکاٹ کا اٹھایا گیا ۳۹ جولائی ۳۹ء کو کوئی شخص ٹریمپوے پر سوار

نہیں ہوا اور ٹانگوں پر سفر ہوا۔

مکانات پر دگنا ٹیکس | ۳۹ میں مولانا مباری جماعت اصلاح میونسپل کمیٹی کے دوبارہ صدر منتخب ہوئے۔ کمیٹی نے

دگنا ہاؤس ٹیکس کرنا چاہا تو زبردست ایگزیٹن ہو ا۔ ۳۹ جون ۳۹ء کو شہر میں مکمل ہڑتال رہی۔

ٹیکس کا جوازہ | دگنے ہاؤس ٹیکس کے خلاف دوسرا قدم ۳ جولائی ۳۹ء کو میونسپل کمیٹی پر مظاہرہ کرنے کا اٹھایا گیا۔ اس مظاہرہ میں

خاص چیر ڈبل ہاؤس ٹیکس کا جوازہ تھا جس نے واقعتاً دگنے ہاؤس ٹیکس کے حامیوں کے دم خم ختم کر دیے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مجبوراً یہ فیصلہ کیا کہ یہ تجویز جنگ کے بعد تک ملتوی کر دی جائے۔

ایک لاکھ روپے سے آٹے کی دکانیں | غلگ کی وجہ سے دہلی میں غلہ کے بیوپاریوں نے جب

غریب مفلس بیک کو تنگ و پریشاں کرنا شروع کر دیا تو جماعت اصلاح میونسپل کمیٹی نے میونسپلٹی سے مطالبہ کیا کہ وہ ایک لاکھ روپے سے آٹے کی دکانیں کھولے جس میں سستا اور اچھا آٹا سپلائی کیا جائے۔

اس تجویز کو کامیاب کرنے کے لئے احتجاجی جلسے ہوئے جہاں نکالے گئے جس کے سامنے کمیٹی کو جھکنا پڑا۔ اور اس نے دہلی کے تمام علاقوں میں ایک لاکھ روپے سے آٹے کی سستی دکانیں کھولیں۔

آل انڈیا غلہ کانفرنس | مسئلہ میں کنٹرول کی بد انتظامیوں کے خلاف اصلاح میونسپل کمیٹی کے زیر انتہام ایک عظیم الشان

آل انڈیا غلہ کانفرنس پنڈت ہروے ناتھ کنزرویو کی صدارت میں ہوئی۔ اس کے کرتا دھرتا یعنی جنرل سکرٹری مولانا صابری تھے۔ اس کانفرنس میں مسٹر متیہ موہتی مسٹر ست نرائن سنہا ایم ایل اے۔ مسٹر سری پرکاش ایم ایل اے، مسٹر جلال سکسینہ ایم ایل اے وغیرہ نے تقریریں کیں۔

پیٹوں پر پتھر بندھا جلوس | اس کانفرنس کے روز پیٹوں پر پتھر باندھ کر جلوس نکالنے کا پروگرام رکھا گیا تھا جو

انتہائی کامیاب ہوا۔ اور ہزاروں انسانوں نے بے کسی و بے بسی اور بھوک کا مظاہرہ کرنے کے لئے اپنے پیٹوں پر پتھر باندھ رکھے تھے اور ہائے روتی "ہائے روتی" کے نعرے لگا رہے تھے۔

تیغ کی لہری | فروری ۱۹۷۷ء سے آپ نے اخبار تیغ دہلی کے ادارہ میں شرکت کی اور ڈیڑھ سال کے فرائض اگست ۱۹۷۷ء تک انجام دیتے رہے۔ اخبار کی پالیسی اصلاحی رہی۔

نظر بندی | ۵ اگست ۱۹۷۷ء کو رات کے چھ بجے فارمڈ ہاؤس میں ہونے کی حیثیت سے ڈیفینس آف انڈیا ایکٹ میں گرفتار ہونے کے بعد آپ دہلی جیل سے ۳۰ نومبر ۱۹۷۷ء کو رہائے گئے۔

دہلی جیل کے دروازے پر آپ کو ٹوٹا دیا گیا کھانسی کی سیاسی جلسہ میں شامل نہ ہوں۔ نہ دس آدمیوں سے زیادہ کے مجمع میں شریک ہوں۔ نیز علاقہ نمبر ۱ میں نظر بند رہیں۔ بلا اجازت اس سے باہر نہ جائیں۔ چنانچہ مولانا صابری آج کل علاقہ نمبر ۱ میں نظر بند ہیں۔

جیل کی زندگی | آپ کی جیل کی زندگی ہمیشہ خود دارانہ رہی۔ آپ نے کبھی جیل افسران کی خوشامد نہیں کی۔ جیل میں کبھی خاموش نہیں بیٹھے۔ اپنے اور ساتھیوں کے حقوق کے لئے جیل افسران سے لڑتے رہے۔ مجھے مولانا صابری کے ساتھ دہلی جیل، ملتان جیل اور فیروز پور جیل کی نظر بندی کے زمانے میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اس لئے میں یہ ذاتی تجربے اور مشاہدات کی بنا پر لکھ رہا ہوں۔

مجھے یاد ہے کہ مولانا صابری جب رہا ہونے کے لئے فیروز پور کیمپ سے دہلی جیل جا رہے تھے اور آپ کی رہائی کی اطلاع آئی تھی تو اس وقت

مسٹر ڈوگرہ انچارج کیپٹن خاص طور پر کو یہ خوش خبری سنائی تھی کہ آپ کے خاص دوست آج دہائی کے لئے جارہے ہیں میں نے اس پر اس سے بوجھا کھڑا صاف طور پر بتائے تو انہوں نے کہا: ”ایک ایسا شخص رہا ہو رہا ہے جس کو دہلی حکومت بھی خطرناک سمجھتی ہے اور حیل افسران بھی“

تصنیف و تالیف | مولانا صابری نے کافی عرصہ تک رسائل میں ادبی علمی مضامین لکھے اور جامعہ عالمگیر، کلیم، تیغ، جمالستان، عروس خیال کے صفحات کو فرما کر لیا۔ آپ کو آغاز زمانہ سے شخصی مضامین لکھنے کا شوق تھا۔ چنانچہ آپ کی معرکہ الاراقہ تصنیف علامہ سید سلیمان ندوی کی قرآنی غلطیاں اس بات کی شاہد ہے۔ جس نے علمی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا اور ہر طبقہ کے علماء مولانا اشرف علی صاحب مرحوم مفتی محمد کفایت اللہ، مولانا محمد اسلم بے راجپوری، مولانا اصغر حسین دیوبندی، شمس العلماء مولانا عبدالرحمن، مولانا محمد قطب الدین عبدالوہابی، مولانا محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا عبداللطیف ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، مولانا سید احمد ناظم مرکزی حزب الاحناف لاہور نے مولانا صابری کو داد تحسین دی تھی۔ اودمان کی مدلل تنقید کر سکا تھا۔ چنانچہ حضرت سائل دہلوی کی بزرگانہ داد ملاحظہ ہو۔

میرے مرحوم دوست کا بچہ	قول کا پکا، بات کا سچا
مذہبی نوجوان، عالم دین	پیر و امر حق و شرع میں
نور چشم جناب شرف الحق	دیکھنے والا دین کی رمز ادق
پوت اپنے پتا کا ہے وہ پوت	اس کے اعمال سے ہے ہی ثبوت

راستی سے نہیں ہوا وہ جدا
 مورچہ بہر پڑا سیماں سے
 بحث ہے جن امور پر باہم
 اسپر آراء مفتیان دیکھو
 طرز تحریر کس قدر ہے حین
 بیش از بیش کر کے استصواب
 مفتیان زماں سے کر کے اپیل
 کئی تدوین محبت و آراء
 نیک نیت سے کر دیا اعلان
 جو کچھ ندوہ کے سیماں نے
 مندرج ہیں جو ذیل میں حضرات
 مفتی صاحب کفایت اللہ میں
 مایہ ناز عالمانِ اسلام
 دیوبندی محمد طیب
 واعظ دہلوی بیگانہ سمید
 حضرت اشرف علی زکھان بھون
 سائل امداد صابری کا چچا
 وہ تو دے گا اسے دعا مانور

ندوہی علامہ سے نہیں چوکا
 بات کہنی پڑی ہے ایماں سے
 سامنے ہیں وہ بے زوائد و کم
 داد اس کی سمجھ کی دل سے دو
 جس کا مطلق ملا جواب نہیں
 عاجز آیا نہ پایا کوئی جواب
 حق بجانب سمجھ لی اپنی دلیل
 ازالہ فتاویٰ حرف آخر یا
 میں غلط وہ معافی فتر آن
 جن کو مائتہ ان کے ایماں نے
 مستند باب دین میں ہے ہر ذات
 محققین کے علم و فضل کا میں
 جن کا جیرا جہور ہے مقیم
 ہے بجا اگر کریں وہ ناز ادب
 احمد از ابتدا تا آخر عمید
 جو تھا کہنا وہ کہ چکے بعلن
 اسکی رحمت سے کیوں رہ گیا بچا
 اسکی آنکھوں کا ہے یہ تچہ نور

ذوق علمی ہے اس کا اس کی مراد
 وہ تہ دل سے دے گا اس کو داد

آپ کی دوسری تصنیف تاریخ جرم و سزا ہے۔ جس کی پہلی جلد شائع ہو چکی ہے۔ دوسری جلد آپ کے سامنے ہے۔ بقایا چار جلدیں چھپتی ہیں ہمیں امید ہے کہ یہ جلدیں بھی پہلی جلد کی طرح ملک کے لئے مفید ثابت ہوں گی۔

خوشیدا احمد کاظمی (سابقہ نظر بند)

فیروز پور کیمپ جیل۔ بارہ ہند وراؤ دہلی



فہرست مضامین

موجودہ ہندوستانی جیلوں میں قیدیوں کی سیاتھ سلوک

۳۷	یورپی کے ہندوستانی قیدیوں کا فرنیچر۔	۲۵	قیام
۳۷	یورپین کی کوٹھڑیاں اور فرنیچر۔	۲۵	چکی کوٹھڑی۔
۳۷	ہندوستانی قیدیوں کے سونے کی جگہ۔	۲۷	بارک۔
۳۸	یورپی کے پاگل قیدی۔	۲۷	قیدیوں کا بند ہونا اور کھلنا۔
۳۸	طعام	۲۸	حوالاتی اور جیل۔
۳۹	روٹی کی نوعیت۔	۲۹	قیدی۔
۴۰	دال۔	۳۰	بی کلاس قیدی۔
۴۰	ترکاری۔	۳۰	دیوانی قیدی۔
۴۰	کھانے کا برتن۔	۳۲	قیدی عورتیں۔
۴۱	چاول۔	۳۳	پھانسی کوٹھی۔
۴۱	بی کلاس کی خوراک	۳۴	منڈ بارک
۴۲	اے کلاس کی خوراک	۳۵	ہسپتال
۴۲	خوراک یورپین قیدی	۳۵	پنجا
۴۷	خوراک ہندوستانی قیدی	۳۶	گل قیدی

۵۹	بال کٹائی۔	۴۷	یو۔ پی کے سی کلاس قیدیوں کی خوراک
۶۰	جھاڑو دینا۔	۴۸	چامل کی خوراک۔
۶۰	پوچنا۔	۴۸	سول قیدی کی خوراک۔
۶۰	چرخہ کٹائی۔	۴۸	تہواروں پر مراعات۔
۶۱	کھانا پکانی۔	۴۹	لباس۔
۶۱	پترہ چلائنی۔	۴۹	کپڑوں کی نوعیت۔
۶۲	کپڑا اسٹائی۔ دھلائی۔	۵۰	یو۔ پی قیدی کے کپڑے۔
۶۵	پریس۔	۵۱	ہندوستانی قیدیوں کے کپڑے
۶۵	لوہار۔	۵۱	نسلی امتیاز اور جیل کیٹی۔
۶۶	منشی گیری۔ پیشکاری۔	۵۳	یو۔ پی کے سی کلاس قیدیوں کے کپڑے
۶۸	جیل کی سناریں	۵۴	بچوں کا لباس۔
۶۹	پھانسی۔	۵۴	نمبرداروں کا مزید لباس
۷۱	بیت لگانا۔	۵۴	سول قیدی کا لباس۔
۷۶	کال ٹوٹھری کی قید تنہائی	۵۵	کپڑے دھونا۔
۷۷	ڈنڈا بیٹری۔	۵۶	جیل کی مشقتیں۔
۷۸	پٹھی ہتکڑی۔	۵۷	جگائی۔
۷۹	کھڑی ہتکڑی۔	۵۷	مونجھ کٹائی۔
۷۹	کھڑی بیٹری۔	۵۸	آنا پسوانی۔
۷۹	ٹاٹ مدی۔	۵۸	بان بٹائی۔

۹۸	بٹیریں کا راج	۸۰	لال دروازہ
۱۰۰	حکام جیل کی بدعنوانیاں	۸۰	کوٹھڑی اور جیل
۱۰۰	قیدی کی تلاشی۔	۸۰	کم خدا کی۔
۱۰۱	پیشی۔	۸۱	پوس کی درگت۔
۱۰۲	مکی سبزی۔	۸۲	رعایت یا ریش۔
۱۰۳	مشقت لگانے کی فیس	۸۵	قیدیوں کی شرارتیں۔
۱۰۴	ملاقات کی فیس	۸۵	جیل میں عہدوں کا آنا۔
۱۰۵	ہڑتال	۸۶	شراب کا آنا۔
۱۰۷	محرم عورتیں۔	۸۶	بلیٹکی چوری۔
۱۰۷	زنانہ جیلیں۔	۸۶	بیار پڑنا۔
۱۰۸	مشقت۔	۸۷	بیمار پڑنے کی دوائیاں۔
۱۱۰	مانڈے جیل۔	۸۸	جیل کا جنگلہ کاٹنے کا طریقہ۔
۱۱۱	تقسیم۔	۸۹	خطوط کی روانگی۔
۱۱۱	جرم کی درجہ بندی۔	۹۱	لواطت
۱۱۱	دایہ۔	۹۱	انگری کا تقرر۔
۱۱۱	عورتوں میں میڈیکل افسر مرد	۹۲	قیدیوں کا گونہ میں روپیہ رکھنا
۱۱۲	جیل کی عمارتیں۔	۹۳	جیلوں میں قیدیوں کی تجارت
۱۱۲	ہندوستان کے قیدیوں کی تعداد	۹۳	جیل میں اشیاء ممنوعہ پہنچانے کے طریقہ
۱۱۳	جیلیں مشہور عمارتوں میں۔	۹۷	جیل میں اشیاء ممنوعہ کی قیمت۔

۱۲۴	جیل کا عملہ۔	۱۱۴	سرکے کارواں یا دہلی جیل
۱۲۵	نجمہ عملہ۔	۱۱۵	جیلوں کی نوعیت۔
۱۲۶	جیل افسران	۱۱۵	جیلوں کی مقام آبادی۔
۱۲۷	فارڈ۔	۱۱۶	اولڈ سنٹرل ملٹن جیل۔
۱۲۸	فارڈر کی دیوٹیاں۔	۱۱۷	میلنج۔
۱۲۹	فارڈر کی حیثیت	۱۱۸	گندہ اپوجا۔
۱۳۰	نمبردار	۱۱۸	بے پردہ بیت الخمار۔
۱۳۱	نمبرداروں کی تنخواہ	۱۱۸	ہنا نا۔ دھونا۔
۱۳۲	غیر سرکاری وزیٹر۔	۱۱۹	انسالہ جیل۔
۱۳۳	نا بالغ قیدی۔	۱۱۹	پانی کی قلت۔
۱۳۴	جرم کے اسباب۔	۱۲۰	نیو سنٹرل ملٹن جیل
۱۳۵	مجرم والدین کی اولاد	۱۲۱	فیروزپور کیمپ جیل۔
۱۳۶	پتھن کو قید کرنا جرم ہے	۱۲۱	کچا کچن۔
۱۳۷	ریمانڈ ہومز۔	۱۲۲	بے پردہ بیت الخمار۔
۱۳۸	پتھن کی عدالتیں۔	۱۲۲	غسل خانہ۔
۱۳۹	مصدقہ سکول۔	۱۲۲	بجلی
۱۴۰	لیفٹننٹ سکول۔	۱۲۳	اکھاڑہ۔
۱۴۱	بورسٹل	۱۲۳	کیمپ کی جائے وقوعہ۔
۱۴۲	بورسٹل تعلیم کی چارٹرڈ باتیں	۱۲۳	کیمپ کی قیام کی وجہ۔

۱۸۹	ہندوستانی جیل ہسپتالوں کی	۱۴۹	جسمانی -
	ناگفتہ بہ حالت	۱۵۱	دماغی تعلیم -
۱۹۳	یونانی ادویہ اور جیل افسران -	۱۵۱	اخلاقی تعلیم -
۱۹۳	یونانی مفادات کا عجیبے پتہ ہستیا	۱۵۲	صنعتی تعلیم -
۱۹۴	میڈیکل عملہ کی ناواہ کیفیت	۱۵۲	اچھا اسٹاف -
۱۹۵	قیدیوں کے سحر دہائی کے بعد لوک	۱۵۵	آزمائشی رہائی -
۱۹۵	جماعت امداد قیدیاں -	۱۵۸	پہل
۲۰۵	پولیس کی قیدی -	۱۶۲	اتفاق مجسم
۲۰۶	کھانا -	۱۷۳	عادی مجرم
۲۰۷	لباس	۱۷۵	جرائم کے اسباب
۲۰۸	ڈارہ پی مونڈے کا دستور	۱۷۵	انگریزی جبرائیم -
۲۰۸	کاغذ کوٹنے کی مشقت -	۱۷۶	ہندوستانی جرائم -
۲۰۸	پیدل چالان -	۱۷۷	عادی مجرموں کی تقسیم
۲۰۹	شیشہ کا لباس -	۱۷۸	دوبارہ مجرموں کا علاج
۲۱۰	ریل کا کرایہ -	۱۷۹	مجرموں کی بستیاں -
۲۱۰	گتھیف وغینہ بدبودار کپڑے	۱۸۳	عادی مجرموں کی تقسیم -
۲۱۰	کتا پس جلانا -	۱۸۶	علاج
۲۱۰	منتہانہ سلوک -	۱۸۷	دماغی حالت اور جرم
۲۱۱	برہمنہ کرکے تلاشی لینا -	۱۸۹	بیماہوں کی جیلیں -

۲۲۸	نظر بندی سلسلہ ۶	۲۱۲	پیخانہ پریٹ
۲۲۹	دہلی جیل کا کارخانہ	۲۱۳	مشقیں
۲۳۰	یوہین وارڈر	۲۱۳	کوٹھو چلانا
۲۳۰	اے کلاس نظر بند کا سامان	۲۱۴	لکشا چلانا
۲۳۱	لباس گرمی	۲۱۴	پتھر پھوڑنا
۲۳۱	لباس سردی	۲۱۵	ٹاٹ ددی کی سزا
۲۳۱	برتن و خوراک	۲۱۶	خودکشی
۲۳۲	بی کلاس نظر بند کا سامان	۲۱۷	پاگل پن
۲۳۲	سردی کا لباس	۲۱۷	۱۹۱۵ء میں پولیٹیکل قیدی
۲۳۲	خوراک و برتن	۲۱۸	خراب کھانا اور جو دار کپڑے
۲۳۳	اولڈ سنٹرل ملتان جیل	۲۱۹	کھانا پریٹ
۲۳۴	گاندھی ٹوپی پہننا ممنوع	۲۱۹	پولیٹیکل قیدی کے بینٹیں لگنا
۲۳۵	مہنت کی شان	۲۲۰	مراعات یا تفسیری
۲۳۵	کلاس کا خاتمہ	۲۲۲	خودداری کا خون
۲۳۶	سپرٹنڈنٹ ملتان جیل	۲۲۳	جنگڑی لگنا
۲۳۶	قیدیوں کا دشمن ہے	۲۲۴	بی کلاس قیدی
۲۳۸	انبالہ جیل	۲۲۵	سی کلاس قیدی
۲۳۸	چھ آنیہ میہ کی خوراک	۲۲۷	ہسپتال کی ادویات
۲۳۹	دلیسری	۲۲۷	تحقیقاتی کمیٹی کی سفارش

۲۵۲	رہائیاں	۲۴۰	تفصیح۔
۲۵۵	رہائی یا قید۔	۲۴۱	ماتمی ضنا۔
۲۵۶	جھٹیلاری	۲۴۱	انبالجیل کا سامان
۲۵۹	ہمارا ڈاک گھر	۲۴۲	ایٹلینڈی ہونڈ کی آمد
۲۶۰	مٹھائیاں	۲۴۳	قدرتی انتقام
۲۶۱	گنے کی چوری	۲۴۴	فیرڈرپہ کی پیل جیل
۲۶۳	سیاہی قیدیوں کی قیس۔	۲۴۶	ہیڈ فائڈ کی مشرکت
۲۶۳	لیڈر	۲۴۸	انسپکٹر جنرل کی آمد
۲۶۸	ڈکٹیٹر	۲۴۸	پی۔ پی۔ کا سامان۔
۲۷۱	فالینٹیرز	۲۴۹	آٹھ خط
۲۷۳	جیل کی شاعری	۲۴۹	الوئس
۲۷۳	بننے کی جیل یا ترا۔	۲۵۰	مشترکہ کچن
۲۷۴	بننے کی وطن پرستی۔	۲۵۰	مصروفیات
۲۷۵	گہی جہڑولا۔	۲۵۱	کمیل
۲۷۷	ہماری کمزوریاں	۲۵۱	شاعرے
۲۸۱	ضمیمہ	۲۵۲	ڈرامہ
{ ۱۹۲۲ء کی تحریک کے مخصوص نظر بندان دہلی کے حالات		۲۵۳	پیٹ پوجا
		۲۵۳	سیوا۔
		۲۵۳	ہون

۷۸۶

تالیف کی قس

علاقہ کی نظر بندی اور پھر جنگ کا زمانہ ان دونوں چیزوں نے حسبِ مشا
جلد اول کا دوسرا حصہ مرتب نہیں ہونے دیا۔

جیل سے یہ خیال لے کر باہر نکلا تھا کہ تمام صوبوں کی جیل رپورٹیں منگاکر
ہر صوبہ کی تاریخ جیل کا مطالعہ کیا جائے گا اور اپنی ذاتی معلومات کے ساتھ
اس بڑی معلومات کو کتابی شکل دی جائے گی۔ مگر افسوس یہ خیال بدجہ
اتم پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

صوبوں کے سرکاری پبلشنگ ہاؤسوں کو لکھا تو انہوں نے اس لٹریچر
کے دینے سے گریز کیا۔ بعض نے نہ دینے اور نہ بھیجنے کے بہانے تراخے مگر
سب سے صحیح امداد کی بات گورنمنٹ پرنٹنگ بنگال کے پرنٹنگ ہاؤس نے

لکھی کہ جنگ کے دوران میں اس قسم کا لٹریچر فراہم نہیں کیا جاسکتا۔
 اس حالکا نہ چہرہ اور وقت کی موجودگی میں علاقہ سے باہر قدم
 نہ رکھنا اور دہلی کی لائبریریوں کی کتب سے بھی محروم رہنا بڑی رکاوٹی کو فت
 تھی۔ جو ہر لمحہ محسوس ہوتی تھی۔

ان مجبوریوں کی موجودگی میں یہ تالیف تیار ہوئی ہے جو بیش نظر ہے
 الحمد للہ پہلی جلد اہل علم حضرات نے پسند کی اور اہل ذوق نے ہاتھوں لے
 لی جس کی وجہ سے اس کا دوسرا ایڈیشن فوراً ہی شائع کیا جا رہا ہے۔
 ہم اس سلسلے میں مولوی عبدالحق صاحب فاروقی مالک نیا کتاب
 گھر دہلی کے مشکور ہیں۔ جنہوں نے مارکیٹ میں کتاب کو مقبول کرانے کی
 بے انتہا کوشش کی۔ اور اس کی جلدیں فریڈرک کاسی کا بار برداشت کیا۔

امداد صابری (نظر بند)

چوڑیوالان۔ دہلی

ریخ جوم و سزا

دوسرا حصہ



مولینا امداد صابری پولس کے ترغہ میں

موجودہ ہندوستانی جیلوں میں قیدیوں کی اسلوک

قیام | جی کوٹھری میں رکھا جاتا ہے جس کی مدت تمام قید بھی ہو سکتی ہے۔ ورنہ عموماً ہر قیدی کو رات دن ایک ماہ اس میں رہنا پڑتا ہے۔ یوں جیلر یا جیل حکام کی عنایت یا ساز باز سے جلد ہی کال کوٹھری سے قیدی کو چھٹکارا مل سکتا۔

چکی کوٹھری | کال کوٹھری ساڑھے چار فٹ چوڑی، چھ فٹ لمبی ہوتی ہے جس میں ایک مٹی کا دو فٹ چوڑا اور ڈھائی فٹ اونچا چوڑا ہوتا ہے، جو ناہموار اونچا نیچا کھٹلوں اور چوینٹوں سے پُر ہوتا ہے۔ باقی جگہ جو بچتی ہے اس میں ایک پتھر (آہنی پارٹ) رکھا جاتا ہے جس میں سے قیدی حوائج ضروری سے فارغ ہوتا ہے۔ پانی پھیننے کی وجہ سے سل پیدا ہو جاتی ہے۔ پھتروں کی کثرت، روشنی نہ ہونے کی وجہ سے اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا ہے

کبھی کھٹل کاٹتے ہیں، کبھی بچہ حملہ آور ہوتے ہیں، کبھی چوہے ٹھکس جاتے ہیں۔ ایک کروٹ کل سے نہیں گزرتی۔ کروٹ بدلتے بدلتے رات یوں ہی گزرجاتی ہے غنودگی طاری بھی ہوتی ہے تو ٹھوڑی ہی دیر بعد نمبر دار، جمعہ دار تالہ کھٹ کھٹانے لگتا ہے اور اسکو بول جوان“ کی صدا دماغ کو چونکا کر دیتی ہے اور کلیں ہڑ دیتی ہے۔

شروع میں متمول قیدی کے دن تکلیف دہ گزرتے ہیں جس کو طرح طرح کی اذیتیں دی جاتی ہیں جگائی (کاغذ بنوائی) کی مشقت لی جاتی ہے۔ مونہجہ کٹوایا جاتا ہے۔ چکی پسوائی جاتی ہے اور اس وقت تک اس پر رحم نہیں کیا جاتا جب تک کہ اس سے کچھ بھپٹ نہ لیا جائے۔

ایک بنئے قیدی کا یہی حشر ہوا جو انکم ٹیکس کے حساب میں گڑ بڑ کرنے کے سلسلے میں قید ہو کر آیا تھا۔ اس کو جیل حکام نے ایک ماہ تک چکیوں میں بند رکھا جس کی بنا پر وہ سخت بیمار پڑ گیا۔ رشتہ داروں نے بھاگا دوڑی کی اور جیل حکام کو کچھ چٹایا۔ ماہوار مقرر کیا تو اس کو ایک ماہ کے اندر ہی اندر زبردست بنا دیا گیا۔ حالانکہ قانوناً نمبر دار تین ماہ پہلے ہرگز کوئی نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح ایک مسلمان قیدی کا بھی مشہور واقعہ ہے کہ وہ سی کلاس میں غلطی قیدی ہو کر آیا۔ مالدار ہونے کی وجہ سے اس کو تنگ و پریشان کیا گیا۔ جس نے آخر تنگ آکر ہتھیار ڈال دیے۔ حکام جیل کا نذرانہ مقرر ہوا۔ تو اس کو انتہائی رعایتیں ملنا شروع ہو گئیں۔ وہ دفتر میں جاتا اور اپنے گھر کے آئے ہوئے کھانے اس کو کھانے کے لئے ملتے۔ پھل اور ترکاریاں اس کو دی جاتیں۔

حالانکہ جیل کے قانون کے مطابق کسی سی کلاس اخلاقی قیدی کو سوائے جیل کے کھانے کے باہر کا کھانا دینا سخت ممنوع ہے۔

بارک ایک ماہ بعد سی کلاس قیدی کال کوٹھری سے بارک میں جاتا ہے ان بارکوں میں ۳۵ قیدیوں سے لے کر سو قیدیوں تک رکھے جاتے ہیں۔ بارکیں محراب دار، ہر محراب کی دیوار میں جالی دار دروازہ، اور دودنی کھڑیاں ہوتی ہیں۔ دیواریں کچی مٹی سے پی ہوئی اور اس کے گیارہ گیارہ پٹر تک کھٹکوں سے بھرے رہتے ہیں۔ ایک بارک میں ایک بیت الخلاء ہوتا ہے جس کی وجہ سے بارک موسم گرما میں بھاڑ کو ٹری اور بھی معلوم دیتی ہے

قیدیوں کا بند ہونا اور کھلنا قیدیوں کو بارک میں سورج غروب ہونے سے ایک گھنٹہ پہلے بند کیا

جاتا ہے۔ اور صبح کو سورج نکلنے سے پیشتر کھولا جاتا ہے۔ بارک میں سب سے زیادہ تکلیف دہ نمبرداروں کی آوازیں ہوتی ہیں۔ جو نمبردار اسی بارک میں بند ہوتے ہیں اور رات کے ۹ بجے سے صبح ۶ بجے تک سب اچھا کی آوازیں لگاتے ہیں۔ یہ نمبردار تین ہوتے ہیں جن کی ڈیوٹی تین تین گھنٹے کی ہوتی ہے۔

صبح ہوتے ہی نمبردار قیدیوں کو جگانے کے لئے آتا ہے اور ”آٹھ بھوان“ کی آواز لگا لگا کر قیدیوں کو اٹھاتا ہے۔ بارک کے تمام قیدی بیدار ہونے کے بعد بارک کے باہر لائن میں دود کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔ جہاں ان کی گنتی ہوتی ہے۔ گنتی ہونے کے بعد ضروری چیزوں سے فارغ ہو کر قیدی مشقت کے لئے کارخانے بھیج دیئے جاتے ہیں جہاں ان کو آدھ پاؤ بھنے

ہوئے چنے، چھٹانک بھر گڑا ملا ہے جو بالکل سیاہ اور کٹھ ہوتا ہے۔ قیدی ان چیزوں کو کھا کر اپنی شفقت پر لگ جاتے ہیں۔ اس کے بعد ان کو بارہ بجے سے دو گھنٹے کے لئے جھٹی مل جاتی ہے۔ دو بجے تک وہ بارکوں میں رہتے ہیں لیکن موسم سرما میں قیدیوں کو کارخانے میں ہی رکھا جاتا ہے۔ مطبخ سے ان کے لئے دہی کھانا آتا ہے۔ دو بجے پھر شفقت پر مل جاتے ہیں۔ شام کے پانچ بجے چھٹی ہو جاتی ہے بارکوں میں کھانا دیا جاتا ہے۔ اور گنتی کے بعد بارکوں میں قیدی بند کر دیے جاتے ہیں۔ یہ قاعدہ دہلی جیل کا ہے۔

حوالاتی اور جیل | جب پولیس کسی حوالاتی کو معہ اس کے وارنٹ گرفتاری کے جیل حکام کے سپرد کر دیتی ہے تو سب سے پہلے اس کا معائنہ اسسٹنٹ آفیسر کرتا ہے۔ اور اس کی جہانی حالت اور ملکیت کی تفصیلاً رجسٹر میں درج کر لیتا ہے۔ دوسرے دن جیل کا سپرنٹنڈنٹ اس کا معائنہ کرتا ہے۔ یہی طریقہ سزا یافتہ قیدیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ حوالاتیوں کو قیدیوں سے الگ رکھا جاتا ہے۔ بڑے جیل خانوں میں ان کے لئے علیحدہ احاطے ہوتے ہیں جس کا دروازہ بھی لازماً علیحدہ ہوتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حوالاتیوں میں ڈاکہ وغیرہ کے خطرناک ملزمین آ جاتے ہیں۔ تو انہیں مزید تحفظ کے لئے جیل کے اندر علیحدہ کوارٹر میں رکھا جاتا ہے۔

حوالاتیوں کو اپنے کپڑے اور بسترے استعمال کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ کھانا بھی گھر سے آ سکتا ہے۔ کتابیں بھی دیکھ سکتا ہے۔ وہ اپنے خرچ پر مناسب مقدار میں سگریٹ تبنا کو حاصل کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ کسی دوسرے شخص کو یہ

چیزیں نہ دیں۔

قیدی | عمر اور سابقہ حالات کے لحاظ سے ہندوستان کے قیدی کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ درجہ مجسٹریٹ مقرر کر دینا ہے۔ عمر کے لحاظ سے درجہ

بندی سپرنٹنڈنٹ جیل کرتا ہے۔ جو حسب ذیل ہوتی ہے۔

نو عمر قیدی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک پندرہ سال کی عمر تک اور دوسری ۱۵ سے ۲۱ سال تک کی عمر کے۔ یہ دونوں قیدی اتفاقیہ قیدی کہلاتے ہیں۔ عام قیدی کئی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ اتفاقی اور عادی۔ اتفاقی بھی دو قسم کی ہوتے ہیں سٹار اور غیر اسٹار قیدی۔

جب سے بچوں کا ایکٹ اور بورٹل ایکٹ نافذ ہوا ہے۔ نو عمر قیدیوں کی درجہ بندی کر کے انھیں جو نیر اور سینئر مستند قیدیوں میں بھیجا جاتا ہے یا کچھ عرصے کے لئے بورٹل انسٹی ٹیوشن میں رکھا جاتا ہے۔ اگر کوئی نو عمر قیدی بورٹل سکول کے قابل نہ ہو تو اس کو بچوں کی جیل میں رکھا جاتا ہے۔

ہندوستان کے مختلف صوبوں میں سزایافتہ قیدی اپنی سزا کا پہلا حصہ اپنے مقامی ڈسٹرکٹ جیل میں گزارنے ہیں۔ اگر سزا مختصر ہو تو اسی جیل میں رہا کر دئے جاتے ہیں۔ ورنہ کچھ عرصے کے بعد انھیں سنٹرل جیل میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ اگر کسی قیدی کو خاص درجہ بندی کلاس دی جاتی تو اسے جلد سے جلد کسی ایسے اسپیشل جیل میں بھیجا جاتا ہے جہاں اس درجہ کے قیدی رکھے جاتے ہیں۔ ۱۵ انڈین پریزنس صفحہ ۱۱۱۰

پنجاب کی جیلوں میں صبح کو بیدار ہوتے ہی روٹی یا دلیہ دیا جاتا ہے۔ جس میں ان کو اتنا وقت نہیں ملتا کہ وہ منہ ہاتھ دھو سکیں جب قیدی کھانا کھا کے کلی کرنے جاتے ہیں تو کلی کرتے ہوئے منہ پر پانی کا چھپکا مار لیتے ہیں۔ گو بارہ ان کا منہ دھل جاتا ہے۔ جب کارخانہ بھیجتے ہیں تو بیت الخلا جانے کا وقت ملتا ہے۔ بارہ ایک بجے چنے اور گرد تقسیم ہوتے ہیں۔ بارہ سے دو بجے تک چھٹی ہوتی ہے، اور پھر قیدی مشقت میں جُت جاتا ہے۔ اور پانچ بجے بارکھ میں پہنچتے ہیں۔

بی کلاس قیدی | بی کلاس قیدیوں کو دہلی جیل میں چیک ہسپتال کی پختہ بلڈنگ میں رکھا جاتا ہے۔ اس میں دو کمرے ہیں اور ایک صفی ہو۔ جس میں بمشکل تمام سات چار پائیاں آتی ہیں۔ صفی کے سامنے مغربی جانب سلاخوں والی جالیدار دیوار ہے۔ صفی کی اونچائی ساڑھے آٹھ فٹ ہے اور کمروں کی اونچائی گیارہ فٹ ہے۔ دونوں کمرے چوڑائی اور لمبائی میں بارہ بارہ فٹ ہیں، جس میں چار چار آدمی چار پائی بچھا کر لیٹ سکتے ہیں۔ فلش سسٹم اندرون بلڈنگ مغربی جانب ہے۔ وہیں دواں ہیں۔ بجلی لگی ہوئی ہے۔ اسی بلڈنگ میں ڈاکٹر انصاری مرحوم رہ چکے ہیں۔ اور یہاں دوا حاضرہ کے لیڈر رکھے جاتے ہیں۔

دہلی جیل میں بی کلاس کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے جب تک حوالاتی پوزیشن رہتی ہے اس وقت تک قیدی کو یہیں رکھا جاتا ہے۔ سزا ہونے کے بعد فوراً بی کلاس قیدی کو لاہور سنٹرل جیل میں بھیجا جاتا ہے۔

دیوانی قیدی | جو لوگ قرضدار ہوتے ہیں۔ یا جہنڈگی کے جرم میں سزا پاتے

ہیں ان کو دیوانی قیدی کہا جاتا ہو۔ دیوانی قیدی مجرم قیدی کے ساتھ نہیں رہتے بلکہ ان کے لئے ایک علیحدہ کوٹھری ہوتی ہے۔ ان کے الگ کپڑے ہوتے ہیں یہ علیحدہ اپنا کھانا پکاتے ہیں۔ ان کو سگٹ بیٹری پینے کی اجازت ہوتی ہے۔ یہ کتابوں کا بھی مطالعہ کر سکتے ہیں۔ ان کو یہ بھی اجازت ہوتی ہے کہ وہ اپنے کاروبار کے سلسلے میں کارروائی کر سکیں۔ ان کے اس کھانے کپڑے اور ظروف کی قیمت کا ذمہ دار ڈگری دار ہوتا ہے۔ جو ہمراہ کی پہلی تاریخ کو رقم مقررہ پہنچا دیتا ہے۔ اگر پہلی تاریخ کو رقم جیل افسران کے پاس نہ پہنچتی تو وہ اس کو رہا کر دیتے ہیں۔

عام طور پر جیل افسران دیوانی قیدیوں سے خوب کمائی کرتے ہیں۔ پہلی تاریخ کو ڈگری دار خوراک کا خرچ جمع کرنے آتا ہے تو اس کو ٹال دیتے ہیں۔ اور اس سے رقم مقررہ نہیں لیتے۔ دو تین گھنٹے گزرنے کے بعد قیدی کو چھوڑ دیتے ہیں۔ بعد اس کے سمن پر لکھ دیتے ہیں کہ خرچ خوراک ڈگری دار نے داخل نہیں کیا۔ اس لئے رہا کیا جاتا ہے۔

ان طریقوں سے کافی دیوانی قیدی رہا ہو چکے ہیں۔ اور ڈگری داروں نے کف انفس و حماقت ملا ہے۔

یہ دیوانی قیدی عام طور پر اچھے حالتوں میں نہیں رکھے جاتے۔ پانچ پانچ چھ چھ قیدیوں کی جگہ بارہ بارہ قیدی ٹھونس دئے جاتے ہیں۔ چنانچہ یوپی کے جیلوں کی تحقیقاتی کمیٹی ۱۹۲۹ء کو رکھ پور جیل کے دیوانی قیدیوں کی رہائش کے بارے میں لکھتی ہے۔

کہ دیوانی قیدیوں کا انتظام رہائش قابل اطمینان نہیں ہوئے دور کے

دقت دیکھا کہ ایک دقت میں بارہ بارہ آدمی اس مقام پر رکھے ہوئے پاؤں گئے۔ جس میں چھ آدمی سے زیادہ نہیں رکھے جاسکتے۔

پنجاب کے سنسز جیلوں میں اور خاص طور پر لاہور سنسز جیل میں قیدی کی چار قسمیں ہیں۔ شاہی قیدی، یورپین قیدی، پولیٹیکل قیدی، اخلاقی قیدی۔ ان قیدیوں کے لئے الگ الگ وارڈ بنے ہوئے ہیں۔ یورپین قیدیوں کی ریم کی جگہ کو یورپین وارڈ کہتے ہیں۔ پولیٹیکل قیدیوں کے قیام کی جگہ کو ٹیریسٹ وارڈ کہا جاتا ہے۔ ایک کو ٹیری تین مین پولیٹیکل قیدیوں کے لئے ہوتی ہے جو معتقل نہیں بلکہ ہر دقت کھلی رہتی ہے۔ جب پولیٹیکل قیدی زیادہ ہو جاتے ہیں تو ان کے لئے ایک بارک کھل جاتی ہے۔ جس میں ان کو رکھا جاتا ہے۔ شاہی قیدیوں کے لئے الگ کوٹھریاں ہیں۔

صبح کو اٹھتے ہی اخلاقی سی کلاس قیدیوں کے علاوہ ہر سہ قیدیوں کو چار ملتی ہے اور ہر پڑھے لکھے قیدی کو پریس میں مشقت کے لئے بھیجا جاتا ہے پریس میں گورنمنٹ کے دفتری کاغذات چھپتے ہیں جن کو یہ لوگ اپنی نگرانی میں مختلف صوبوں کی کچہریوں اور سرکاری دفاتروں میں بھجواتے ہیں۔ وہاں بھی بارہ تک کام ہوتا ہے اور بارہ سے دو بجے تک آرام لینے کے لئے چھٹی دی جاتی ہے۔ اور پھر پانچ بجے تک پریس میں رہتے ہیں اور اپنی مشقت کو انجام دیتے ہیں۔ ہر سہ قیدی دولی وال کیل سکتے ہیں۔ تاش کیلنے کی عام اجازت ہے۔ شاہی قیدی اور نظر بندوں سے کچھ کام نہیں لیا جاتا۔

قیدی عورتیں | سی کلاس عورتیں دہلی جیل میں فیمل وارڈ میں رہتی ہیں اور کافی

تالوں میں بند کی جاتی ہیں۔ فیمل وارڈ ایک مکان نما الگ تھلگ وارڈ ہے جس کا صحن تین گز لمبا اور تین گز چوڑا ہے۔ اور دو دھائی گز لمبا لی اور چوڑائی پر مشتمل ہے ایک صحن کے سامنے بارک ہے۔ اور دوسری بارک دالان میں ہے جس میں عورتیں بند کر دی جاتی ہیں۔ ان کی دیکھ بھال اور کھانے وغیرہ پہنچانے اور ملاشی لینے کے لئے ایک عورت ملازمہ رکھی جاتی ہے۔ جس کے پاس اس کی کنبی ہوتی ہے۔ اسکی دوسری کنبی چیف، وارڈ اپنے پاس رکھتا ہے۔ لیکن فیمل وارڈ کے تالہ کو اس وقت تک نہیں کھول سکتا جب تک میڈن اس کے ساتھ نہ ہو۔ اسی وارڈ میں قیدی عورتوں سے مشقت لی جاتی ہے۔

بی کلاس قیدی عورتوں کے لئے یورپین بارک کے سامنے ایک زنان خانہ ہے جس میں ایک بارک ہر ایک برآمدہ ہے اور بیچ میں صحن ہے اور ایک غسل خانہ اور فلش سسٹم ہے۔ عورتیں برآمدے یا صحن میں سو سکتی ہیں۔ یہ عورتیں اس وقت تک زنا نخواستہ یا فیمل وارڈ میں رکھی جاتی ہیں۔ جب تک ان کو سزا کا فیصلہ نہیں سنا دیا جاتا۔ سزا ہوتے ہی اسی دن یا زیادہ سے زیادہ دوسرے دن ان کو زمانہ جیل لاہور میں بھیج دیا جاتا ہے۔ جہاں عورتیں ہی عورتیں قیدی ہوتی ہیں۔ اور سرکاری ملازمان بھی عورتیں ہی عورتیں ہوتی ہیں۔

پھانسی کوٹھی قتل کے قیدی مقدمہ کے فیصلہ ہو جانے سے پہلے بارکوں وغیرہ میں اپنی اپنی حیثیت کے مطابق رہتے ہیں۔ لیکن پھانسی کی سزا ہونے کے بعد پھانسی کوٹھی میں بند کر دئے جاتے ہیں۔ پھانسی کوٹھی پر سخت پہرہ لگا دیا جاتا ہے اس لئے کہ کہیں قیدی اپنی جان کو زک نہ پہنچائے یا خود کشی کرے

جو بیس گھنٹے میں قیدی کو دو گھنٹے پھانسی کے سامنے ٹہنے کے لئے کھول دیا جاتا ہے۔ جس کے دونوں ہاتھوں میں بیڑیاں لگادی جلتی ہیں اور ایک جعدار اس کی سخت نگرانی رکھتا ہے۔ پھانسی کو ٹھنی میں رات کو ہر وقت روشنی رہتی ہے۔ بجلی کی قیاں گل نہیں کی جاتیں۔ پھانسی قیدی سے جیل حکام بہت گہرے اور ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ پھانسی ہونے سے پہلے قیدی اپنا کچھ بگاڑ نہ سکے۔ اگر پھانسی قیدی بہادر اور عالی حوصلہ ہوتا ہے تو اس کے سامنے جیل حکام بہت جھکے رہتے ہیں اور اپنی ذرا سی غلطی پر قیدی سے معافی مانگ لینے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔ قیدی کو پھانسی دینے کے بعد اس کی لاش کو اس کے عزیز و اقارب کے سپرد کر دیتے ہیں۔ پنجاب کی جیلوں کی طرح یوپی کے جیلوں میں ان قیدیوں کو علیحدہ کوٹھری میں رکھا جاتا ہے اور نگراں بھی علیحدہ مقرر ہوتے ہیں۔ یوپی کی جیل کمیٹی ۱۹۲۹ء نے ان قیدیوں کے پھانسی گھر کے قیام پر جو پھانسی کوٹھریوں سے بہت دور فاصلے پر بنے ہوئے ہیں اعتراض کیا تھا اور سفارش کی تھی کہ ان کو قریب قریب بنانا چاہیے تاکہ قیدیوں کو پھانسی کوٹھری کر پھانسی گھر میں جاتے میں دقت نہ ہو۔ ان قیدیوں کو "کنڈم قیدی" کہا جاتا ہے۔

منڈا بارک | لڑکوں کے لئے ایک منڈا بارک ہے جس میں قیدی حوالاتی شکل میں رہتے ہیں۔ بالغ قیدی اس میں نہیں رکھے جاتے سزا ہونے کے بعد فوراً ان قیدیوں کو ہسٹل جیل لاہور میں بھیج دیتے ہیں۔ جو لڑکوں کے لئے مخصوص جیل ہے۔ اس میں لڑکوں کو دستکاری پڑھنا لکھنا وغیرہ سکھایا جاتا ہے۔

ہسپتال | بیمار قیدیوں کو ہسپتال میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ اگر قیدی کی حالت رات کو بھی خراب ہو جاتی ہے تو نمبر دار سب اچھا کہنے کے ساتھ ایک بیمار دوسرا کی آواز لگاتا ہے جس سے تمام جیل میں بھینپی بھیل جاتی ہے اور ڈاکٹر فوراً خواہ اس وقت کچھ ہی کیوں نہ کر رہا ہو اور کچھ ہی کیوں نہ بجا ہوا اپنے گھر سے اٹھ کر جیل میں بیمار کے معائنے اور بارک وغیرہ سے ہسپتال میں تبدیل اور علاج کرنے کے لئے بیمار کو لاتا ہے۔ جہاں بیمار قیدی کو ایک گتے اور سبزنگ دار چار پائی پر سلایا جاتا ہے جس میں گرمیوں کے موسم میں بجلی کا پنکھا ہوتا ہے جب مریض اچھا ہو جاتا ہے تو اس کو اس کے سابقہ مقام پر تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ اگر مرض خطرناک شکل اختیار کر لیتا ہے تو اس کو مقامی ہسپتال میں جیل کو منتقل کر کے داخل کر دیا جاتا ہے۔ جہاں پولس کے پہرہ میں قیدی رہتے ہیں بندہ بستی کے بعد قیدی جیل واپس بھیجا جاتا ہے اگر قیدی بیماری میں مر جاتا ہے تو اس کو اس کے اعزاء و اقربا کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ اگر لاوارث ہندو قیدی ہوتا ہے تو اس کا جیل کے خرچے پر کر یا کرم کر دیا جاتا ہے اور مسلمان لاوارث قیدی کو نئے قبرستان میں جیل کے قریب دفن کر دیا جاتا ہے۔

پہنچا | جب لمبے سزا والے یا معمولی قیدیوں کے دن تھوڑے رہ جاتے ہیں تو انکے پاؤں میں ایک لٹے کا کڑا ڈال دیا جاتا ہے اور جیل کے باہر کے کاموں کے لئے یعنی جیل حکام کے کام کاج، جیل کے بیرونی حصہ کے جھاڑو وغیرہ دینے جیل کے کھیت میں پانی پہنچانے، کھیت سے سبزیاں لانے کا کام کرتے ہیں۔ اس باہر کے قیدیوں کو باہر کا پہنچا کہا جاتا ہے۔

ان لوگوں کے پاؤں میں آہنی کڑا اس لئے ڈالا جاتا ہے تاکہ کھیت وغیرہ میں آندھی آنے، اور بارش ہونے کی شکل میں ان کے کڑے میں لوہے کی بیل (آہنی زنجیر) سلسلہ دار ڈال دی جاتی ہے اور اس بیل کو کسی مضبوط جگہ ڈال کر مغفل کر دیا جاتا ہے۔ یہ کام جیل کے ملازم جمعدار اور ہیڈ جمعدار انجام دیتے ہیں۔ جن کی ڈیوٹی پانچ بجے کے ساتھ ہوتی ہے پانچ بجے کے آدمی دوپہر کو بارہ بجے دو گھنٹے کے لئے کھیت سے جیل میں آتے ہیں۔ اور پھر دو بجے کھیت میں جیل سے چلے جاتے ہیں اور شام کو پانچ بجے پھر واپس آتے ہیں۔

پاگل قیدی پاگل بھی دہلی جیل میں رکھے جاتے ہیں۔ آج کل دس بارہ پاگل قیدی دہلی جیل میں موجود ہیں۔ ان پاگل قیدیوں کو دہلی کھانا ملتا ہے جو عام قیدیوں کو دیا جاتا ہے۔ ان لوگوں کو کال کوٹھری میں مستقل طور پر رکھا جاتا ہے۔ یہ لوگ گرمیوں میں اور بھی پاگل ہو جاتے ہیں جبکہ تیز دھوپ سے کال کوٹھری تپتی ہے۔ اور ۲۴ گھنٹے میں ان کو ۲۲ گھنٹے اس کوٹھری میں رکھا جاتا ہے۔ پاگلوں کے لئے کوئی خاص طریقہ علاج نہیں ہوتا بلکہ وہی ادویات جو عام قیدیوں کو دی جاتی ہے۔ وہ ان کو ملتی ہے۔ البتہ ان کے دماغ کی خرابی کو دور کرنے کے لئے ایک طریقہ ضرور اختیار کیا جاتا ہے۔ نمبردار ان معصوم و بے گناہ قیدیوں کو چوروں کی طرح صبح شام مارا رتا ہے۔ پاگل ہانے جاتے ہیں اور ان پر ادھر سے جوت بستر ہوتا ہے۔ پاگلوں کے لئے کوئی رعایت نہیں ہے اور دہلی صوبہ کے یہ پاگل قیدی کسی دوسرے صوبے کے پاگل خانے میں بھی نہیں جاسکتے۔ جیل میں بھی یہ لوگ مرتے رہتے ہیں۔ ان

پاگل قیدیوں کی بڑی قابلِ رحم حالت ہے۔ یہ پنجاب کی جیلوں کا ذکر ہے۔ یوپی میں کیا ہوتا ہے وہ بھی ملاحظہ کیجئے۔

یوپی کے ہندوستانی قیدیوں کا فرنیچر اور سترہ | ایک فنٹ کی چٹائی اگر جاتا ہو۔ اور دودھی کے برتن تاکہ اسی کو ٹھری میں قیدی رفح حاجت کر سکے۔

یورپین کی کوٹھریاں اور فرنیچر | یورپینوں کو علیحدہ کوٹھریوں میں رکھا جاتا ہے۔ ان کو ٹھریوں کے دونوں طرف دروازے ہوتے ہیں۔ جس کو ٹھری میں قیدی صرف سرتے اور کام کرتے ہیں۔ صفائی و صحت کے انتظامات اس کو ٹھری کے علاوہ جگہ میں ہوتے ہیں۔ اس کو ٹھری میں چار پانی ایک پانی کا پشت جو ایک اسٹینڈ پر رکھا ہوتا ہے۔ دھوئی میز پر ایک پانی کا جگ اور ایک ایلوے کے ریشے کی چٹائی ہوتی ہے۔ بستر کی جن چیزوں کا ادھر ذکر آیا ہے۔ وہ ان کے علاوہ ہوتی ہیں۔ اور مطالعہ کتب کے لئے ایک لائٹن یا لمپ بھی ہوتا ہے۔

ممبران تحقیقاتی کمیٹی یوپی جیل رپورٹ ۱۹۲۹ء لکھتے ہیں کہ ہم نے جیلوں کے معائنوں کے دوران میں خود اپنی آنکھوں سے ان کوٹھریوں میں یہ چیزیں دیکھیں جن میں یورپین قیدی تھے۔

ہندوستانی قیدیوں کی سوئی جگہ | ہندوستانی قیدی عام طور پر ایسی اثین بارگوں میں بیٹے ٹی ٹی بارگوں میں سوتے ہیں۔ انھیں صرف دو گیس رکھنے کی اجازت ہوتی ہے۔ وہ ایک مونجھ کی چٹائی

رکھ سکتے ہیں۔ ان کے لئے سونے کے واسطے اس سے کسی قدر ادبچھ جوتے بنو ہوئے ہیں۔ انہی پر ہندوستانی قیدی سوتے ہیں۔ یہ جوتے منقسم قطاروں میں بنے ہوتے ہیں۔

جب ہندوستانی قیدیوں کو کوٹھریوں میں بند رکھا جاتا ہے۔ تو مٹی کے دوڑن زمین پر ان کے پاس رکھ دئے جاتے ہیں۔ تاکہ ان سے وہ اپنی حوائج ضروری پوری کر سکیں۔ ہندوستانی قیدی کی کوٹھری میں صرف ایک چٹائی ہوتی ہے۔ اور اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا اور دن کے وقت تو ہندوستانی قیدی اس چٹائی کو بھی استعمال نہیں کر سکتا۔

یورپی کے پاگل قیدی غیر مجرم پاگلوں کو صوبہ یوپی میں لنسٹی ایکٹ

۱۹۱۲ء کے ماتحت آگرہ میٹل ہسپتال، بریلی میٹل ہسپتال، ڈپنسی آ، سرنگر بنارس میٹل ہسپتال میں رکھا جاتا ہے۔

پاگل مجرموں کو جو یورپین اور انیگلو انڈین ہوتے ہیں۔ یورپ میں میٹل ہسپتال رانچی اور ہندوستانی مجرم پاگلوں کو میٹل ہسپتال بنارس، بریلی ڈسٹرکٹ جیل آگرہ سنٹرل جیل میں رکھا جاتا ہے۔

دہلی میں صبح قیدیوں کو چٹانک بھر چنے، چٹانک بھر گرد دیا جاتا ہے
طعام | دس بجے ساڑھے سات چٹانک کی، دو روٹیاں اور دال مونگ

چھلکوں والی دال، ماش، چنا، سور کی دال دی جاتی ہے۔ صرف اتوار کو چنے کی دال اور دو دو روز ایک دن بیج کر کے ان تینوں دالوں کو کھلایا جاتا ہے۔ اور شام کو دہی ساڑھے سات چھٹانک کی دو روٹیاں اور اس کے ساتھ ترکاری دی جاتی ہے۔ جس میں ترئی، میٹھا گھیا، پیٹھا، بگین، ہرا گھیا قسم کی ترکاریاں ہوتی ہیں۔ اور شام کو ساگہ مختلف قسم کے مثلاً پانک، قلفہ، جولاٹی، میں سے ایک ساگہ روزانہ پکا کر کھلایا جاتا ہے۔ کھانے کے لئے دد برتن ایک تھالی اور ایک بالٹی آہنی ملتی ہے۔ بنی کلاس قیدی کو ایک تھالی، ایک کٹوری، ایک گلاس، اور ایک لیٹامر اوپلی دی جاتی ہے۔

مریضوں کو چاول، دلیہ، دودھ اور ڈبل روٹی اور گھی سے جھری ہوئی دال، پھن، دہی، مرض کی مناسبت سے ملتی ہے۔

چنے معمولی سے بھنے ہوئے گھن زدہ کالے ہوتے ہیں۔ جن کا وزن بھی قانون کے مطابق مقرر نہیں ہوتا۔ ایک چھٹانک کے بجائے پون چھٹانک چنے تقسیم کئے جاتے ہیں جس میں اکثریت محموں کی ہوتی ہے۔ ٹھڈیاں ہی ٹھڈیاں نظر آتی ہیں۔

گڑ، سیاہ بہتا ہوا پرانا، خس و خاشاک میں ملا جلا، ناقابل استعمال، گیا گذرا ہوا، قیدیوں کی قیمت کا ہوتا ہے۔ جس کو قیدی بعد وقت منہ لگاتے ہیں۔ اور مجبوری کھاتے ہیں۔

روٹی کا وزن یعنی وزن کی ملنی چاہیے، نہیں ملتی الا گری کم روٹی کی نوعیت | کر دیتے ہیں۔ اور آٹا جیل کی سفارش اور اپنی ضروریات

کے مطابق چرائیتے ہیں۔ معائنہ ہوتا ہے تو ان کے پاس تولنے کے بٹے اور دکھانے کے اور ہوتے ہیں۔ اکثر اوقات ترازو کے پلٹے کے نیچے آٹا چپکا کر آنکھوں میں دھول ڈال دی جاتی ہے۔ روٹی بڑی بڑی، ماتھی کے کان صبی، دھوئیں سے سیاہ، کرکری سخت کڑوی، اور بے مزہ ہوتی ہے جس کو قیدی بھوک کے ارے بمشکل تمام ادنیٰ پونی کھا لیتے ہیں۔ یہ روٹی آٹے میں پانی اندازے سے زیادہ ڈال کر کوٹلوں پر سینکے بغیر توڑے۔ سے اتار لی جاتی ہے۔ جو وزن میں زیادہ اوپر سے بچختہ اندر سے کچی ہوتی ہے۔

دال | دال چٹکوں والی، نمک مرچ برائے نام، کم مصالحہ، اُپنی ہوئی، تیل کی بجھری، چٹکوں کی پوٹ، بے اثر، خروم خاصیت دی جاتی ہے جو آہنی بالٹی میں ڈالنے کے بعد لہے کا رنگ لے کر بالکل سیاہ اور بے مزہ، بد صورت ہونے کی وجہ سے قابل نفرت بن جاتی ہے۔ البتہ چنے کی دال اور دالوں کے مقابلے میں اچھی مکی ہوئی یا مزہ ہوتی ہے۔

ترکاری | ترکاری فصل سے گزری ہوئی بیکار، گلی ٹری، کیرٹے بڑی، گھاس بھری، تیل کی بجھری، ادھ کچھری مٹی ہے۔ تیل کا بگھار پکنے کے بعد دیا جاتا ہے۔ جس سے قیدیوں کی صحت پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ اکثر اوقات سبزی کئی کئی درختوں کے پتے سے پورا کرتے ہیں۔

کھانے کا برتن | باقی کی شکل فریب فریب تو ہے یہی ہوتی ہے۔ جو رنگ آلود ہوتی ہیں۔ قیدی پہلے اس کو کافی محنت سے بائجہ کر صاف کرتے ہیں اور پھر اس کو استعمال کرتے ہیں۔ قیدی رہا ہو جانا ہے تو وہ تین روز

میں پھر زنگ آدو ہو جاتی ہے۔ یہ بائی لوسے کا برتن ہوتا ہے۔ جو ترکیاری، وال غنڈ کھانے اور پانی پینے کی کام میں آتا ہے۔ اسی کو قیدی بیت الحلا رے جاتا ہے اس کام کے لئے اس کو کوئی دوسرا برتن نہیں ملتا۔

چاول چاول یا ٹوٹا ہوا، سرسریوں والا، اُبلّا ہوا، جو اُن کے ایک جان ہو جانا جو بیماروں، ضعیفوں، یا بہاری، بنگالی قیدیوں کو دیا جاتا ہے جس کو یک قیدی کھاتے ہیں دودھ شہری جیلوں میں مکھن نکلا، پانی ملا قیدیوں کو دیا جاتا ہے۔ لیکن سب جیلوں میں دودھ غنیمت ہوتا ہے۔ دلیہ اور ڈبل دلی معمول کے مطابق ہوتی ہے۔

بی کلاس کی خوراک بی کلاس قیدیوں کو دن میں دس چھٹانک آٹا صبح و شام دونوں وقت کے لئے دیا جاتا ہے۔ صبح کے لئے دال باقی ہے جو بمقابلہ بی کلاس کے صاف و ستھری اور بہتر حالت میں ملتی ہے۔ اور شام کو جو سبزیاں دی جاتی ہیں وہ ناقابل استعمال اور وہ ہی ہوتی ہیں جو بی کلاس کے قیدیوں کو ملتی ہیں۔ البتہ ان سبزیوں کے علاوہ بی کلاس قیدیوں کو اردی اور آو بھی دیا جاتا ہے۔ اگر آو مہنگا ہوتا ہے تو نہیں ملتا۔

گوشت شام کے وقت کے لئے پاؤ بھر دیا جاتا ہے۔ لیکن اس کو چھٹانک دودھ، پاؤ بھر دی اور دو انڈے نہیں دئے جاتے ایک وقت میں ان چار چیزوں میں سے ایک چیز دی جاتی ہے۔ خواہ دو انڈے سے خواہ چھٹانک دودھ وغیرہ حاصل کرو۔ البتہ دو چھٹانک دودھ چائے کا ہر حالت میں دیا جاتا ہے۔ اور چائے کے لئے ایک چھٹانک فی یوم پینی دی جاتی ہے۔ کچی بھی

ایک چٹنا تک ملتا ہے۔ جو شروع میں بنا پستی ہوتا ہے اور پھر احتجاج کے بعد کچھ اچھا ملنے لگتا ہے۔ بی کلاس نظر بند دن کو بھی یہی اشیاء ملتی ہیں۔

اے کلاس قیدی کی خوراک | اے کلاس نظر بند اور اے کلاس قیدی ان ہی چیزوں کے مستحق ہوتے ہیں مگر ان کو ڈیڑھ چھٹنا گھی نی یوم دیا جاتا ہے۔ اور وہ گھر سے سامان منگانا چاہے تو منگا سکتا ہے۔ لیکن بی کلاس قیدی باہر سے سامان منگا نہیں سکتا۔

خوراک یورپین قیدی | مذکورہ خوراک پنجاب کی جیلوں میں قیدیوں کو دی جاتی ہے۔ یورپی کی پرانے مضابطہ قواعد ۱۹۱۵ء کے رتبے یورپین اور مخلوط النسل یورپین قیدیوں کو پہلے حصہ داری خوراک یہ دی جاتی تھی۔ جس کا نقشہ یہ ہے:-

دن	ناشتہ	دوپہر کا کھانا	رات کا کھانا
اتوار	دال اور چاول	آرٹش اسیٹو	بریڈ پڈنگ
پیر	آلو اور دودھ	کرٹھی اور چاول	چاول کی پڈنگ
منگل	چاول کی پڈنگ	شوربہ (برد تھ)	آلو اور دودھ
بدھ	دال اور چاول	آرٹش اسیٹو	بریڈ پڈنگ
جمعرات	آلو اور دودھ	کرٹھی اور چاول	چاول کی پڈنگ
جمعہ	چاول کی پڈنگ	برد تھ (شوربہ)	آلو
ہفتہ	آلو اور دودھ	کرٹھی اور چاول	چاول کی پڈنگ

اس ہفتہ وار غذائی عناصر کا تناسب یہ ہے:-

روٹی	۹۱	اونس
گدشت	۴۲	اونس
چاول	۴۲	"
دودھ	۷۷	"
دال	۶	"
آلو	۷۷	"
سبزی ترکاری	۲۵	"
شکر	۵	"
مکھن	۵	"
کل میزان	۳۸۴	

خوراک کی اس مقدار میں مندرجہ بالا غذائی اجزاء کے علاوہ ۷ اونس کی مقدار میں مصالحہ اور ۱۴۰۰ گرین کی مقدار میں نمک شامل ہوتا تھا۔ اور ان مصالحہ کے علاوہ اس میں ایک پھینے میں ۳۸۴ اونس - ۲۴ پونڈ ۱۲ سیر ۲ ۷ چھٹانک روزانہ چائے اور شکر ہی ہوتی تھی۔ اور فی حصہ ۱۴ چھٹانک مصلکے اور ۱۴۰۰ گرین نمک کے حساب سے ۲۰۰ گرین روزانہ ۱۴ چھٹانک ۱۴ چھٹانک برابر ۱۴ چھٹانک۔

یورپین قیدیوں کا جدید ہفتہ واری نقشہ خوراک یہ ہے:-

دن	چھوڑا ماسٹری	ماستہ	ڈنہ (دنگا کھانا)
اتوار	ایک پیالہ چائے، تین نان پاؤ کے ٹکڑے کھن سمیت	ایک پیٹ دال اور تین نان پاؤ کے ٹکڑے مع جاگری	تین گوشت کے کٹلیٹ سبزیاں، ترکاریاں، ایک روٹی
بیر	ایک پیالہ چائے، تین بکھن لگے ہوئے نان پاؤ کے ٹکڑے	ایک پیٹ دال اور چاول نان پاؤ کے ٹکڑے مع جاگری۔	(نان پاؤ) ایک چائو کا پیالہ ایک پیٹ مٹن کی کریمھی ایک روٹی (نان پاؤ)۔ ایک پیالہ چائے۔
منگل	" " "	" " "	تین آلو کے کٹلیٹ سبزیاں ایک روٹی (نان پاؤ) ایک پیالہ چائے۔
بدھ	" " "	" " "	ایک پیٹ آرنن اسٹیو۔ ایک روٹی (نان پاؤ) ایک پیالہ چائے۔
جمعرات	" " "	" " "	تین گوشت کے کٹلیٹ سبزیاں۔ ایک روٹی
جمعہ	" " "	" " "	(نان پاؤ) ایک پیالہ چائو ایک پیٹ مٹن کی کریمھی ایک روٹی نان پاؤ۔ ایک پیالہ چائے۔

دن	چھوٹا ماضری	ناشتہ	ڈنر (دن کا کھانا)
ہفتہ	ایک پیالہ پلے تین کھن لگے ہرے نان پاؤ کے ٹکڑے۔	ایک پلیٹ دال اور چاول نان پاؤ کے ٹکڑے مع جاگری۔	ایک پلیٹ برادن اسٹو۔ ایک روٹی (نان پاؤ) ایک پیالہ چائے۔

یورپین قیدیوں کو آج کل جو خوراک ملتی ہے اس کا نقشہ یہ ہے:-

اشیائے خوراک	درجہ اول	درجہ دوم
گوشت	۶ چھٹانک	۳ چھٹانک
روٹی	۲۰ نان پاؤ	۱۴ نان پاؤ
دلیا	۱ چھٹانک	۱ چھٹانک
گڑ	$\frac{1}{14}$	$\frac{1}{14}$
چینی	$\frac{2}{14}$	$\frac{1}{14}$
آلو	$5\frac{1}{14}$	۲
چاول	۳	$2\frac{1}{14}$
دودھ	$5\frac{1}{14}$	$5\frac{1}{14}$
دال	$1\frac{1}{14}$	$1\frac{1}{14}$
بیریاں	$2\frac{1}{14}$	$2\frac{1}{14}$
مٹھائے	$\frac{1}{14}$	

درجہ اول	درجہ دوم	ایشائے خوراک
چھٹانک $\frac{۱}{۳}$	چھٹانک $\frac{۱}{۳}$	مکھن
" $\frac{۲}{۹}$	" $\frac{۲}{۹}$	نک
" $\frac{۱}{۸}$	" $\frac{۱}{۸}$	مرج
" $\frac{۱}{۴}$	" $\frac{۱}{۴}$	پیاز
۲ سیر	۲ سیر	کوندہ

اول درجے کی خوراک میں نک مرج، مصالحہ اور چائے کو نکال کر کل خوراک کی مقدار ۲۹ چھٹانک ہوتی ہے۔ ایک نان پاؤ کا وزن ۲ چھٹانک ہوتا ہے۔ لیکن اس تخمینے میں ایک نان پاؤ یا ڈبل روٹی کا وزن ایک چھٹانکی لگایا ہے۔

پاؤ چھٹانک چینی اور پاؤ چھٹانک چائے۔ قید میں ایک مہینہ گزرنے کے بعد دی جاتی ہے۔

ہندوستانی قیدیوں کو روزانہ خوراک درجہ اول کا نقشہ از روئے ضابطہ قواعد بحریہ ۱۹۱۵ء ص ۲۶۳ دی جاتی تھی۔

چائیاں	۱۲ چھٹانک
دال	" ۱
بزیاب	" ۳
تلن	" $\frac{۲۵}{۴}$
مرج	ایک

۱۵۰ گرین

نمک

کل میزان - ایک مرچ اور ۵۰ گرین سمیت ۱۸۴ گرین روزانہ
ہندوستانی قیدیوں کی روزانہ خوراک درجہ اولیٰ
(کا نقشہ از روسے ضابطہ قواعد مجریہ ۱۹۱۷ء)

ص ۹۱) جودی جاتی ہے وہ یہ ہے :-

چائیاں	۱۴ چھٹانک
دال	" ۱
سبزیاں	" ۳
نیل	" ۲۵
مرچ	ایک عدد
نمک	۱/۴ چھٹانک
ہلدی	۱/۵

کل میزان ایک مرچ ۱ چھٹانک نمک اور ۱ چھٹانک ہلدی سمیت ۱۹۲ چھٹانک
پہلے جو خوراک ملتی تھی اس میں اور موجودہ خوراک میں صرف اتنا فرق ہے
کہ ایک چھٹانک سبزی کا اضافہ ہوا ہے۔

یوپی کے سی کلاس قیدیوں کی خوراک | صبح کا ناشتہ میٹھا دلیہ
ایک چھٹانک جس میں نصف

۱۹۲۶ء ۱۹۲۷ء ۱۹۲۸ء ۱۹۲۹ء

چھٹانک گرد، ہفتہ میں تین دن۔

تلا ہوا گندہول پون چھٹانک . ہفتہ میں دو دن

بھنا ہوا . دو چھٹانک

دوپہر اور شام کا کھانا۔

مشقتی قیدی - ایک دن میں ۵ چھٹانک غلہ

محض قیدی - ایک وقت میں

داں آدھی چھٹانک

سبزی دو چھٹانک

تیل ۲/۵

مرچ ۱/۱۰۰

نمک ۱/۸

جو قیدی کام کرتے ہیں ان کو ہفتہ میں تین دن ایک چھٹانک گرد دیا جاتا ہے

چاول آٹھ چھٹانک - داں دو چھٹانک - سبزی

پانچ چھٹانک - اور تیل -

چاول کی خوراک

اول درجہ دو روپے

دوئم درجہ ایک روپیہ آٹھ آنے

سول قیدی کی خوراک

سوئم درجہ چار آنے -

یڑپی کی جلیوں میں روزانہ خوراک کے علاوہ ہولی

عید الفطر پر رمضان اور برت میں قیدیوں کو ایک

تہوار و نیشنل مراعات

چٹنا تک گرد دیا جاتا ہی۔ مسلمانوں کو رمضان میں گرم کے بجائے آدمی چٹنا تک کھجور بھی دی جاسکتی ہے بلکہ

حوالاتی محض قیدی اور اے کلاس، نظر بند، شاہی قیدی اپنا لباس لباس استعمال کر سکتے ہیں لیکن سی کلاس مشقتی قیدی اپنا لباس استعمال نہیں کر سکتے۔ ان کو دو کرتے، دو پاجامے دئے جاتے ہیں۔ ایک ٹوپی، ایک پربن یعنی انگوچھا، ایک چادر، ایک دری، ایک پٹری ملتی ہے۔ جاڑوں میں پھپھے پرانے کبل کا کوٹ پہنے کے لئے اور اوڑھنے کے لئے دو کبل ملتے ہیں۔ جس میں قیدی ٹھٹھرتے رہتے ہیں۔

کپڑوں کی نوعیت کرتے، پاجامے، پرانے، چادر کا ایک ہی قسم کا دوسری کپڑا ہوتا ہے۔ سی کلاس، اخلاقی قیدی کو یہ چیزیں استعمال شدہ دی جاتی ہیں۔ گول ٹوپی بھی دوسری کپڑے کی ملتی ہے۔

دری معمولی سوت کی ڈیڑھ فٹ چوڑی اور چھ فٹ لمبی ہوتی ہے۔ جو پٹری پر بچھائی جاتی ہے۔ پٹری ڈیڑھ فٹ چوڑی اور چھ فٹ لمبی ہوتی ہے۔ جس کی شکل کسے ہوئے چارپائی کے جھلنگے جیسی ہوتی ہے۔ مگر بان موٹا ہوتا ہے۔

بی کلاس قیدی کو کپڑے بھی دئے جلتے ہیں مگر کپڑے میں دھاری نہیں ہوتی اگر ان کا اپنا بسترانہ ہو تو ان کو دو چادریں ملتی ہیں۔ اور پٹری کے بجائے چارپائی دی جاتی ہے۔ جاڑوں میں گرم کپڑے کا کوٹ دیتے ہیں۔

پنجاب کے جیلوں کا قاعدہ ہے۔ بوپی کے جیلوں میں جو کپڑے دئے

جاتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:-

یوپی کے یورپین قیدیوں کے کپڑے | یورپین قیدیوں کو جو کپڑے دئے جاتے ہیں ان کا نقشہ نہ پرانے مضابطے میں دیا گیا تھا نہ جدید مضابطے قواعد میں پایا جاتا ہے۔ لیکن ان پکڑ جنرل جیل خانہ جات نے ۲۴ فروری ۱۹۲۷ء کو جو سرکلر جاری کیا اس کے مطابق یورپین قیدیوں کے کپڑوں کا نقشہ یہ ہوگا:-

موسم سرما	موسم گرما
دو خاکی نٹالین کے کوٹ	دو کوٹ
ایک پتلون	دو پتلون
دو قمیص	دو قمیص
ایک چٹائی یا دری	ایک چٹائی یا دری
ایک تکیہ سوتی	ایک تکیہ سوتی
ایک نرم	ایک نرم مجھے دار نوپی
دو جوڑی سفید موزہ	دو جوڑی سفید موزہ
دو تولیے	دو تولیے
ایک جوڑی سیاہ جوتہ	ایک جوڑی سیاہ جوتہ
ایک ادنی جرسی	دو۔ دو سوتی چادریں
دو تکیہ غلاف	دو تنگ موری کے پاجامے
دو تنگ موری کے پاجامے	(جرتیلوں کے غٹے پہنے جاز ہیں)

ہندوستانی قیدیوں کے کپڑے | جدید ضابطہ قواعد و ضوابط بحریہ ۱۹۲۷ء باب ۱
 میں صفحہ ۹۷ کے پیرا گراف ۴۵۶۔ ہندوستانی
 مرد قیدیوں کے کپڑے کا یہ نقشہ دیا گیا ہے :

گرمیوں کے لئے :-

ایک کرتا۔ ایک جانگہ۔ ایک لنگوٹ۔ ایک تکوئی۔ ایک تڑیہ۔ ایک کبل۔
 جاڑے میں ان قیدیوں کو دو کبل اور ایک کبل کا کوٹ ملتا ہے۔
 بعض قیدیوں کو جاڑے کے موسم میں ایک اضافی کبل بھی دیا جاتا ہے
 مگر یہ اضافی عمل صرف اسی حالت میں دیا جاتا ہے۔ جب ایسا کرنے کے لئے طبی
 وجوہ موجود ہوں۔

نسلی امتیاز اور کیٹی | ۱۹۲۹ء میں جیلوں کی جو تحقیقات ہوئی تھی۔ اس کی کمیٹی نے
 اپنی رپورٹ میں یورپین کے نسلی امتیاز کو بری نظر
 سے دیکھا ہے۔ چنانچہ صفحہ ۲۴ پر وہ لکھتے ہیں :-

جو امور طعام و قیام و لباس میں بے نقاب ہوئے ہیں ان کو ایک دوسرے
 کے مقابل رکھ کر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان معاملوں میں یورپین قیدیوں کے
 ساتھ خاص اور امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ ان حالات میں قدرتی طور پر
 یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ یہ امتیازی سلوک صرف یورپین قیدیوں کے ساتھ
 کیوں ہے؟

اس سوال پر بحث کرتے ہوئے سر لوئی اسٹواٹ نے اپنے نوٹ میں

لے رپورٹ صوبہ بریلی کی جیل تحقیقات کمیٹی ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۴۵ تا ۲۴۶

یہ لکھا ہے کہ اس امتیازی سلوک کے لئے صحیح جواز موجود ہے کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ ایک ہندوستانی قیدی کو جو خوراک دی جاتی ہے وہ ایک یورپین قیدی کو اس نہیں ملے گی اور اس خوراک کا اس کی تندرستی پر برا اثر پڑے گا۔ اس کے علاوہ زندگی کی جو آسائش اس کو دی جاتی ہے ان میں ایک خاص حد سے آگے بڑھ کے تخفیف کرنے سے اس کے لئے حالات بہت زیادہ تلخ بن جائیں گے۔“

ہم کو انفس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم اس رائے سے اتفاق نہیں کرتے اور ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس امتیازی سلوک کی بنیاد نسلی، مذہب، اور رنگ کی تمیز پر ہے۔ ہم سرلوئی کی دلیل کو اسی حالت میں درست اور ناقابل تردید مان لینے کو لئے تیار ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ جو سلوک یورپین قیدیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے ٹھیک ایسا ہی سلوک ہندوستانی سماج کے قیسم یافتہ اور اعلیٰ طبقوں کے افراد کے ساتھ بھی کیا جائے۔

آئیے اس سوال کی ذرا زیادہ قریب سے جانچ کریں۔ اس سے پہلے کہ ہم آگے چلیں یہ بات صاف کر دینا چاہتے ہیں کہ بلا واسطہ یا بالواسطہ کسی طریقے سے بھی یہ خواہش نہیں رکھتے کہ جو آسانیاں اور مراعات یورپین قیدیوں کو ملی ہوئی ہیں وہ ان سے واپس لے لی جائیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ یہی آسانیاں اور مراعات ہندوستانی قیدیوں کے لئے بھی فراہم کی جائیں۔ البتہ اگر یورپین قیدیوں کی مساوی حیثیت رکھنے والے اور ان کے مقابلہ میں زیادہ اونچے معیار زندگی کے عادی ہندوستانی قیدیوں کی جیل کی زندگی کو بہترین بنایا جاسکتا تو یقیناً ہندوستانی عوام یورپینوں کے ساتھ کئے جانے والے اس امتیازی سلوک کو برداشت نہیں کریں گے۔

اور برداشت نہیں کریں گے۔ حکومت کے سامنے دوہی راستے ہیں، یا تو وہ سب کے ساتھ یکساں سلوک کرے یا ان ہندوستانی قیدیوں کے ساتھ بھی یورپین قیدیوں کا سا امتیازی سلوک کرے جن کے بارے میں ہم نے کہا ہے۔ وہ بہتر سماجی درجہ رکھنے والے قیدی ہوتے ہیں۔

یوپی کے سی کلاس قیدیوں کی کپڑے

عورتیں

دوساری
دو کرتے
دو کرتی
دو پرنس
ایک چادر

مرد

دو کرتے
دو جانچے
ایک باجامہ
ایک لنگوٹ
ایک ٹوپی
ایک پرنہ (رومال)
ایک تکیوئی
ایک چادرہ

ایک صافا گزلہ، ۳ فٹ چوڑا۔ اور اس کے لئے ایک ٹوپی گرمی کی جسکی مدت یکم اپریل سے ۳ ستمبر تک ہوتی ہے۔
سردی جس کی مدت یکم اکتوبر سے ۲۱ مارچ تک ہوتی ہے۔ گرمی میں ایک

کبل اور سردی میں دو کبل اور کبلی کوٹ اور اگر زیادہ سردی ہو تو تین کبل دے جاتے ہیں۔

بچوں کا لباس | گرمی میں بچوں کو حسب ذیل لباس دیا جاتا ہے۔

۲ عدد	دوسری قمیصیں خاکی
۱ عدد	پرنے
۲ "	چھوٹی قمیص
۱ "	بھونگنی
۱ "	ٹوپی
۱ "	چادر
۱ "	کبل
	سردی میں
۱ عدد	دو لمب کوٹ
۲ عدد	کبل

نمبرداروں کا مزید لباس | یو پی میں سزا یافتہ محافل یعنی نمبردار کو مزید دو کوٹ دو کرتے، ایک جاگلیہ، ایک پاجامہ اور ایک ٹوپی

ملتی ہے۔ ان کو علیحدہ کبل بھی دے جاتے ہیں۔ اسی طرح سزا یافتہ وارڈن مزید کپڑے دے جاتے ہیں۔ بیمار قیدی بھی زیادہ کپڑے لے سکتا ہے۔

سول قیدی کا لباس | دہلوانی قیدی اول درجہ کو گرمی میں ۶۴ روپے۔ اور سردی میں ۸۰ روپے کے قیمتی کپڑے ملتے ہیں۔

دوئم درجہ کو ۳۲ - گرمی اور سردی میں ۸۰ روپے۔ اور تیسرے درجے کو ۱۶ روپے گرمی میں اور ساڑھے ۲۵ کے سردی میں کپڑے دئے جاتے ہیں۔

کپڑے دھونا | سی کلاس کو کپڑے دھونے کے لئے صابن نہیں دیا جاتا بلکہ سچی ملتی ہے۔ جو ہفتہ میں ایک مرتبہ ۴ تولے فی کس دی جاتی ہے۔ جس سے ہفتہ میں ایک مرتبہ کپڑا دھلتا ہے۔ اس کو ایک بڑے کڑھائوں میں جو ایک بڑے آگ والے چولہے پر رکھا ہوا ہوتا ہے پانی میت ڈال دیا جاتا ہے۔ قیدی کپڑے کو سچی کے اُبلتے ہوئے پانی میں دو تین مرتبہ ڈبو کر نکال لیتا ہے اور قریب ہی نل کے چوتروں پر کوٹ کاٹ کر کپڑوں کو دھو لیتا ہے۔ اور سکھا کر پہن لیتا ہے۔

اے کلاس اور بی کلاس قیدیوں کے لئے صابن ملتا ہے۔ جن کے کپڑے ان کے مشفق اور قیدی دھو بی دھوتے ہیں۔ اور کپڑے دھونے کے لئے کوئی دن مقرر نہیں ہے البتہ سی کلاس اخلاقی قیدی صرف اتوار کو چھٹی کے دن کپڑے دھو سکتے ہیں۔ لیکن اگر سیاسی قیدی دو دن کپڑے دھونے کا مطالبہ کرے تو ان کو اجازت دید جاتی ہے۔

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ سیاسی سی کلاس قیدی پہلے اپنے کپڑوں کو سچی کے پانی میں ڈبو کر دھو لیتے ہیں جس سے سچی کے پانی میں سیل ہی سیل ہو جاتا ہے۔ بعد میں اخلاقی قیدی اسی میلے کچیلے پانی میں کپڑے ڈبو کر دھونے پر مجبور ہوتے ہیں۔

جیل کی مشقیں

سی کلاس اخلاقی قیدی عدالت سے سزا کا حکم سننے کے بعد جیل میں داخل ہوتا ہے۔ شام کو جیل کی جانب سے پہننے، بچھانے کے لئے کپڑے دئے جاتے ہیں۔ دوسرے دن صبح کو ڈاکٹر اس کا وزن کرتا ہے۔ صحت و تندرستی کا اندازہ لگاتا ہے اور جیلر اور اسسٹنٹ جیلر کے سامنے پیش ہوتا ہے۔ جو قیدی کی مشقت مقرر کرتے ہیں جس کو جگائی، مونجھ کٹائی، آٹا پسوائی، بان بٹائی، بال کٹائی، جھاڑو دلائی، پلو جھا، چرخہ کٹائی، کھانا پکائی، غالیچہ، کبیل، کپڑا، درمی، پٹری بنوائی، پتھرہ چلائی، کپڑا سلائی و دھلائی، برسی، لوہا، منشی گیری، پیشکاری، وغیرہ مشقتوں میں سے ایک ایک مشقت یکے بعد دیگرے دی جاتی ہے۔ قیدی اگر مشقت کم کرے تو اس کو اس کی سزا ملتی ہے۔ اور اگر انکار کر دے تو اس کو بتیس زین سے لے کر نو سو تک

لگائی جاتگی ہیں جو جیل کی انتہائی سزا کہلائی جاتی ہے۔ مشقت دینے میں اس بات کا خیال رکھ جانا ہو کہ جو جس کام یا دستکاری سے واقف ہو اس کو وہی کام مشقت میں دیا جائے۔ مشقت کی تفصیل حسب ذیل ملاحظہ ہو۔

جگمائی | جگمائی اس مشقت کو کہتے ہیں جس میں دیسی کاغذ بنوایا جاتا ہو جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ایک ہودے میں کاغذ کے ٹکڑے ڈالے جاتے ہیں جس کو کوٹنے کے لئے ایک ٹولہ آہنی گولی پترہ ہونا ہو جو لوہے کی مسلمان کے اوپری حصے میں ایک ڈیڑھ گز لمبی لٹکائی جاتی ہے۔ اس کو قیدی ایک پاؤں سے دباتا ہے پھر جھوڑ دیتا ہے اور دباتا ہے یہ عمل کافی دیر جاری رہتا ہے اس کے بعد جب کاغذ موٹا ٹوٹاٹ جاتا ہو تو دوسری ٹھٹ کی ہودی میں کاغذ کو بھگو کر قیدی اپنے دونوں پاؤں سے اس کو لت پت کر کے لٹاتا ہے۔ چونکہ ردی کاغذ میں پتیں ہوتی ہیں۔ وہ پاؤں میں گھس جاتی ہیں اسی بنا پر پاؤں کی مٹھیلی لہو لہان ہو جاتی ہے اور پاؤں تھک تھک کر چور چور ہو جاتے ہیں۔

جب قیدی پاؤں سے کاغذی ٹکڑوں کو کوٹتا ہے تو اس کو کپڑے کے ٹکڑے پر پھیلا کر ایک صفا چٹ جوتے پر ڈال دیتا جاتا ہے جس کے اوپر کاغذ کو ہموار کرنے کے لئے لکڑی کا سیلیں استعمال کیا جاتا ہو۔ کاغذ ہموار ہونے کے بعد دیواروں پر لگا دیا جاتا ہو۔ وہ سوکھ کر قابل استعمال کاغذ سرکاری قسم کا جس پر کپھری وغیرہ کے سمن چھپتے ہیں جیسا تیار کیا جاتا ہے۔ جگمائی کی مشقت میں قیدی کو تعبیت ہوتی ہے۔ وہ اس کو مجبوری پسند کرتا ہو۔

موسجھ کشائی | یہ مشقت مضبوط قیدی کو دی جاتی ہو جو کمزور ہونا ہو اس کو بھی

مشقت ملتی ہو مگر کم، مونجھ کوٹنے کے لئے کم سے کم تین پاؤ اور زیادہ سے زیادہ سوا سیر ملتی ہو۔ جو لکڑی کے بنورے سے کوئی جاتی ہے۔ کافی محنت کے بعد کھیتی ہو۔ ہاتھ اور بازو تھک جاتے ہیں اور جواب دے بیٹے ہیں اور جب مونجھ کو صاف کیا جاتا ہو تو مونجھ کی پھانسی انگیلوں میں چھب جاتی ہیں۔ ہاتھوں میں گٹے پڑ جاتے ہیں زیادہ کوٹنے سے بخار چڑھ آتا ہو۔ اور قیدی کو ہسپتال میں داخل ہونا پڑتا ہو۔

آٹا پسوانی | قیدی کی صحت کے مطابق بارہ یا اٹھارہ سیر گہوں فی یوم پسوا جاتا ہے۔ چکی اونچی ہوتی ہے اس بنا پر قیدیوں کو کھڑے ہو کر پسنا پڑتا ہے۔ عام طور پر قیدی اس مشقت سے گھبراتے ہیں۔ خاص طور پر شہری قیدی اس کے نام سے بھاگتے ہیں مگر جبراً پسنا پڑتا ہے۔ آٹا پسینے کے بعد دس سیر کے وزن میں چھٹانک دو چھٹانک وزن کم ہو جاتا ہو۔ اور کچھ قیدی بھوکے بننے کی وجہ سے چکی چلانے وقت گہوں پھانک جاتے ہیں۔ جس کی کمی کو پورا کرنے کے لئے قیدی آٹے میں مٹی ملا دیتے ہیں۔ مٹی ملنے کی وجہ سے آٹا انتہائی گر کر ہو جاتا ہو اور کھانے میں بد مزہ معلوم ہونے لگتا ہے۔ اگر اس آٹے میں مٹی کی ملاوٹ نہ کی جائے تو یہ آٹا بازار کے آٹے سے بدرجہا بہتر اور انتہائی مفید ہو۔ سی کلاس قیدیوں کو بھی آٹا ملایا جاتا ہے۔ بی کلاس اور اے کلاس قیدیوں کو مشین کا پسوا خرید کر دیا جاتا ہو۔

بالن بٹائی | اخلاقی سی کلاس قیدیوں کو بالن بٹنے کے لئے دس چھٹانک مونجھ دیا جاتا ہو۔ شروع میں قیدی دو تین چھٹانک موٹا موٹا بالن بٹتا ہو اور بٹتے بٹتے پورا بالن بٹنے لگتا ہو۔ بالن بٹنے میں ہاتھوں میں بالن کی بھانسیں چھ

جاتی ہیں جھالے پڑ جاتے ہیں۔

سیاسی قیدیوں کو نین چھٹانک مونجھ دیا جاتا ہے جس کو وہ بٹ بٹا کر جلدی سے اپنی مشقت ختم کر دیتے ہیں یہ بان جیل کی چار پائیوں کے بننے میں کام آتا ہے اور شہر کے بیوپاریوں کے ہاتھ فروخت کر دیا جاتا ہے۔ یا کسی جیل میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔

شریر قیدی بان بٹا نہیں چاہتے تو مونجھ کو اتنا ابھادیتے ہیں کہ وہ پہلے نہ لیکس جس کی وجہ سے ان کو بان بٹا نہیں پڑتا۔

بال کٹائی | حجامت کا کام نائیوں کو دیا جاتا ہے۔ اسٹری، مشین، قینچی وغیرہ دست اور کروہ صورت ہوتے ہیں نائی چکر کے قریب بیٹھ جاتا ہے۔ سی کلاں قیدی اس کے پاس آتے ہیں اور وہ ان کی حجامت بنا دیتا ہے۔ مشین کھردری ہونے کی وجہ سے کٹتے وقت قیدی کو ٹرلا دیتی ہے اور تکلیف کی وجہ سے آنسو نکل آتے ہیں۔ صابن حجام کو بال نکل نہیں ملتا پانی رگڑا کر گڑا کر اسٹری کٹنے کی کھال پر چلا جاتا ہے۔ جس سے کھال تک کھڑ جاتی ہے۔ ناخن بھی اپنا کام نہیں کرتی۔ قینچی بال کٹانے سے انکار کر دیتی ہے۔ حجام ان اوزاروں سے پریشان ہو جاتا ہے۔ لیکن حکام جیل ان کا استعمال کرانے میں جھجکا محسوس نہیں کرتے۔

لی کلاس اخلاقی اور سیاسی قیدیوں کی حجامت بھی یہی حجام بناتا ہے۔ سیاسی قیدیوں کے احتجاج پر یہ نیچے اوزار بدل دے جاتے ہیں اور اچھے اوزار ملنے پر حجامتیں خوب بنتی ہیں۔

ان اوزاروں کی بڑی گزرائی کی جاتی ہے۔ حجام جب اپنے کام سے فارغ

ہو جاتا ہو تو یہ اوزار مقفل کر دئے جاتے ہیں تاکہ کسی قیدی کے قبضہ میں پٹے نہ جائیں۔ جو کسی جملے کے لئے استعمال ہو سکیں۔ یا قیدی اپنے جسم کو نقصان پہنچا سکے۔ حجام یہ اور دستخط کرنے کے بعد لیتا ہے۔ اور ذمہ داری کے ساتھ واپس کرنا ہوتا ہے۔

جھاڑو دنیا | ان قیدیوں کو جو بھنگی چار چوڑے غیر پڑے لکھے اہل ہوتے ہیں انکو جھاڑو دینے اور بیت الحلا اور نالیوں کی عداوت کرنے کی مشقت

دی جاتی ہے۔ جو بارکوں، سڑکوں وغیرہ کو صاف کرتے ہیں۔ اور کوڑا کرکٹ ہٹا دیتے ہیں ان کی جھاڑو بانس کی سینکوں کی بنی ہوتی ہے۔ جس سے صفائی خاطر خواہ نہیں ہو سکتی۔ نام جیل میں جھاڑو بنی دی جاتی ہے۔

پوچا | جھاڑو کے بعد پوچا دیا جاتا ہے ایک ٹاٹ کا ڈیڑھ فٹ چوڑا، اور چار فٹ لمبا ٹکڑا بانس کے ڈنڈے میں باندھ دیا جاتا ہے اس کو پانی میں بھگو کر گیلی زمین

پر گھینٹا جاتا ہے۔ جس کو جیل کی اصطلاح میں "پوچا" کہا جاتا ہے۔ اس پوچے کو حوالاتی لوگوں سے زیادہ دلایا جاتا ہے۔ جو صبح کے وقت ہمیشہ ملتا ہے۔ باقی لوگ قیدی ہوتے ہیں جن سے یہ مشقت لی جاتی ہے۔

چرخہ کتابی | کاتنے کے لئے ۳ چھٹانک سے جو چھٹانک تک روئی مشقتی قیدی کو دی جاتی ہے۔ یہ مشقت اسے بنی اکلاس سب کو ملتی ہے۔

اس مشقت کو بعض گاندھی دادی پسند کرتے ہیں اور خوشی خوشی اس کام کو انجام دیتے ہیں۔

جو قیدی چرخہ کا تنا نہیں جانتے انھیں شروع میں یہ مشقت بُری معلوم دیتی ہے، اور بعض قیدی اس کام سے چڑتے ہیں اور اپنی ذاتی توہین سمجھتے ہیں۔ ان کا

خیال ہو کہ یہ کام عورتوں کے لئے ہی موزوں ہو۔

اس مشقت میں قیدی کے لئے یہ بڑی دقت ہوتی ہو کہ اس کو چھ جھٹانک روٹی دی جاتی ہے، تو کتا ہوا سوت بھی چھ جھٹانک مانگا جاتا ہو۔ حالانکہ جیل حکام قیدی کو خراب پرانی اور بنولے اور کباڑ والی روٹی دیتے ہیں جو کتنے کے بعد ایک سر میں بندھ جھٹانک رہ جاتی ہے، اور اس کا نام کباڑ نکل جاتا ہو۔

اس وقت سے بچنے کے لئے قیدی یہ نیکل اختیار کرتے ہیں کہ کلڑی کو گیلے کپڑے میں لپیٹ لیتے ہیں جس کی سیل سے کلڑیوں کا وزن بڑھ جاتا ہو اور وزن کی کمی دور ہو جاتی ہے۔ یا یہ طریقہ برتنا جاتا ہے کہ روٹی کا کباڑ یا بنولے جو کتنے میں الگ ہو جاتے ہیں ان کو کلڑیوں کے اندر باندھ کر دیدیا جاتا ہو۔

سیاسی قیدیوں کو روٹی کا تنے کے لئے آدھی جھٹانک یا زیادہ سے زیادہ ایک جھٹانک ملتی ہو جس کو بعض قیدی کات دیتے ہیں اور بعض کم کاتے ہیں۔ بی کلاس قیدی اپنی مشقت اپنے مشقیتوں سے پورا کر دیتے ہیں خود ٹہلتے رہتے ہیں یا پڑے اینڈتے رہتے ہیں۔

کھانا پکانی | کھن (مطبخ) جیل میں ہندو مسلمانوں کا الگ الگ ہوتا ہو۔ لیکن اسکی علیحدگی ایسی ہوتی ہو کہ ایک ملنگ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے ایک حصہ میں مسلم مطبخ اور دوسرے حصے میں ہندو مطبخ بنایا جاتا ہو۔ دونوں کے چوڑھے ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں ایک آگ کی بھٹی پر ایک دیگ مٹی سے بپائی ہو میں جو کبھی مہینہ دو مہینہ میں علیحدہ کر کے دھوئے جاتے ہیں۔ اگر کوئی بد قسمت آدمی اس کے اندر زنی حصہ کو دیکھ لے تو بہتوں تک فائدہ سے رہنا پسند کر لے گا،

لیکن اس کی تیار کردہ وال اور سبزی کھانا گوارا نہ کرے گا۔ اس لئے کہ اس کو صاف نہیں کیا جاتا اور بلا صاف کئے اس میں سبزی پکائی جاتی ہے۔

اس دیگ سے ملا کر دو فٹ چوڑا اور چار فٹ لمبا چولہا بنایا جاتا ہے جس پر لوہے یا تانبہ کا بڑا توار کھدایا جاتا ہے۔ ایک وقت میں چھ روٹیاں ڈالی جاتی ہیں۔ ایک آدمی پیڑہ کاٹتا ہے اور تولتا ہے۔ دوسرا پیڑہ اور تیسرا پیڑہ بناتا ہے۔ چوتھا اور پانچواں مشقتی روٹی توڑے پر ڈالتا ہے۔ اور دو تین مشقتی روٹی الٹے پلٹے اوڑھ لے کر اس سے اتارتے رہتے ہیں۔

تو جب پرانا ہو جاتا ہے تو اس میں چھید ہونے کی وجہ سے روٹی سیاہ ہو جاتی ہے، لکڑی تل کر حساب کم دی جاتی ہے۔ اس طرح جیل حکام کے دارے بنارے ہوتے ہیں۔ اور قیدی کچی روٹی کی وجہ سے بھوکے رہ جاتے ہیں۔

رات کے ایک بجے سے صبح گیارہ بجے کے کھانے کی تیاری ہو جاتی ہے آٹا گوندھنے والے آٹا گوندھنا شروع کر دیتے ہیں۔ وال بگھو دی جاتی ہے۔ اور رات کے تین بجے سے وال پکنے کے لئے چولہے پر رکھ دی جاتی ہے، اور اسی وقت سے روٹی توڑے پر چڑھا دی جاتی ہے جس کے پکانے سے صبح نو بجے تک فارغ ہو جاتے ہیں۔ سبزی ایک بڑے آہنی ڈول میں رکھ کر تقیم ہوتی ہے۔ جو کبھی منجمتا نہیں اور دھلتا نہیں وال اور سبزی کی تہ پر تہ چڑھتی جاتی ہے۔ اس کو صاف کرنا گناہ عظیم سمجھا جاتا ہے۔

شام کا کھانا دن کے بارہ بجے سے تیار ہونا شروع ہو جاتا ہے اور چار بجے

تیار ہو کر بائج بچے تقسیم ہو جاتا ہے۔ مبلغ کے قیدیوں کو لانگری کہتے ہیں۔ مبلغ کے کھانے کی وجہ سے لانگریوں کو چھوٹ زیادہ ملتی ہے۔ اس لئے کہ ان کو کام زیادہ کرنا پڑتا ہے۔ اتوار کو بھی چھٹی نہیں ملتی۔ اور قیدیوں کو سال میں ڈھائی ماہ چھوٹ کے دئے جاتے ہیں۔ مگر لانگری تین ماہ کی چھوٹ کے مستحق سمجھے جاتے ہیں۔

بُنائی | کپڑا، پٹری، دری دہلی جیل میں اور کبیل، تولیہ، تہمند، ازار بند، غالجہ، فیروز پور جیل میں بنائے جاتے ہیں۔ لڑکریاں، زنبیل، کریاں بھی جیلوں میں تیار ہوتی ہیں۔ جن کو پبلک کے ہاتھ بھی فروخت کیا جاتا ہے اور مقامی جیل بھی استعمال کرتی ہو۔ بقایا دوسری جیلوں میں تبادلہ میں بھیجا جاتا ہے۔ دستکار قیدیوں کو چھوڑتے وقت جیل حکام ہچکچاتے ہیں ان ہی کی بدولت جیل حکام اپنی جیل کی آمدنی میں اضافہ کرتے ہیں۔ اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ دستکار قیدی جیل سے باہر نہیں رہنے دیئے جاتے بلکہ پولیس کسی نہ کسی طریقہ سے اس کو جلد جیل پہنچانے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ تمام چیزیں ایک جیل کے ملازم کے ماتحت اور اسکی نگرانی میں انجام کو پہنچتی ہیں۔

پترہ چلائی | پترہ چلائی جیل کے اندرونی کوٹ موقعہ یعنی جیل کی چار دیواری پر چلایا جاتا ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قیدی کو فرار ہونے سے روکا جائے اور اگر قیدی فرار ہو تو فوراً پترہ والا نمبر دار سیٹی بجائے سیٹی بجتے ہی جیل کے دروازہ کی چھت کا نمبر دار سیٹی بجا دیتا ہے۔ تو فوراً تمام نمبر دار ہوشیار ہو جاتے ہیں۔

نمبردار جس کے سپرد یہ کام ہوتا ہے ان کی تعداد دس ہوتی ہے۔ جو قیدہ ہوتے ہیں اور اپنی چوتھائی قید کاٹنے کے بعد نمبردار بنادئے جاتے ہیں۔ پترہ لکڑی کے چھوٹے ٹکڑے کو کہتے ہیں جس پر نمبر پیسے بھرنے ہوتے ہیں۔ جیل کی چار دیواری کو دس حصہ میں منقسم کیا جاتا ہے۔ ہر ایک حصہ کو کوٹ موقوفہ کہا جاتا ہے۔ ایک کوٹ موقوفہ سے دوسرے کوٹ موقوفہ پہنچنے میں پترہ گزرنا لازمی ہوتا ہے۔ جیل کے دروازہ سے پہلا پترہ ہر ۲ منٹ کے بعد چلتا ہے پہلا پترہ ایک گھنٹہ کے بعد دروازہ پر پہنچتا ہے۔ بقایا پترے ۲-۳ منٹ کے بعد سلسلہ وار دروازہ پر پہنچتے ہیں۔ کسی کوٹ موقوفہ کا نمبردار پترہ کو پچھ منٹ سے زیادہ اپنے پاس روک نہیں سکتا اور نہ دو پترے اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ اگر رکھیگا تو اس کی اس کو سزا دی جائیگی۔ یہ پترہ ۲۴ گھنٹے چلایا جاتا ہے اور ہر نمبردار کی ۳ گھنٹے کی ڈیوٹی ہوتی ہے جس میں تیس پترے پھنتے ہیں بعض موقعوں پر سیرانی حصہ میں رات کو پترہ چلنا شروع ہو جاتا ہے جو رات کے ۹ بجے سے صبح ساڑھے چار بجے تک چلتا ہے۔ اس میں بھی بارہ نمبردار لگائے جاتے ہیں۔ رات کا پترہ چلنا پولیس کی قیدیوں کا جیل میں آنے کی نشانی یا کسی خطرے کے امکان کا مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔ مذکورہ طریقہ دہلی جیل میں رائج ہے۔ ہر جیل میں اس کی حیثیت کے مطابق نمبردار کی تعداد اور پترہ وغیرہ کا وقت مقرر ہوتا ہے۔

کیڑا اسلامی دھلائی جو قیدی دزدی کا کام جانتا ہے اس کو سی کلاس کے قیدی کے کیڑے سینے کے لئے لوہے کے کارخانہ میں جمادیتے ہیں۔ سینے کے لئے

سویاں نہیں بلکہ سوئے ہوئے ہیں تاکہ کافی موٹا ہوتا ہے جس کی سبھل دیکھ کر
 سینے سلانے کا خیال ختم ہو جاتا ہے۔ جو قیدی اپنے قلم کا درزی ہوتا ہے اس
 کو سینے کی پاؤں والی مشین دی جاتی ہے جس میں سب سے پہلے جیلر اور اسٹنٹ
 جیلر اور ان کی اولادوں کے کپڑے تھتے ہیں۔ بعد میں ہیڈ وارڈر اور وارڈر اپنے کرتے
 بچائے ملواتے ہیں۔ قیدیوں کا مہینوں کے بعد نمبر بھی نہیں آتا۔ البتہ جیل کے کپڑے
 بچائے دی درزی سیتا ہے۔

دھوئی قیدی بھی تمام دن جیلر اور اسٹنٹ جیلر کے کپڑے دھوتا ہے۔ اور
 استری کرتا رہتا ہے جو مصالحہ کپڑے دھونے کا ہوتا ہے اور مٹی گرم کرنے کے ٹو
 جو کلفی ملتی ہے وہ سب جیل حکام کی نظر ہوتی ہے۔ یا ان کے کپڑوں کے صاف
 کرنے کے کام آتی ہے۔ جب کپڑا جیل میں آتا ہے تو اس کا اندراج وہاں کے
 رجسٹر میں نہیں ہوتا حالانکہ جیل کا قاعدہ ہے کہ جو چیز جیل میں داخل ہو یا جیل
 سے باہر جائے اس کو رجسٹر میں درج کرنا چاہیئے۔

پیرس میں لکھنے پڑھنے والے قیدی کتابت کرتے ہیں۔ کپانی کو
 پتھر پر چڑھاتے ہیں۔ شیش بنی کرتے ہیں۔ جو کاغذ پیرس میں پھپھتے
 ہیں وہ عدالتوں کے سمن وارنٹ اور رجسٹر ہوتے ہیں۔ جو پھپھنے کے بعد عدالتوں
 میں بھیج دیئے جاتے ہیں۔

لوہار جیل کے دروازے۔ بارکوں کی سلاخیں اور لوہے کی دیگر چیزیں درست
 کرنے کے لئے قیدی کو لوہار کا کام دیدیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ اس کام کو
 جانتا ہو۔ یہ لوہار سی کلاس اخلاقی قیدیوں کے پاؤں میں کھڑی بیڑی ڈالتے ہیں

جبکہ ان کا تبادلہ کسی جیل میں ہوتا ہے۔ یا جو قیدی تبادلہ ہوئے جیل میں آتا ہو تو اس کے کٹے اور بیڑی آارنے کی ذمہ داری اس لوہار پر ہوتی ہے۔ حکم ہوتے ہی وہ اپنا یہ فرض انجام دیتا ہے۔

منشی گیری | جو قیدی پڑھا لکھا ہوتا ہے اس کے ذمہ لکھنے پڑھنے کا کام کر دیا جاتا ہے۔ بعض منشی قیدیوں کی سرکاری ایپلوں کا

حصول لکھتے ہیں۔ بعض دیوڑی پر قیدی کے آمد کے بعد قیدی کا پتہ وغیرہ رجسٹر میں چڑھاتے ہیں۔ بعض بارگوں کے قیدیوں کی فہرست بتاتے ہیں دونوں وقت حاضری لیتے ہیں۔ بعض کپڑوں کا حساب رکھتے ہیں۔ بعض ہسپتال کے قیدیوں اور ان کی بیماری وغیرہ کی نوعیت کا رجسٹر میں اندراج کرتے ہیں۔

یہ مشقت کثرت کیساتھ رشوت کے زور پر ملتی ہے۔ پڑھا لکھا آدمی اسکو غنیمت جانتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ اسی مشقت میں اپنی پوری قید تبادلے لیکن اس جگہ پر رہنے کے لئے مسلسل جیب گرم کرنی پڑتی ہے۔ اور ماہانہ نذرانہ پیش کرنا پڑتا ہے۔

پیشکاری | جیل حکام کی پیشکاری بھی آرام دہ مشقت ہے اس میں اکثر جاہل لوگ لئے جاتے ہیں جو جیلر اور سپرنٹنڈنٹ جیل کے بیچ

چھپے لمبی لمبی چوڑی پھتری لیکر آگے پیچھے پھرتے ہیں۔ جیلر کی حفاظت کرتے ہیں۔ تاکہ کوئی مشرق قیدی جیلر پر حملہ نہ کر دے۔ پیشکاری کے لئے اور ہر ایک مشقت کے لئے یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ وہ پندرہ دن کے بعد بدل جاتی ہے یا اسی کو بڑھا دیا جاتا ہے۔ لیکن عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ پیشکاری کا معاملہ مہینوں کھائی

میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جیل حکام ان پیشکاروں کے ذریعہ رشوتیں وصول کرتے ہیں۔ دلالی کے فرائض بھی لوگ انجام دیتے ہیں اس بناء پر جلدی تبدیل نہیں کئے جاتے۔ یہ لوگ جیل کے امیروں اور غریبوں سے خوف واقف ہوتے ہیں۔ مگر کسی کو بخشنا یا پکڑ سمجھتے ہیں۔ اور ہر قیدی کو اپنے تیر کا نشانہ بناتے ہیں جو پہلے قیدی کی شکل میں خوب ستائے جاتے ہیں بیشکار ہونے کے بعد گن گن کے انتقام لیتے ہیں۔



جیل کی سزائیں

جیل میں دو قسم کی سزائیں دی جاتی ہیں۔ ایک عدالتی اور دوسری جیل کی۔ جو جیل حکام یا فرمان قیدیوں کو دیتے ہیں۔ عدالت سے سیاسی قیدیوں اور اخلاقی قیدیوں کو قید کے علاوہ پھانسی اور بیت لگانے کی سزا دی جاتی ہے۔ اور جیل کے قیدیوں کو جیل میں شرارت کرنے کے عیوض بیت لگانے۔ کال کو ٹھری کی قید تنہائی، کڑی ہتکڑی۔ ڈنڈا بیڑی۔ کھڑی بیڑی ٹاٹ وردی، لال وردی۔ چلی کو ٹھری وغیرہ کی سزائیں ملتی ہیں۔ شرارتوں میں جیل حکام کو زد و کوب کرنے، انکو گالیاں دینے۔ بیڑیاں منگوانے رکھنے اور پہننے۔ نقدی رکھنے۔ مشقت نہ کرنے، جیل حکام کا حکم نہ ماننے، قیدیوں کو ورغلانے۔ کھانا نہ کھانے کی تلقین کرنے کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ اور ان کے عمل کے بعد اس کو سزا ملتی ہے۔ سزا دینے اور اس کو معاف کرنے کا حق سپرٹنڈنٹ جیل کو ہوتا ہے۔ جیلر سزا دینے کا حق نہیں رکھتا لیکن جو کچھ جیلر لکھ دیتا ہے اسی پر سپرٹنڈنٹ جیل معاملات کو سمجھنے کو بعد حکم صادر کر دیتا ہے۔ البتہ شری قیدی کو بیت اس وقت تک نہیں لگائی جاسکتی جب تک انسپکٹر جیل کی منظوری نہ لے لی جائے لیکن اگر سپرٹنڈنٹ جیل بمشورہ ڈاکٹر کسی عدالتی بیت کی سزا کو معاف کرنا چاہو

تو کر سکتا ہے۔

پھانسی | پھانسی دینے سے ایک روز پہلے قیدی سے اس کے عزیز و اقارب جیل کے اندر پھانسی کو ٹھکی پہننے آتے ہیں۔ قیدی پھانسی کو ٹھکی کے اندر ہوتا ہے۔ باہر سے اس کے والدین و اقربا بات چیت کر کے چلے جاتے ہیں۔ وہ ملاقات کا منظر اکتھائی دردناک ہوتا ہے۔ دیکھنے والوں کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ قیدی اپنی جگہ پیسے آس بے قابو کی مددگار ضربی کا متلاشی ہوتا ہے۔ ماں باپ جب روتے چلاتے چلے جاتے ہیں وہ ہستیاں جنہوں نے اس کی زندگی بنائی تھی۔ اپنی۔ ان کو جو کھوں میں ڈال کر اس کو پالایہ ورش کیا تھا جب وہ امید ہو کر واپس لوٹتے ہیں۔ قانون کا پتلا جیہ ان کو جب جیل سے باہر کال دیتا ہے تو قیدی کی جان اسی وقت قریب قریب نکل جاتی ہے۔ اور حقیقی معنوں میں اس کو اسی وقت پھانسی دیدی جاتی ہے۔ رات بھر قیدی تڑپتے تڑپتے، گھبراہٹ کے دورے پڑتے پڑتے قریب ادھو ہوا ہو جاتا ہے۔ پھانسی والی رات جیل کے لئے بھی مصیبت کی رات ہوتی ہے۔ قیدی کو صبح پھانسی کے لئے پیش کرنا ہوتا ہے۔ رات بھر جیلر اس سسٹنٹ جیلر کو بھاگا دوڑی کرنی پڑتی ہے کہ کہیں رات ہی کو قیدی موت کا شکار نہ ہو جائے۔ اور اس کو غیر ذمہ دار نہ بنا پڑے۔ جیل حکام کے لئے وہ رات رنجگہ ہوتی ہے۔ ڈاکٹر اپنے آلات سے ہر وقت تیار رہتا ہے اور اپنے دماغ کو روشن رکھتا ہے تاکہ قیدی کو صبح تک پھانسی کے تختے پر زندہ سلامت پہنچا دے۔

صبح کا ذب کا اس وقت راج ہوتا ہے۔ چار بجے سے قیدی کو پھانسی کے تختے پر لیجانے کی تیاریاں شروع کر دی جاتی ہیں۔ نیم مردہ انسان درد و تین آدمیوں کے سہارے سے چلایا جاتا ہے پہنچایا جاتا ہے دار پر۔ جلا د اطمینان و سکون کے عالم میں رستوں کو درست کرتا ہے۔ سپرنٹنڈنٹ جیل جیلر اسسٹنٹ جیلر جیل کا تمام عملہ ایک آدمی کو پھانسی دینے کے انتظام میں مصروف و مستغرق نظر آتے ہیں۔ نیلی وردی کو ٹری میں لیجا کر قیدی کو پہنائی جاتی ہے۔ دونوں ہاتھ نیچے کر کے باندھ دیئے جاتے ہیں اور ہونٹوں کے نیچے موٹے رستے سے بازوؤں کو باندھ کر تیار کر دیا جاتا ہے۔ اور تھوڑا سا سہارا دی کر پھانسی کے تختے پر پہنچا دیا جاتا ہے۔ جہاں قیدی سے دُگنے وزن کی بھٹی دو بوریاں قیدی کے ٹخنوں میں کس دی جاتی ہیں۔ سپرنٹنڈنٹ جیل، رومال سے اشارہ کرتا ہے۔ جلا د فوراً نیلا ٹوپ قیدی کے منہ پر اڑھا دیتا ہے۔ اور لوہے کی دو انچی لمبی اور آدھ انچی چوڑی پتی حلقوم پر رکھ دی جاتی ہے۔ اور نیچے سے دونوں تختے کھینچ دئے جاتے ہیں جس کے پھٹنے سے دو بوریاں نیچے کے گرٹھے میں گر جاتی ہیں۔ اسی سے گردن میں ڈھچکا لگتا ہے اور نیم جان انسان منہوں میں بے جان ہو جاتا ہے۔ لیکن قیدی کی لاش کو دس منٹ تک پھندے میں لٹکانے رہتے ہیں۔ جلا د گرٹھے میں اتر جاتا ہے اور اس کی ٹانگیں پکڑ کے تین مرتبہ جھٹکے دیتا ہے۔ لاش کو پھندے میں سے نکال کر ایک چار پائی پر ڈال دیا جاتا ہے۔ اس کو سول سرجن معائنہ کرتا ہے اور معائنہ کے بعد وژمار کے سپرد لاش کر دی جاتی ہے۔ وژنا نیلی

ہندی قیدی کے جسم سے آٹا کر جیل حکام کے سپرد کر دیتے ہیں جو آئندہ کی پھانسی کے لئے رکھ لی جاتی ہے۔ یہ جلاد لاہور کا باشندہ ہے۔ فی پھانسی دس روپیہ ادا کرایہ ریل آمد و رفت اس کو دیا جاتا ہے۔ یہ تمام پنجاب میں گشت لگاتا رہتا ہے۔

انگلینڈ میں لاش قیدی کے ورثا کو نہیں دی جاتی بلکہ پھانسی گھر اسی جگہ بنایا جاتا ہے جہاں سمندر قریب ہوتا ہو اور اس کو سمندر میں بہا دیا جاتا ہے، انگلینڈ میں پھانسی ہندوستانی طریقے سے بھی دی جاتی ہے اور اس کے برعکس بجلی سے بھی جان نکالی جاتی ہے۔ قیدی کو ایک کرسی پر بٹھا دیا جاتا ہے اور اس کو ایک مست کرنے والا گانا سنایا جاتا ہے جس کو سن کر وہ بیوقوف و مدہوش ہو جاتا ہے۔ اسی حالت میں ۴۰ کی طاقت کی بجلی اس کے جسم میں چھوڑ دی جاتی ہے جس سے ایک سکند میں اس کی روح نفس غصہ سے پرواز کر جاتی ہے۔ اور اس بے روح کے لاشے کو سمندر کے نظر کر دیا جاتا ہے

بیت لگانا | بیت لگانے کی سزا عدالتی بھی ہوتی ہے۔ اور جیل کی بھی۔ عدالتی بیت لگانے کی سزا سخت نہیں ہوتی بلکہ

آہستہ سے عمن میں لائی جاتی ہے۔ ایک ٹھیکلی صندوقہ جیل کے سامنے چلر پر لگائی جاتی ہے جو ڈھائی تین گز لمبی ہوتی ہے اور لکڑی کی تین پھیٹیوں سے بنائی جاتی ہے۔ سامنے کی دو پھیٹیوں پر بیج میں گدی ہوتی ہے اور اس کے اوپر دو کڑے کھینے اور بند ہونیوالے نکلنے جاتے ہیں۔ نیچے ایک پھٹی سہارے کے لئے لگا دی جاتی ہے۔ قیدی کو ٹھیکلی پر چڑھا کر بیج کی گدی میں اوندھا کر کے

باندھ دیا جاتا ہے۔ ہاتھ اوپر کی کڑوں میں کس دیئے جاتے ہیں اللہ مگر کے آخری حصہ پر گیلڈا کپڑا رکھ دیا جاتا ہے اور جیل کا چوڑا قیدی گیلی بینٹ اٹھا کر اور گھما کر اس گیلے کپڑے کی جگہ لکڑی پر مارتا ہے۔

اگر اس چوڑے کو کچھ رشوت دیدی جائے تو وہ بینٹیں آہستہ سے مارتا ہے۔ ورنہ اپنی تمام طاقت بینٹیں رسید کر رہنے میں لگا دیتا ہے۔ اس ماوس بہت سے قیدی یہ پوش ہو جاتے ہیں۔ مگر پرہیزگار ہونے والے نشان پڑ جاتے ہیں۔ چوڑے کی رشوت آٹھ آنے سے لیکر زیادہ سے زیادہ ایک روپیہ تک ہوتی ہے۔

البتہ جو بینٹیں افران گستاخ قیدیوں کو لگائی جاتی ہیں وہ بہت سخت ہوتی ہیں۔ اوسان کی تعداد پندرہ تیس تک ہوتی ہے۔ اس میں چوڑا کسی قسم کی رعایت نہیں کر سکتا اس بنا پر کہ وہ سزائیں حکام جیل کیساتھ زیادتی کرنے پر دی جاتی ہیں۔ مثلاً ایک سکھ قیدی کو تیس بینٹیں لگانے کی سزا اس لئے دی گئی کہ اس نے جیل کی دیوڑھی پر اپنی مقدس کتاب گرنتمہ صاحب کی تلاشی دینے سے انکار کیا۔ اور جیل کے حکام کے اصرار پر ایک ہیڈ کلرک پرلوہے کی بھاری باٹی کھینچ ماری جس پر جیل کا عملہ جمع ہو گیا اور اس نے اس سکھ کو اپنی گرفت میں لیکر چکی میں بند کر دیا۔ اس کے بعد جب جیل کے عملہ نے اس کتاب کی تلاشی لی تو اس میں سے ایک بڑا چھرا برآمد ہوا۔

بینٹ لگانے کی سزا خاص طور پر اس کام چور اور ڈھیسٹ قیدی کو بھی دی جاتی ہے جو کام کرنے سے صاف طور پر انکار کر دیتا ہے۔ اور ذرا برابر

بھی مشقت نہیں کرتا۔ ایسے قیدیوں کو نوٹے بنیتیں تک ایک دم لگا دی جاتی ہیں جس کے بعد قیدی کسی کام کا وہ نہیں سکتا۔ مگر پھر وہ جیل والوں کے بس کا نہیں ہوتا۔ اس سے کوئی کام نہیں لیا جاسکتا وہ تمام جیل والوں کا گرو مانا جاتا ہے۔ حکام جیل اس سے گھبراتے ہیں۔ اس کی ہر خواہش پوری کرتے ہیں تاکہ وہ کہیں بگڑ نہ جائے۔ وہ بھی بے فکر ہوتا ہے اس لئے کہ سمجھتا ہے کہ اس کو اب کوئی سزا نہیں دی جاسکتی جو چاہے کرے۔ جس کو چاہے مارے، کوٹے۔

ایسے قیدیوں کے پنجاب میں ایک جیل اور اس جیل میں ایک بارک ان قیدیوں کے لئے مخصوص ہوتا ہے جس میں وہ بند رکھے جاتے ہیں۔ یہ سلوک ان کے ساتھ اس لئے روا رکھا جاتا ہے کہ وہ اور قیدیوں کو بگاڑ نہ سکیں۔ اور جیل کا نظام دہم دہم نہ ہو جائے۔

مسٹر چیڈی داس ایک اخلاقی قیدی کے بنیتیں لگنے کا یوں تذکرہ کرتے ہیں

جیل میں مین کے پترے سے خود بنائے ہوئے استرے سے تمام جسم کے بال مونڈ کر اور خوب داڑھی منڈوا کر ہاتھ میں رومال لٹکائے پاؤں میں بیڑی باندھے ایک عجیب شان سے کرم دین ۳۲ سالہ نوجوان قیدی رہتا تھا۔

اس نے باوجود ان بڑھ ہونے کے اپنی ہسٹری ٹکٹ کے ایک کونہ پر ایک قسم کی لکیریں کھینچ رکھی تھیں جن سے اس نے حساب کر کے مجھے بتلایا کہ اس نے آج تک ۲۷۰ بیت کھائی ہیں۔ اس

نے مجھے اپنے چوتروں پر سے کپڑا اٹھا کر دکھایا ان پر آدھ آدھ پنج گہری لائیں پڑی ہوئی تھیں جن کو دیکھ کر انسان تھرا اٹھتا تھا۔

چند یوم گزرنے نہ پائے تھے کہ ایک قیدی کی ہمدردی میں کمر بند

ملازم وارڈ سے بکلامی ہو گئی۔ ملازم وارڈ نے افسران جیل سے

شکایت کی۔ کرم دین نے اس کی ہمدردی، پیشیوں پر پیشیاں ہوئیں۔ نیا سپرنٹنڈنٹ آیا تو اس نے کرم دین کو ڈانٹا۔

کرم دین بھی ایک استاد تھا۔ خراب روٹیاں دکھا کر بولا کہ تم انصاف کے لئے آئے ہو یا اپنے ماتحتوں کی جائز و ناجائز حمایت کے لئے۔

تم روٹی کو اچھا کرو ورنہ تمہاری یہ روٹیاں میں دوہرے پر آنے والے انسپکٹر جنرل کو دکھاؤں گا۔ اور کبھی نہ ٹلوں گا۔ سپرنٹنڈنٹ اس گفتگو سے ناراض ہوا اور پیشی میں پیش کرنے کو کہا۔

پیشی میں پیش ہونے سے پہلے اس مات کو کرم دین نے اپنے آپ کو کوٹھلی میں محصور کر لیا۔ ہر ایک کوٹھلی کے باہر روپے

کے مضبوط دھماکے ہوتے ہیں اور اندامی کی چھاتی تک اونچا

ایک پختہ اینٹوں کا تھرا بنا ہوا ہوتا ہے اس کے اوپر چکی لگی ہوتی ہے

اس کے سامنے کھڑی ہوتی ہے۔ جس پر قیدی سوتا ہے۔ رات

کو کرم دین نے اس پختہ تھڑے اور کھڑی کو اکھڑ ڈالا اور اندکی

طرف تمام اینٹیں دھماکے کے ساتھ چن دیں جس سے دھماکہ بند ہو گیا۔

دن کو یہ حالت دیکھ کر وارڈ نے الارم کی گھنٹی بجادی۔ تمام افسرانے

کرم دین کو بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانا۔ جدانے اسے دن کو پینے کے لئے لے تھے ان میں سے اس نے آدھا آٹا اور ایک چھوٹا گھڑا پانی کا انسکے لیا تھا۔ امدہ تین چار روز یہی کچا آٹا پانی میں گھول کر پیتا رہا۔ بس یہی اس محصور کے پاس سامانِ رسد تھا۔

کرم دین کو بہت ڈرایا دھمکایا انتہائی کوشش کی جلیں نے وعدے کئے تھیں اچھی غنائیگی۔ اس نے کہا تم ہر میں اعتبار کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ سپرنٹنڈنٹ کو لاؤ۔ سپرنٹنڈنٹ آیا اور اس نے وعدہ کیا تو کرم دین نے اینٹوں کو ہٹایا اور باہر نکلا۔ بچہ بڑا نحیف ہو گیا تھا۔ مگر جونہی وہ باہر نکلا اسے دو ملاسنوں اور ایک قیدی وار ڈرنے پیچھے سے پکڑ لیا۔ ٹنگلی منگوائی گئی۔ ٹھنکی قیدی آیا۔ بیت آئے۔ ڈاکٹر معائنہ ہوا۔ بیاہیوں کو کہا چھوڑ دو، ادھر کرم دین کو کہا ادھر آؤ بد معاش۔ کرم دین چپ چاپ کھڑا تھا سپرنٹنڈنٹ صاحب ٹوٹی لگانے کے لئے جھکے کرم دین نے سپرنٹنڈنٹ کے زوہ کا ہاتھ پکڑ لیا کہ پانچوں انگلیوں کے نشان پڑ گئے۔ مگر سپرنٹنڈنٹ نے اُف نہ کی۔ ادھر بڑے زور سے بید لگانے کا حکم دیا۔ بید لگاتے وقت قاعدہ ہے کہ ایک شخص زور سے آواز دیتا ہے ایک، دو، تین،

جب آواز دی گئی تو کرم دین نے لٹکار کر ادھکالی دی پھر کہا۔
خبردار! کرم دین خود گنتی کر لگا۔ اور پورے زور سے گنتی لگا

ایک، دو، تین، بیس، پچیس لگنے کے بعد اس کی آواز مدہم پڑ گئی۔ میں نے خود اس کے بید لگنے کا نظارہ دیکھا ہے۔ بیدار نہ رہے لگتے تھے کہ چڑے کو قید کر کے ہوا میں اڑا رہے تھے۔ بالکل اسی طرح قیدی کے جسم سے گوشت اور خون کے ٹکڑے اڑتے ہیں جیسے روئی دھننے ہوئے روئی کے ذرے اڑتے ہیں جب کرم دین کے تیس بیٹیں لگ چکیں تو کرم دین دو منٹ بیہوش رہا۔ سرائٹھایا۔ تو گالیاں فحش دیں اور خود اٹھ کے چل دیا۔ (بھارت زنجیر میں پنڈی داس - ۲۴، ۲۵)

گال کو ٹھڑی کی قید تنہائی | سزائے تازیانے کے بعد دوسری سخت سزا کال کو ٹھڑی کی قید تنہائی ہے۔ جہاں قیدی کے پاس کوئی انسان بھٹک نہیں سکتا۔ آنے جانے کی ممانعت ہوتی ہے۔ اور نہ کوئی مشقت دی جاتی ہے۔ اسی کو ٹھڑی میں لوہے کا پترہ (توے نام) رکھا رہتا ہے۔ وہیں پیشاب، پاخانہ کرو۔ وہیں سووا اور وہیں کھاؤ بیو۔ تعفن کے مارے ایک ایک منٹ بیٹھنا دو بھر معلوم دیتا ہے۔

اس کال کو ٹھڑی میں بکثرت نموش خانے ہوتے ہیں۔ جہاں چوہے آزادی و مطلق العنانی کے ساتھ قلابازیاں کھاتے پھرتے ہیں۔ اور اس قدر بے تکلف و بیباک ہوتے ہیں کہ چھاتی پر چڑھنا کوئی مشکل بات نہیں سمجھتے بڑے نڈر ہو کر چڑھ جاتے ہیں۔ راتوں کو ٹوپیاں بھی نوچ لیتے ہیں۔

انگلیاں کتر لیتے ہیں۔ قیدی سانپ پھٹو کے شہے میں اٹھ بیٹھتا ہے۔ اور شک و شبہ اور خوف و ہراس میں تمام رات کالی کر دیتا ہے۔

کال کو ٹھڑی مچروں اور کھٹلوں کی آماجگاہ ہوتی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ جیل والے خاص طور پر تمام شہر و قصبہ کے مچھر و کھٹل پکڑوا کر شاید کال کو ٹھڑی میں چھڑا دیتے ہیں۔ مچھر اور کھٹل ایک منٹ چین نہیں لینے دیتے۔ اور اس قدر کاٹتے ہیں کہ خون خرابے تک فوبت پہنچ جاتی ہے یہاں قیدی انتہائی تنگ آ جاتا ہے۔ بیکار بیٹھے بیٹھے زندگی اجیرن معلوم دینے لگتی ہے۔ جیل میں مشقت کی وجہ سے وقت کٹ جاتا ہے۔ لیکن بیکاری جیل میں انتہائی تکلیف و پریشانی کا باعث بن جاتی ہے۔ قید تنہائی کی دوسری قسم بھی ہوتی ہے۔ جس میں قیدی کے پاس جیل کے کارکن کو ٹھڑی کی صفائی وغیرہ کے لئے آسکتے ہیں۔ اس قید تنہائی میں رہنے کا اتفاق بندہ کو بھی ہوا ہے۔

جرم یہ تھا کہ تم نے ضلع کے ڈپٹی کمشنر کے آنے پر استقبال کیوں نہیں کیا۔ اس لئے ”قید تنہائی“ مسلط کی گئی۔ اور کیمپ سے فیروز پور جیل کی کوٹھڑیوں میں جو کیمپ سے متصل ہے بھیجا گیا۔

”ڈنڈا بیٹری“ کی سزا تین دن سے لیکر ایک ماہ تک دی جاسکتی ہے۔ ڈنڈا بیٹری لگنے کے بعد جیت یا پٹ ہی لیٹا جاسکتا ہے۔ پوری کروٹ سے لیٹنا ناممکن ہوتا ہے۔ ڈنڈا بیٹری کی شکل یہ ہوتی ہے کہ دو آہنی کڑے پاؤں میں پہنا کر ایک لوہے کا ڈیڑھ فٹ بہر

یادوں و شخصوں کے بیچ میں کڑوں میں موڑ کر ڈال دیا جاتا ہے جس کے بعد اگر کروٹ سے کوئی لینے تو ایک ٹانگ آہنی سرے کے سہارے کھڑی ہوگی جو بہت دیر تک برداشت نہیں کی جاسکتی۔ پٹ لینے کے لئے بڑی دقت اٹھانی پڑتی ہے۔ کروٹ لینے میں انتہائی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایک سبک قیدی کو جو کبڑا تھا یہی سزا دی گئی تھی اس غریب کے لئے سوائے اوندھے لینے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ بے بس قیدی عذاب کا مزہ چکھتا تھا لیکن اب تک اس کی زبان سے نہ نکلتی تھی۔ ایک ماہ تک یہ سزا اس نے بھگتی مگر اپنے ارادہ پر قائم رہا۔ اور اپنے دوسرے پولیسکل ساتھیوں کے لئے مصائب و آلام کا شکار بنا رہا۔

ڈنڈا بیٹری لگنے کے بعد چلا پھرا نہیں جاتا۔ جس طرح چوونٹی رینگتی ہے اسی طرح پاؤں کھسکا کھسکا کر تھوڑا بہت راستہ کاٹا جاسکتا ہے۔ بعض قیدیوں کو ڈنڈا بیٹری کیساتھ دونوں ہاتھ میں بیٹری ڈالنے کی سزا بھی دی جاتی ہے جس سے کھانا کھانے وغیرہ کے لئے دو گھنٹے کے واسطے چھٹکارا مل جاتا ہے۔ لیکن ڈنڈا بیٹری اس وقت تک نہیں کھلتی جب تک سزا پوری ہو جاتی ہے۔

پٹھی تنکری | پٹھے دونوں ہاتھ کر کے جڑے ہوئے ہاتھوں میں تنکری ڈالی جاتی ہے جس سے نہایت بے کلی کیساتھ قیدی دندا پڑا رہتا ہے۔ سیدھا لیٹ نہیں سکتا۔ اس سزا کا ٹائم شام کے چھ بجے سے لیکڑ صبح چھ بجے تک ہوتا ہے۔ جو تین دن سے لیکر ایک ماہ تک دی جاسکتی ہے۔

کھڑی ہتکڑی | کھڑی ہتکڑی کی سزا تین گھنٹہ صبح تین گھنٹہ شام تین چار روز تک مل سکتی ہے۔ درخت میں ایک کڑا قیدی کے

قدم کے مطابق ٹھوک دیا جاتا ہے اگر قیدی نیچے قدم کا ہوتا ہے تو پتھر رکھ کے قیدی کو کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ اور ہاتھوں میں ہتکڑی ڈال کر کنڈی میں لگا دی جاتی ہے۔ لنگڑے قیدی کو یہ سزا نہیں دی جاتی اور ٹنڈا قیدی بھی اس سزا سے مستثنیٰ رہتا ہے۔

کھڑی بیڑی | دو کڑے پاؤں میں ڈال دیے جاتے ہیں اور دو کڑے ناف کے نیچے باندھ کر بیچ میں لوہے کی دونوں سلاخوں کے سرے چاروں کڑوں

میں ڈال کر موڑ دیئے جاتے ہیں یہ سزا بد معاشی کرنے پر بھی دی جاتی ہے اور جب سی کلاس اخلاقی قیدی ایک جیل سے دوسری جیل میں منتقل کیا جاتا ہے تو اسی عمل میں اسے جیل سے باہر بھیجا جاتا ہے۔ کھڑی بیڑی ایک ہفتہ سے ایک ماہ تک دی جاتی ہے۔ جب قیدی جیل میں منتقل ہوتے ہیں تو راستہ میں پیدل چلنے کی وجہ سے لہو لہان ہو جاتے ہیں اور ٹخنے زخمی ہو جاتے ہیں

ٹاٹ وردی | قیدی کو خلاف قانون حرکت کرنے پر ٹاٹ وردی کی سزا دی جاتی ہے جس میں ٹاٹ کا کرتا۔ ٹاٹ کا پاجامہ اور

ٹاٹ کی ٹوپی ہوتی ہے۔ اگر قیدی سکھ ہوتا ہے تو اس کو ٹاٹ کی پگڑی دی جاتی ہے۔ جس کا پہننا لازمی ہے۔ کوئی قیدی اپنا کرتا پجامہ ٹوپی یا پگڑی اتار کر نہیں رکھ سکتا۔ یہ سزا گرمی جاڑے دونوں موسم میں دی جاتی ہے جو گرمی میں ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ قیدی ہر وقت پسینے پسینے رہتا ہے

رات کو بھی اس کو اس لباس میں بلبوس رہنا پڑتا ہے۔ اور پسینہ میں ہاتھ پاؤں مارتا رہتا ہے۔ تین روز سے ایک ماہ تک یہ سزا دی جاسکتی ہے۔

لال وردی | جو قیدی جیل سے بھاگ جاتا ہے اس کو لال وردی پہنانی جاتی ہے جس کا کرتا، پجامہ، ٹوپی یا پگڑی لال رنگ کی

ہوتی ہے۔ جو ہمیشہ کے لئے بھگوڑے قیدی کے لئے وقف کر دیا جاتی ہے۔ اور اس وقت تک اس کو لال وردی پہنی پڑتی ہے جب تک وہ رہا نہیں ہو جاتا اور جیل سے باہر نہیں نکال دیا جاتا۔

کوٹھری اور چکی | کی سزا بھی متقنی قیدیوں کو دی جاتی ہے۔ کوٹھری اور چکی کوٹھری میں یہ فرق ہوتا ہے کہ کوٹھری میں چکی نہیں ہوتی اور چکی کوٹھری میں چکی ہوتی ہے اور اس میں قیدی سے چکی اس وقت تک پسوانی جاتی ہے جب تک وہ چکی کوٹھری میں رہتا ہے۔ کوٹھری میں چکی پسوانی کی سزا نہیں دی جاتی۔ اسی کوٹھری اور چکی کوٹھری میں قیدی کو روٹی دی جاتی ہے۔ اگر مشری قسم کا قیدی نہیں ہوتا تو اس کو تالا کھول کر بھاجی روٹی دی جاتی ہے۔ ورنہ لاٹری مطبخ کا آدمی لکڑی کی ٹوٹی سے باٹی میں ڈال دیتا ہے اور روٹی چالیوں میں قیدی کو بچڑا دیتا ہے۔

کم خوراک | کی سزا یہ ہے کہ قیدی کو کھانے کے لئے دو وقت دو روٹیاں اور دوپہر کو دو چھٹانک چنے نہ دیکر صرف ایک وقت تھوڑے آٹے کی پتلی سی لی دی جاتی ہے۔ عام قیدیوں کے خیال میں یہ سزا ہلکی ہے مگر حقیقت میں بڑی اہم سزا ہے۔

یہ تمام سزائیں پیشی ہونے کے بعد سپرنٹنڈنٹ جیل ہی دے سکتا ہے کسی جیل افسر کو قانوناً یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ کسی قیدی کی ہتک کر سکے، گالیاں دے سکے مار پیٹ کر سکے۔ یا کسی قیدی کے ڈنڈا بیٹری، ٹھہری، چٹکری لگا سکے۔ لیکن جیل میں اس قانون کے ہوتے ہوئے سب کچھ کیا جاتا ہے۔ ذرا مرضی کے خلاف کسی قیدی نے کچھ کیا اور نمبر دار اور کالی پلی والو نے جوتے برسیا شروع کر دیئے۔ قیدی نے کسی بات کو نہ مانا اور جھجھکار کے ظلموں کا نشانہ بننا شروع ہو گیا۔ کوئی بے ضابطہ خدمت انجام دلانا چاہی اور اس کو پورا نہ کیا..... تو جان سے ہاتھ دھو پاڑتا ہو گیا قانون کی موجودگی میں قانون کے محافظ وہ سب کچھ کرتے ہیں جو قانون کا دشمن بھی نہیں کر سکتا۔ اور پھر قانون کی دہائی دیتے ہیں اور غریب قیدیوں کو ستاتے ہیں۔

پولیس کی درگت | اگر مسلمانان پولیس قیدی کی شکل یا حوالاتی شکل میں آجاتے ہیں تو ان کی وہ درگت بنتی ہے کہ الامان کفایت

قیدی ان کو اس قدر پیٹتے ہیں کہ ان کو اپنے ایک ایک ظلم یا دآنے لگتے ہیں قیدیوں کو بہت سمجھایا جاتا ہے۔ لیکن وہ کسی صورت میں ان کو بچنے کے لئے تیار نہیں ہوتے ہیں۔ مغلف گالیاں دیتے ہیں۔ بلاوجہ ان سے اڑتے ہیں۔ ان کو بھاری بھاری چیزیں اٹھانے کی فرمائش کرتے ہیں۔ انکار کرنے پر چوروں کی مار ماری جاتی ہے۔

جس سب انسپکٹر کا پیٹ بڑھا ہوا ہو اس پر لائیں مارا کر کہتے ہیں کہ اس میں ہمارے گاؤں کے مرغے جمع ہیں۔ کوئی ادھر آتا ہے۔ دھڑے

جھا دیتا ہے۔ کوئی ادھر جاتا ہے کہ رسید کر دیتا ہے۔ موچھوں کو پچھو پچھو کر جیل گھر میں کھینچے پھرتے ہیں۔ دست بدست دگر پا بدست دگرے جھولا جھولاتے ہیں اور جھلا جھلا کر پتھر کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ نگران قیدی جو تار تار کر دھڑا دھڑا سو گنا ہے جب نانوے پر پہنچتا ہے تو جان بوجھ کر گنتی بھول جاتا ہے۔ پھر ایک دو سے گنتی شروع کر دیتا ہے۔ جب اس طرح انتقام پورا نہیں ہوتا تو منہ میں جو تے دیئے جاتے ہیں۔

جیل حکام بے بس ہوتے ہیں ان کی آگ کو ٹھنڈا کر لے کی کوئی ضرورت نہیں نکل سکتی۔ تو اس کو ایک کو ٹھڑی میں تنہا بند کر دیتے ہیں۔ اس منظر کو دیکھنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ قدرت نے فوجوں پولس کے لئے جیل کے قیدیوں کو موسیٰ کا درجہ دیا ہے جو ان کے خنوں کو منٹوں میں ڈھیلا کر کے رکھ دیتے ہیں۔ چنانچہ پولس والے جیل میں ہر ساعت قیدی کے نام سے کا پنتے، لرزتے اور خوفزدہ رہتے ہیں۔

رعایت یا ریشن | چھ مہینہ سے کم سزا کے قیدی کو کوئی ریشن (رعایت) نہیں ملتی۔ اگر اس کا چال چلن اس مدت میں بہت اچھا رہتا ہے تو چار روز ریشن کے مل جاتے ہیں۔

کنوٹ وارڈز کو آٹھ دن، کنوٹ اور سیر کو ۶ دن اور کنوٹ نائٹ وایج من کو پانچ دن، ایک ماہ میں ملتے ہیں۔ جو قیدی کھانے پکانے اور جھاڑو دینے کی مشقت پر لگائے جاتے ہیں ان کو مزید دو دن ملتے ہیں۔

قیدی کو ایک سال کے بعد نیک چلن رہنے پر پندرہ دن کی مزید ریشن

لٹی ہے۔ جو قیدی سال میں اچھا کام کرتا ہے اس کو سال کے تیس دن مزید میٹن کے دیئے جاتے ہیں۔ اور ان پکڑ جنرل چاہے تو اس کو ۶۰۔ دن کی بھی میٹن دے سکتا ہے۔

زیادہ سے زیادہ یا پنج سال کی سزا والے کو جو قتل کے الزام میں مقید کیا گیا ہو اس کو پہلے سال میں ۶۳ دن مل سکتے ہیں۔ پانچ سالہ قیدی سوا سال کے بعد انٹ وایج میں بنایا جاتا ہے۔

اس کو دوسرے سال میں پہلے تین مہینے میں بارہ دن اور دوسرے نو مہینوں میں ۴۵۔ دن، اور پندرہ دن سال کے گویا کل ۷۲۔ دن میٹن کے ملوے ہیں۔ دو سال میں اس کے ۱۳۵۔ دن میٹن کے ہو جاتے ہیں۔

کنو کٹ اور سیر ڈھائی سال کے بعد بنایا جاتا ہے۔ تیسرا سال شروع ہوتا ہے تو ہر دن ہر مہینے کے حساب سے پہلے چھ مہینے کے ۳۰۔ دن اور دوسرے چھ مہینے کے چھ دن ہر مہینے کے حساب سے ۳۶۔ دن، اور پندرہ دن سال کے۔ کل تیسرے سال کے ۸۱۔ دن۔ میٹن کے ہو جاتے ہیں۔ گویا تینوں سال کی میٹن کی تعداد ۲۶۱ دن ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد چھ مہینے میں وہ کنو کٹ وارڈر ہو جاتا ہے۔ چوتھے سال کے پہلے چھ مہینے میں ۳۶۔ دن ملتے ہیں۔ دوسرے چھ مہینے کے ۴۸۔ دن۔ پندرہ سال کے۔ کل چوتھے سال کے ۹۹۔ ملا کے ۳۱۵ دن ہر چار سال کے اس قیدی کو مل جاتے ہیں۔

اگر اس عرصہ میں اس نے کسی افسر کو حملہ سے بچایا ہے تو مزید ۲۵

دن ریشن کے ملتے ہیں اور ۳۶۰ دن ہونے کے بعد اس کو چار سال کے آخر میں رہا کر دیا جاتا ہے۔

ریشن دینے کا سب سے زیادہ اختیار روائزنگ بورڈ کو ہے۔ جو انسپکٹر جنرل، سیشن جج ایک غیر سرکاری ممبر پر مشتمل ہوتا ہے۔ جو قیدی کی درخواستوں پر ایک سال میں دو دفعہ غور کرتا ہے۔

یہ طریقے یو۔ پی کی جیلوں میں مستعمل ہیں۔ قریب قریب اور قیدیوں کی جیلوں میں یہی قاعدے کچھ ردوبدل کے ساتھ رائج ہیں۔ پنجاب کی جیلوں میں ان قیدیوں کو بھی دو تین روز کی ریشن ملتی ہے جو سانپ بچھو کو مارتے ہیں +



قیدیوں کی شرائط

جیل دولتمند اور غریب قیدی کے لئے عیش گاہ بن سکتی ہے۔ جو قیدی روپیہ پانی کی طرح بہانا چاہتا ہے اس کو تمام آرام و سکون میسر آ سکتا ہے حکام جیل سے دوستی کرنا ضروری ہے۔ جو روپیہ پیسہ سے بہت مضبوط ہو جاتی ہے۔ پھر قانون کی پرواہ نہیں رہتی۔ اس کو بھی بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے

جیل میں عورتوں کا سٹاپ | قانون منع کرتا ہے کہ کسی قیدی مرد سے عورت کو نہ ملنے دیا جائے۔ عورت مرد سے علیحدہ رہے

خواہ وہ کسی مرد کی بیوی، بہن یا ماں ہی کیوں قید ہو۔ عورتیں عورتوں کی بارکد بند کی جاتی ہیں۔ اور مرد، مرد کے بارکد میں منتقل کئے جاتے ہیں۔ اور ایک دوسرے سے مل نہیں سکتے۔

لیکن اگر جیل حکام کی جیب گرم کر دی جاتی ہے تو قانون شکنی میں وہ پیش پیش ہوتے ہیں۔ اپنے گھروں اور دفاتروں میں عورتوں کے ملائے کا مقدس کام انجام دیتے ہیں۔ مخصوص مقامات میں لاکر رایتیں گزروائی جاتی ہیں۔ اور جیل مینوں کے قاعدوں اور ضابطوں کو ٹھکرایا جاتا ہے۔ اس شرارت میں جیل کے کم و بیش تمام ذمہ دار لوگ علاوہ سپرنٹنڈنٹ کے شامل ہوتے ہیں اور جو مال حلال ملتا ہے اس کو حصہ رسدی لے لیتے ہیں۔ اس قسم کے غیر ذمہ جیل افسران سب نہیں ہوتے البتہ ان کی تعداد کم ہوتی ہے۔

لہ ریاست دہلی سلسلہ

شراب کا آنا | جیل حکام کی بدولت جیل میں شراب بھی آسکتی ہے۔ لیکن اگر جیل حکام سے ساز باز نہ ہو تو دوسرے طریقوں سے بھی شراب قیدی حاصل کر سکتے ہیں مثلاً لے، ادبی کلاس قیدی اسٹوب (انگریزی چوڑھے کے لئے اسپرٹ کے ڈبوں میں شراب ڈلو کر اسپرٹ کے نام منگوالیتے ہیں۔ اور ان کو بلف می نوشی حاصل کرتے ہیں۔ لیکن یہ طریقہ زیادہ عرصہ تک نہیں چل سکتا جب تک جیل حکام سے ساز باز نہ کی جائے۔

قیدی اگر جیل حکام کی جیب گرم کر دیتا ہے تو اس کو جیلر اپنے گھر کے کام کاج کے لئے مقرر کر دیتا ہے۔ یا باہر کے پتے میں لگا دیتا ہے۔ باہر کا پنچر جیل سے کافی فاصلہ پر جیل کے کھیت میں کام کرنے کیلئے جاتا ہے۔ یہاں شرابی قیدی کو بہ آسانی شراب مل جاتی ہے۔ وہ شراب پی اور اوپر سے پیاز کھا کر اپنی منہ کی بدبو مٹا کر اپنے کام میں مصروف ہو جاتا ہے۔

بلیڈ کی چوری | بلیڈ شیب بنانے کا اِستِزہ بھی قیدیوں کے لئے اہم شے ہے جس کے حصول کے لئے ہر قیدی کوشش کرتا ہے اور اس کو اپنے پاس رکھنا انتہائی ضروری سمجھتا ہے۔ قیدی اس کی چوری کو جائز سمجھتا ہے اور بے نوک، بلا جھجک اس کو اٹھا کر سیدھا بنتا ہے۔

بیمار پڑنا | جب قیدی کام کرتے کرتے تھک جاتا ہے یا کام کرنے کو طبیعت نہیں چاہتی یا کام کرنے سے جی پڑتا ہے تو جیل کے ڈاکٹر کی نیاہ لیتا ہے۔ نذرانہ پیش کر کے ہسپتال میں بیمار بننے داخل ہوتا ہے۔ گرچہ ہر ایک ڈاکٹر نذرانہ لینے کا عادی نہیں ہوتا لیکن بعض ڈاکٹروں کا یہی شیوہ ہوتا ہے

آٹھ آٹھ آنے لیکر تندرست قیدیوں کو برباد دیتے ہیں جس سے بعض قیدی اپنی قید کی کافی زندگی ہسپتال میں ہی گزارتے ہیں۔ اور ہسپتال سے کھسنے کا نام نہیں لیتے بعض قیدیوں کو ایسے چٹکلے اور طریقے یاد ہیں جس کے عمل میں لانے کے بعد وہ خطرناک بیماریوں کے مریض بن جاتے ہیں۔ یوں اچھے اور تندرست نظر آتے ہیں۔ لیکن جب ڈاکٹر یا میڈیکل آفیسر معائنہ کے لئے آتا ہے تو ان کو دورہ پر دورہ پڑنا شروع ہو جاتے ہیں۔ جس سے میڈیکل آفیسر بھی اس کی بیماری کی تصدیق کر دیتا ہے۔ یہ شعبہ جیل کی ہی جڑی بوٹیوں سے کئے جاتے ہیں قیمتی اور نایاب ادویات کے مرہون منت نہیں ہوتے۔ بعض تجربہ کار قیدی جیل میں داخلہ اور وزن کئے جانے کے وقت اپنا وزن زیادہ تولوا لیتے ہیں۔ اور اس کا رجسٹر میں اندراج کراتے ہیں تاکہ کچھ دنوں کے بعد یہ کہہ سکیں کہ ان کا وزن بیماری کی وجہ سے اتنا جیل میں کم ہو گیا ہے۔ اس لئے ہسپتال کے داخلہ کے مستحق ہیں۔

بیمار پڑنے کی دوائیاں | اس سے زیادہ تجربہ کار اور ہوشیار و چالاک وہ کر لیتے ہیں۔ وہ کام سے بہت تنگ آ جاتے ہیں تو ایک عام ترکیب یہ کرتے ہیں کہ قیدی گھلاس کے ٹکڑے کو باریک پیسکر کھا جاتا ہے۔ گھلاس کے ذرے اندھا کر انسٹریوں کو بھاڑ دیتے ہیں جس سے اکثر جان جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ ورنہ کئی ماہ ہسپتال میں رہنا پڑتا ہے۔ اسی طرح کچھ آنکھ کے اندھ چنا ڈال کر اس میں زخم پیدا کر لیتے ہیں۔ جس سے یا تو آنکھ کی بنیائی جلی جاتی ہو

ایکچھ عرصے تک اُسے کام سے آرام مل جاتا ہے۔

یہ ڈاکٹر قیدی اپنے پاس تین دوائیاں رکھتے ہیں۔ ایک ”لال مٹی“ جو زخم پیدا کرنے کے کام آتی ہے۔ اسے پیسکر دھاگہ اس میں بھگو کر خشک کر لیتو ہیں۔ اور ایک سوئی کے ذریعے ٹانگوں پر یا بازو پر کسی حصہ سے سوئی گزار کر دھاگہ اس میں ڈال دیتے ہیں۔ رات ہی رات میں بڑا زخم بجاتا ہے اس میں آہٹائی سوزش ہونے لگتی ہے۔ اور پھر دھاگہ نکال لیا جاتا ہے۔

دوسری چیز ”چھلوٹا“ کے بیج ہیں۔ یہ ایک دو پیسکر کھا لینے سے غن کے دست جاری ہو جاتے ہیں اور آدمی اتنا کمزور ہو جاتا ہے کہ وہ کئی دن تک ہوش نہیں لیتا۔

تیسری چیز سفید کنڈیر کی جڑ کا پھلکا ہے۔ اس کو پیسکر گڑ کے ساتھ چنے کے برابر گولیاں بنا کر کھاتے ہیں۔ دو تین گھنٹہ کے بعد سخت بخار چڑھ جاتا ہے۔ اور تھرما میٹر میں حرارت بہت بڑھ جاتی ہے۔ وہ بخار پھر آپ ہی اتر جاتا ہے۔

قیدی لوہے کے جنگلے کو کاٹنے کے لئے
جیل کا جنگلہ کاٹنے کا طریقہ

یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ گلاس کو اریک پیس کر پانی میں بھگو کر دھاگہ پر چڑھا لیتے ہیں اور دھاگے کو سکھا کر اس سے لوہے کو کاٹتے ہیں۔ دھاگے کے رگڑنے سے لوہا کٹ جاتا ہے۔

لے بھائی پرانند۔

خطوط کی روانگی | جو قیدی مقامی جیلوں میں رکھے جاتے ہیں وہ اپنے عزیز و اقارب اور بیوی بچوں کے نام پوشیدہ خطوط

بھیجتے ہیں۔ سی کلاس قیدیوں کو تین مہینہ میں ایک مرتبہ خط دیا جاتا ہے۔ ضرورت مجبور کرتی ہے کہ زیادہ خط بھیجے جائیں۔ جیل کے حکام بھیجنے نہیں دیتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قیدی ناجائز طریقوں سے اپنے گھروں پر چٹھیاں بھجواتے ہیں۔ ان کے اس ضروری کام کو انجام دینے کے لئے جیل کا ملازم جمعدار مہت کرتا ہے۔ کافی رشوت لیتا ہے۔ اور قیدی کی خواہش پوری ہونے لگتی ہے اور دونا نہ خطوط آنے جانے کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے۔

اگر قیدی اپنے شہر یا ضلع کی جیل سے دوسرے ضلع کی جیل میں منتقل کر دیا جاتا ہے تو اس میں خطوط کی روانگی کی یہ شکل ہوتی ہے کہ جمعدار فی خط ۸ روپے ایک روپیہ مقرر کر لیتا ہے۔ خط کے ساتھ وہ رقم لیتا ہے اور جیل کے باہر جا کر پوسٹ بکس میں ڈال دیتا ہے۔ اس کی ڈیوٹی یہاں ختم ہو جاتی ہے۔ بعض صورتوں میں جمعدار کو جیل کے باہر خط لکھانے کا موقعہ نہیں ملتا تو وہ اس کو جیل میں ہی چاک کر دیتا ہے اور کوئے کھدرے میں ڈال کر چلتا ہوتا ہے۔ رقم مشیر مارا ہے۔ کون پوچھ سکتا ہے کہ کیوں کھائی :-

جیلوں میں رہا ہونے والے قیدی بھی خطوط لکھانے کا بڑا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کی کس کی تلافی ہوتی ہے لیکن وہ بھی غصہ کرتے ہوئے ہوتے ہیں۔ موچکھوں پر تافہ دیتے رہے۔ شان کے ساتھ لے جاتے ہیں۔ بہت سے سیرابکٹے ہی جاتے ہیں اور عجیب عجیب حالت میں پکڑے جاتے ہیں۔

مقدمیں جی بنی ہوئی رکھی ہے۔ تلاشی میں نکلوالی۔ جوتوں کی تلی کھولی اس میں سے پلندہ نکالا اور رہا ہونے والے کو جیل کے اندر کیا۔ معافی ماری اور قید خانہ کی کال کو ٹھری دکھائی۔

زیادہ نگرانی ہوئی تو احتیاطی تدبیریں اختیار کیں۔ ذہانت کے کرشمہ دکھائے۔ کاغذ سے واسطہ نہ رکھا۔ کپڑے پر لکھ عددی کی تہ میں رکھا ہر ہوئے اور خطوط کو پتہ پر پہنچا دیا۔

خطوط کے لیجانے پر جیل والے خاص طور پر نگرانی رکھتے ہیں۔ ان کو خوف رہتا ہے کہ کہیں جیل کی پولیس نہ کھلیں چنانچہ وہ خطوط لیجانے والوں کے خلاف قانونی کارروائی کرنے سے چوکتے نہیں۔ خطوط کے لیجانے پر چھ ماہ تک سزا ہو سکتی ہے۔ چنانچہ مولوی افضل حق مصنف میرا افسانہ میں لکھتے ہیں۔

یہ عبدالستار کی رہائی کی تاریخ تھی۔ سیاسی قیدیوں نے اپنے بچپن کا اظہار کیا۔ سپرنٹنڈنٹ کی سخت گیریوں کی داستان لکھی۔ اکثر نے بیوی بچوں کے نام خطوط لکھ کر میر صاحب کو خفیہ پیا مبر بنایا۔ بدقسمتی سے دربان نے جامہ ملاشی لی اور تمام خطوط پھڑے گئے۔ اور میر صاحب دھرے گئے۔ خلاف ورزی قانون جیل کا مقدمہ چلا جیل سے نکلنے نکلنے چھ ماہ کے لئے اودھ گئے۔ اب مزا سینے پہلے آپ اے کلاس کے قیدی تھے اب بی کلاس کے سیاسی قیدی بھی تسلیم نہیں کئے گئے۔ بلکہ معمولی اخلاقی قیدیوں میں آپ کا شمار ہوا۔ مگر جس بہادری بہت اور حوصلے سے یہ دن آپ نے گزارے وہ آپ کی قوت ایمان کی روشن دلیل ہے۔ میں نے کبھی ان کی زبان سے شکوہ و شکایت نہ سنا۔

لواطت | جیل میں لواطت کی عادت بھی کثرت سے ہے۔ بچہ بازی تو ہوتی
باریش بابا ہم بازی کی نوبت سننے میں آتی ہے۔ دس دس

برس کے قیدی جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتے اس لئے یہ بدکاری کرتے ہیں
جو اس سیاہ کاری پر قدرت نہیں پاتے وہ دستکاری کرتے ہیں۔

جہاں ایسے قیدی ہوتے ہیں وہاں ایسے نیک بھی ہوتے ہیں ع

دامن پھوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

ان شرارتوں کا نام جیل کی اصطلاح میں ”جنگلا پریڈ ہے“ جو نمبر دلا
کی قیمت میں ہوتی ہے۔

لانگری کا تقرر | پارٹی بازی کی دبا ہر جگہ ہے۔ چنانچہ جیل میں بھی پارٹی
بازی زوروں پر کی جاتی ہے۔ ہر اک پارٹی یہ چاہتی ہو

کہ مری پارٹی کا اقتدار رہے۔ او۔ ہر جگہ ہرنمبرداری میں مری پارٹی کا آدمی
آئے۔ چنانچہ یہ پارٹی بازی لانگری کے تقرری پر خوب ہوتی ہے۔ جو معقول
معاوضہ داروغہ کو دیتا ہے وہ لانگری بنایا جاتا ہے۔ جہاں کسی نے ذرا سترائی
کی اسے لنگر سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ اور دوسرے کو اس جگہ لگایا جاتا ہے۔

جب کسی لانگری کی جگہ خالی ہوتی ہے تو جیل میں گرم گرم بخشیں اور
خوب چہ میگوئیاں ہوتی ہیں۔ کیونکہ کامیاب فریق کو پیٹ بھر روٹی ملنے کی
امید ہو جاتی ہے۔ اور دوسرے قیدیوں کو روٹی کا لالچ دیکر مشکور کیا جاتا
ہے۔ اس طرح فریق مخالف کو کمزور اور اپنے جھٹکے کو طاقتور بنانے کا موقع ملتا
ہے۔ ان دنوں سونا داروغہ کے جوتوں میں آ آ پڑتا ہے۔ چاندی اچھلتی ہے

خالی خوشامدی وہاں قدر نہیں۔ داروغہ کی جیب کو جو حوصلے سے بھرتا ہے۔ وہی کامیابی کا منہ دیکھتا ہے۔ لنگر پر لگ کر نہ صرف تمام اخراجات پورے ہو جاتے ہیں بلکہ کچھ پس انداز بھی کرتے ہیں۔ ان کے لئے تو دن عید، رات شب برات ہوتی ہے۔ مگر عام قیدیوں کے لئے بارہ مہینے رمضان ہوتا ہی چنانچہ اسی وجہ سے قیدی روٹی پر جوا کھیلتے ہیں۔ کہ اگر قسمت نے ساتھ

دیا تو پو بارہ ہیں پیٹ بھر جائیگا۔ ورنہ پتھر باندھ کر سو جائیں گے۔ جو جیتتا ہے وہ پیٹ بھر کر کھاتا ہے۔ جو ہارتا ہے وہ روزہ رکھتا ہے۔ روٹی فروخت کرنے والے صرف لانگری ادم کم خورے نہیں ہوتے بلکہ تبا کو سگرٹ نوش بھی تھوہر

روپیہ پیسہ کے بابے میں جیل کا قیدیوں کا گونہ میں روپیہ رکھنا یہ قاعدہ ہے کہ کوئی قیدی اپنے

پاس ایک پیسہ بھی نہیں رکھ سکتا۔ اگر کسی کے پاس کچھ رقم نکلتی ہے تو وہ ضبط کر لی جاتی ہے۔ اس لئے قیدی روپیہ کو محفوظ طریقے پر رکھتے ہیں۔ پرانے قیدی روپیہ کو رکھنے کے لئے اپنے حلق میں گونہ یعنی تھیلی بنا لیتے ہیں۔ جو سیسے کی گولیاں رکھنے سے بن جاتی ہیں۔ ان تھیلیوں میں بیس بیس روپیہ تک رکھے جا سکتے ہیں۔ جس کو جیل حکام آسانی سے نکال نہیں سکتے۔ البتہ یہ چوری ایکسے سے معلوم ہو جاتی ہے کہ روپیہ اندر رکھے ہوئے ہیں۔ اگر کسی قیدی پر روپیہ رکھنے کا مقدمہ چلایا جاتا ہے تو ایکسے سے گواہ کو دکھا کر شہادت دلائی جاتی ہے۔ اور مجرم قرار دیا جاتا ہے۔

گونہ بنانے میں کافی تحلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ سیسے کی گولیاں اندر

ہی اندر گوشت کھاتی چلی جاتی ہیں۔ اور جگہ بنا لیتی ہیں۔ اس دوران میں جگہ بنانے میں پس پیدا ہو جاتی ہے جس میں سخت بدبو ہوتی ہے۔ اول اول تو قیدی کو کھانے پینے میں بھی تکلیف ہوتی ہے۔ اکثر تے ہوتی ہے۔ مگر پھر جلد ہی زخم مندمل ہو جاتا ہے۔ بعض مرتبہ پونڈ یا روپیے بجائے گرنے کے پیٹ میں چلے جاتے ہیں۔ پھر ہر صبح پاخانہ دیکھنا پڑتا ہے۔ اکثر قیدی کو جلاب لینے پڑتے ہیں۔ تب جا کر کہیں مشکل کشائی ہوتی ہے۔

جیل میں قیدیوں کی تجارت | گزشتہ صدی میں ہندوستان کی جیلوں کے اندر قیدیوں کو خوراک کی

قیمت سکوں کی شکل میں روزانہ دی جاتی تھی جن سے قیدی جیل کی دکانوں سے سامان خورد و نوش خریدتے اور خود کھانا پکا کر کھا لیتے تھے۔ لیکن ۱۸۳۸ء میں اس طریقہ کو بند کر دیا گیا اور تیار شدہ خوراک دینے کی جیل حکام نے اپنے ذمہ داری سلی جس کے بعد جیلوں میں قابل استعمال اشیاء کی خرید و فروخت قانوناً بند کر دی گئی۔ مگر چونکہ قیدی کھانا کھانے کے ساتھ بہت سے نشوں کے عادی ہو چکے تھے اس لئے انہوں نے پوشیدہ طور پر اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ او اپنے نشہ کی اشیاء چرس بھنگ، افیم، سگرٹ، بیٹری، تباکو، بیڑہ، انسوار اور کبھی کبھی شہاب وغیرہ منگنا شروع کر دیا۔

جیل میں اشیاء ممنوعہ پہنچانے کے طریقے | اس طریقہ کے جاری رکھنے میں جیل کے جمعدار

(سرکاری ملازم وارڈر) خاص طور پر مہم ثابت ہوتے ہیں۔ وہ چار آٹہ روپیہ

پر قیدی کا مطلوبہ سامان بازار سے لاکر دیدیتے ہیں۔ اگر سامان زیادہ ہوتا ہے اور وہ دروازے سے نہیں آسکتا تو وہ جمعدار رات کے ڈیوٹی والے جیل کے جمعدار یا نمبردار سے وقت مقرر کر کے کوٹ موقعہ کے ذریعے (جیل کی دیواروں پر سے) جیل میں پھینک دیتے ہیں جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وقت مقررہ پہلے جیل کی دیوار کے باہر کھڑے ہو کر پہلے اینٹ پھینکتا ہے اندر نمبردار جوابی اینٹ باہر پھینک کر اپنی حاضری کی اطلاع دیتا ہے۔ جس کے معنی یہ بھی ہوتے ہیں کہ اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اور کوئی غیر دیکھنے والا بھی نہیں ہے۔ تب وہ جمعدار مال کو دیوار سے پھینکنے کا عمل کرتا ہے۔ جس کو جمعدار یا نمبردار اٹھا کر جیل کے کسی ٹسے بیوپاری قیدی کو دیدیتا ہے۔

جیل کے بعض دربان بھی بیرونی پانچہ کے نمبرداروں سے ساز باز کر کے یہی کام انجام دیتے ہیں۔ یہ دربان بھی جمعداروں کی طرح چوتھائی حصہ کے حقدار ہوتے ہیں۔

جب یہ پانچہ کے نمبردار کھیت، یا جیل افسران کے گھر کے کاموں کی مشقت سے فارغ ہو کر دوپہر یا شام کو جیل میں داخل ہوتے ہیں تو کھیتوں کی پیداوار، مولی، شلغم، آلو، گوبی، گھیا، بیگن وغیرہ سبزیوں میں ضروری چیزیں رکھ کر لے جاتے ہیں۔ دربان چٹم پوشی کرتا ہے۔ لیکن اگر دربان دیا ندر اور ڈیوٹی کا سچا ہوتا ہے اور رشوت کے پھندے سے اپنے آپ کو آزاد رکھتا ہے تو نمبرداروں کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مگر اصل میں وہی موقعہ نمبردار قیدی کی ذہانت کے دکھانے کا ہوتا ہے پھر اس کا چالاک دماغ زندہ ہوتا ہے

اور عجیب و غریب کمال دکھاتا ہے۔ جس کی مثال ذیل کے تین واقعات ہو سکتی ہیں
 (۱) مٹی کی بدھنی کو قابل حیرت طریقہ پر استعمال کرتے ہیں۔ اس کو آدھی
 چرس سے بھر لیتے ہیں اور اس پر کپڑا رکھ کر سمٹ کا پلستر کر دیتے ہیں۔ سوکھنے
 پر باقی آدھی بدھنی میں پانی بھر لیتے ہیں اور اس کو ہاتھ میں لیکر آزادی کے ساتھ
 بلا جھجک و شبہ کے دربان کے سامنے سے گذر جاتے ہیں۔ وہ ٹوکتا تک بھی نہیں
 نمبردار جیل میں جا کر بدھنی کے نیچے کے حصہ میں چھید کر کے چرس نکال کر
 استعمال کرتا ہے۔

(۲) پانی بھرنے کے آہنی ڈولوں کے تلے کے پخلے حصہ میں لکڑی کی سیخوں سے
 مطلوبہ شے کو لے جانے کا کام لیا جاتا ہے۔ وہاں سیخوں کو اٹکا کر اسپر کپڑا
 بچھا دیتے ہیں اور کپڑے کے اوپر مطلوبہ شے رکھتے ہیں۔ اور آرام و سکون کے
 ساتھ ڈول میں پانی بھر کے جیل کے دروازے سے لے آتے ہیں۔ دربان کو
 اس پر کوئی گمان بھی نہیں ہوتا۔

(۳) پانی پینے کے گھڑے کو ڈھکنے کے لئے لکڑی کا ایسا ڈھکنا بنایا جاتا
 ہے جس میں آدھ سیر یا پاؤ بھر چرس وغیرہ رکھ لی جاتی ہے۔ وہ گھڑے پر ڈھکا
 رہتا ہے اور اس پر کوئی شک نہیں کر سکتا۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ
 اس ڈھکنے کی بڑی لکڑی کے نیچے کے حصہ میں چوکور تھوڑی جگہ چھوڑ کر ایک خلا دار
 لکڑی کے ٹکڑے میں دو بیچ پار کیلیں لگا کر اس کو بڑی لکڑی کے بیچ پار کیلیں کے برابر
 والے گول چھید میں ڈال کر اڑا دیتے ہیں۔ جس میں وہ فٹ بیٹھ جاتا ہے۔ اس کو
 ذرا کھسکا کر پیچھے ہٹاؤ تو کھل جاتا ہے۔

ان چیزوں کا دربان کو یا کسی جیل آفیسر کو علم نہیں ہوتا۔ جب تک کوئی مخبری نہ کر دے۔ ان چیزوں کے راز افاش مخبری ہی سے ہوتے ہیں۔ ورنہ بہت عرصہ تک قیدی اپنی تیزی طبع سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

بعض ہوشیار قیدی عدالت سے سزا پا کر آئے اور چالان (ایک جیل سے دوسری جیل میں تبادلہ) ہونے کے بعد جیل کے داخلہ پر غلط گونہ میں چاندی کا روپیہ اور سونے کی اشرفیاں رکھ کرے جاتے ہیں۔ کوئی پاؤں میں پٹری ہوئی آہنی بیڑیوں کے ٹودوں میں کوئی نئی جڑیوں اور کھڑادوں کے تلے میں لوٹ اور چوئیاں رکھ کر منگاتے ہیں۔ اور اگر اس کا راز افاش ہو جاتا ہے اور تلاشی میں یہ چیزیں نکل آتی ہیں تو تمام رقم بحق سرکار ضبط کر لی جاتی ہیں۔ اس سے قبل ۱۹۴۱ء تک قاعدہ رائج تھا کہ رقم کا نصف حصہ تلاشی لینے والے دربان یا جعدار کو دیا جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے دربان یا جعدار تلاشی لینے کی فکر میں رہتے تھے۔ لیکن جب سے ان کی حصہ داری ختم کی گئی اسی وقت سے ان کو تلاشی لینے میں سابقہ شغف رہا اب وہ تلاشی میں براہدگی کے بعد بھی درگزر کر دیتے ہیں۔

دربان بھی بعض بعض زہر کے بجھے ہوئے ہوتے ہیں ان کا اندازہ ان کی تازہ اور جانچ بلی کی تیز اور صحیح ہوتی ہے جس پر ہاتھ رکھ دے ناممکن ہے کہ اس کی جامہ اور سامان تلاشی سے کچھ نہ نکلے اور وہ بچکے نکل جائے۔

پٹانچہ انبالہ جیل میں ایک دربان انہی خصوصیات کا مالک ہے، اس کا اصل نام اختر حسین ہے لیکن قیدی اس کو ”دل ڈھڑک“ کہتے ہیں۔ پنجاب میں اس کی طوطی بولتی ہے اور خاص طور پر انبالہ ملتان جیل میں قیدی اس سے بہت

تخائف رہتے ہیں۔ اس کا کمال یہ ہے کہ دل پر ہلکا سا تھوڑا سا رکھ کے شناخت کر لیتا ہے۔
اس کی شناخت غلط نہیں ہوتی قیدی اس کی شکل دیکھتے ہی یا تو اقرار کر لیتے ہیں
یا پھر اس کی جودت طبع کا شکار ہوتے ہیں۔

جیل میں اشیاء ممنوعہ کی قیمتیں | اس سالن کے یو پارے عام طور پر
سپرٹنڈنٹ، یا ڈپٹی سپرٹنڈنٹ

جیل کے پیشکار نمبردار ہی ہوتے ہیں جو قیدیوں کی مالی حالت کی مجزی کی دیوٹی بھی بجا
دیتے ہیں جن کے متعلق مشہور ہوتا ہے کہ ان کی کمائی میں ان ذمہ دار افسران
کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ یہ نمبردار اپنی کھڈیوں کو کھدوا کر مال رکھنے اور کالنے کی
سہولت کے مطابق بنوا لیتے ہیں۔ اور عام طور پر حسب ذیل نرخوں پر فروخت
کرتے ہیں۔

- (۱) سنترہ اسیب ایک عدد — دو بیڑیوں سے چار بیڑیوں تک
 - (۲) دودھ ایک سیر — چار بیڑیوں میں۔
 - (۳) ڈبل روٹی ایک عدد — چار بیڑیوں میں۔
 - (۴) مکھن ایک چھٹانک — آٹھ بیڑیوں میں یا دو آنہ میں
 - (۵) گڑھ دس چھٹانک — چار بیڑیوں میں۔
 - (۶) بیڑی آٹھ — دو آنہ کی۔ ایک پیسہ کی ایک۔
 - (۷) تباکو، بیڑا — بازار میں تین پیسہ چھٹانک اور جیل میں تین آنہ
 - (۸) کھڈی۔ بجائے چارپائی کے — دو پیسہ سے ایک آنہ تک۔
- مٹی ایک عدد

(۹) چادر کھدو سوئی بسترے کی — ایک آنہ - چار بیٹری۔

تین گز لمبی ڈیڑھ گز چھٹی ایک عدد

(۱۰) پجامہ کرا دو سوئی نیا ایک عدد — چار بیٹریاں - یا ایک آنہ -

(۱۱) افیم، بھنگ، پرس - — بازار کے بھاؤ سے دگنی -

(۱۲) جوتی دیسی ایک عدد — چار بیٹری کے پیکٹ -

(۱۳) گوشت ایک سیر — شہر میں آنہ، جیل میں بارہ آنہ

ان چیزوں میں قیدیوں کے لئے سب سے زیادہ ضروری اور اہم چیزیں بیٹری اور تمباکو ہوتی ہیں۔ ان پر جب کوئی جیل حاکم سخت نگرانی کرنے لگتا ہے اور شہر میں جب مسلسل ہڑتال ہوتی ہے اور جیل میں ان کی درآمد نہیں ہوتی ہے تو ان موقعوں پر ایک روپیہ سیر کا تمباکو اتنی روپیہ کے بھاؤ تک فروخت ہو جاتا ہے اور ایک ایک بیٹری چار چار پیسہ میں بک جاتی ہے۔

قیدیوں کا ان ہر دو چیزوں کے علاوہ دیگر اشیاء کے بارے میں یہ نظریہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی اہم چیزیں نہیں ہیں بلکہ

بیٹریوں کا راج

جو پچھلے بازی ہے۔

ایک بیا قیدی بھی اسی طرح نظر کا مالک ہوتا ہے اور اگر اس کو کمزوری دہ کرنے کے لئے مکھن، گوشت، ذیل روٹی، سنہرے اور سیب دیا جاتا ہے تو وہ بیٹری کی معمولی سی تعداد پر اس کو شاکر دیتا ہے۔ اور تین چار بیٹری کے عوض اس کو دیدیتا ہے۔ اس کو اپنی صحت کی بھی فکر نہیں ہوتی جتنی بیٹری کے حصول کا خیال ہوتا ہے۔ وہ مرجانا بہتر سمجھتا ہے مگر ان اشیاء کو ترک کرنا نہیں چاہتا۔

جیل میں روپیہ، پیسہ، اونٹوں کا رکھنا ممنوع ہے اس بنا پر اگر کسی قیدی کے پاس نوٹ یا روپیہ ہوتا ہے تو اس کو اس کے بھنانے میں کافی دقت ہوتی ہے۔ البتہ جیل کے بیوپاری و سوداگر اپنا کمیشن لیکر بہت جلد ریزگاری دیدیتے ہیں۔ یوقنی کے ساتھ پانچ روپیہ کے نوٹ بھنانے میں قریب قریب ایک روپیہ جیل کے سوداگروں کے نظر ہو جاتا ہے۔ وہ پہلی مرتبہ پانچ روپیہ کے نوٹ کے دو آنہ فی روپیہ کے حساب سے دس آنہ کاٹ لیتے ہیں۔ اور چار ایک ایک روپیہ والے نوٹ اور چھ آنہ آنہ کے حوالے کر دیتے ہیں جب چھ آنہ ختم ہو جاتے ہیں تو ایک روپیہ کے نوٹ کی ریزگاری کی سلسلہ وار ضرورت پڑتی ہے۔ جس میں چار نوٹوں کے بیوپاری آٹھ آنے اور وصول کر لیتے ہیں۔ ہوشیار قیدی صرف آٹھ آنہ میں پانچ روپیہ کی نری ریزگاری لیتا ہے۔

اس سسٹم سے قیدی کو جیل میں روپیہ میں مشکل تمام آٹھ آنے پٹے پڑتے ہیں۔ اس آٹھ آنہ میں یعنی کل روپیہ میں دو آنہ کی چیز لایا جاتا ہے۔ وہ روپے کے لانے، بھنانے، اور اصل قیمت سے جو گنی قیمت بد سب چیزیں خریدنے میں مدد آنہ نمبر دار یا جمدار کے ہوتے ہیں۔ بہت سے طویل سزا والے قیدی اس تجارت کے بدولت سینکڑوں روپے کے مالک بن کر نکلتے ہیں۔



حکام جیل کی بدعنوانیاں

قیدی تو شرارتوں میں بدنام ہیں ان کو غیر شریر کون سمجھ سکتا ہے قیدی بنتے ہی شرافت کے دائرہ سے خارج کر دیے جاتے ہیں۔ مگر جیل حکام جو شرافت کے دعویدار ہوتے ان سے جو بد معاشیاں سرزد ہوتی ہیں وہ شیطان کو بھی پناہ منگوادیتی ہیں۔ ان لوگوں کو تہذیب و شرافت اور اخلاق اور انسانی ہمدردی سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ ان کا صرف ایک مطمح نظر ہوتا ہے قیدیوں کی جیبیں کترنا اور ان کو لوٹنا۔ قیدی جیل کے اندر قدم ہی رکھتا ہے کہ اس کی تلاشی لینے میں تمام قبر و جلال ختم کر دیا جاتا ہے۔ ایک ایک اعضا، ایک ایک جوڑکی بد تمیزانہ طریقے سے تلاشی لی جاتی ہے۔ پہنے ہوئے اور پہننے والے کپڑے ایک ایک کر کے دیکھے جاتے ہیں حالانکہ وہی تلاشی کا وقت ہوتا ہے جبکہ ڈیوڑھی سے شراب کی بوتلیں اور بیڑیوں کے مٹھے گذرتے ہیں۔

پہلا قدم ڈیوڑھی کی تلاشی پر اگر قیدی کا ڈنگا جاتا ہو | قیدی کی تلاشی | تو چائنسے میں آسانی ہوتی ہے۔ ورنہ دو سراحملہ دوسرے دھواڑے کے کھلے پر چکر لگایا جاتا ہے۔ یہاں ایک قیدی محسوس نمبر دار اپنے نوا اور قیدی کا نام ولدیت، نوعیت، مقدمہ اور سکونت تحریر

کرتا ہے۔ اور قیدی کو چکی میں لے جانے کے لئے ایک جلا دانہ اٹا رہا ہے، جس سے قیدی کے رہے سے ہوش و حواس جاتے رہتے ہیں۔ اسی عالم میں قیدی نمبردار کو رہبر سمجھتا ہوا پیچھے پیچھے ہولیتا ہے۔ وہ قدم قدم پر ٹوکتا ہے مغلط گالیاں دیتا ہے۔ غریب قیدی کے چودہ طبق ہی روشن ہو جاتے ہیں وہ کہتا ہے کہ کہاں حیوانوں اور عنڈوں کی دنیا میں آگیا۔ اس کو پچاس ساٹھ قدم چلنا دہر معلوم دیتا ہے۔ اور کال کو ٹھہری کے دروازہ پر پہنچ کر ہیبت ناک کو ٹھہری کی شکل دیکھتا ہے۔ سزا کا فیصلہ سننے ہوئے رنجیدہ داغ اور بے قابو ہو جاتا ہے۔ موٹی، موٹی تپڑی بچھا کر اندھیاری جگہ میں بارہ گھنٹے رہ کر ہوش و حواس کھو دیتا ہے۔ صبح ہوتی ہے جیلر کا حکم ہوتا ہے کہ اٹھا رہ سیر گیہوں پیو۔ ورنہ نمبردار کا ڈنڈا کمر پر پڑتا ہے۔ وہ بے آبرو کر دیگا۔ تب غریب مجبور بے بس نمبردار کے سامنے بھک جاتا ہے۔ نمبردار موقعہ کا منتظر رہتا ہے فوراً پھانس لیتا ہے۔ مصائب و آلام کا خاکہ کھینچ کر سبز باغ دکھاتا ہے اور جیلر کو ماہوار ایک رقم دینے پر تیار کر لیتا ہے۔ تاکہ قیدی ملاقات کے لئے اپنے عزیز و اقارب کو بلائے۔ اور ان سے جیلر کا ماہوار نذرانہ پہنچانے کی تاکید کر دے چنانچہ غریب قیدی نمبردار کے کہنے پر عمل کر کے مصیبتوں سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے۔ اور بجائے اٹھا رہ سیر گیہوں پینے کے منشی گیری کے کام پر لگا دیا جاتا ہے۔

جو قیدی مشقت کی پرواہ نہیں کرتا۔ پوری مشقت وقت پر کر کے پیشی

دیدیتا ہے اور رشوت دینا گوارا نہیں کرتا تو اس کو ستانے کے لئے

بیکار چلے نکالے جاتے ہیں۔ نمبردار بلا وجہ اس کو پریشان کرتا ہے اور پیشی کرانے کی دھمکی ہر وقت اس کی زبان پر رہتی ہے۔ قابو میں نہ آنے کی صورت میں سپرنٹنڈنٹ سے سزا دوائی جاتی ہے۔ کھڑی بیٹری میں پھانسا جاتا ہے۔ قیدی خود دار ہوتا ہے تو وہ ان مصیبتوں کو اور تمام دوسری مصیبتوں کو برداشت کرتا ہے لیکن حکام کو رشوت کی چاٹ نہیں لگاتا۔

ایک دو ماہ قیدیوں کے ساتھ ایسا بھی آتا ہے جبکہ ان کو اپنے قید کے دن معافی سے کم کرانے ہوتے ہیں یعنی میشن لینے ہوتی ہے۔ عام دستوریہ ہوتا ہے کہ قیدی اگر اپنی قید کے اچھے دن گزارے اور اس کا چال چلن خراب نہ ہو تو اس کو ایک سال میں ڈھائی ماہ معافی کے ملجاتے ہیں لیکن اگر قیدی جیلر کو خوش کر دے تو اس قیدی کو تین ماہ کی معافی ملنی مشکل بات نہیں ہوتی۔ اس کو ایک سال کی سزا میں نو ماہ بعد ہی رہ کر دیا جاتا ہے۔

جیل حکام غریب سے غریب قیدی کا بھی خون چوسنا اور رقم اینٹھنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اگر اس کے پاس چٹانے کو کچھ نہیں ہوتا تو اس کی زندگی اجیرن کر دی جاتی ہے۔ تمام سزائیں ایک ایک کر کے دیدی جاتی ہیں۔ اور گناہوں کا پتلا شمار کیا جاتا ہے۔

نکمی سبزی دینا | اس کو کھانا بھی نہایت نکما ملتا ہے۔ قانوناً جو شیار جس نوعیت کی اس کو ملنی چاہیے وہ نہیں ملتی۔ دل کے بدلے دال کے چھلکے، باغ کی تازہ سبزیوں کے بجائے سڑی اوبھی

ہوتی کیڑے دار سبزیاں، سڑا ہوا تیل، چوتھائی پکانے کی لکڑیاں، اور معمولی سا مصالحہ دیا جاتا ہے۔ تمام تانہ جیل کی باغ کی چیزیں حکام کی نظر ہوتی ہیں۔ باغ سے ہولی ادا گو بھی آتی ہے۔ قیدی کی قیمت میں اس کے صرف پچھلے ہوتے ہیں۔ اس کا پھل جیل حکام کے گھر کے لئے وقف ہوتا ہے۔ ہر چیز میں سے جیلر بچاتا ہے اور عیش کرتا ہے۔

مشقت لگانے کی فیس | ان کی ہوس کی آگ مشقت لگانے کی فیس، سالانہ خورد و نوش کے بچت کی رقم سے بھی نہیں بھرتی بلکہ یہ لوگ ہسپتال کی دواؤں کی قیمتوں کی رقموں میں سے بھی ہضم کرتے ہیں انگریزی ادویات کے بجائے ہندوستانی دوائیوں کو گھول گھول حاتمہ شاک کے ساتھ پلاتے ہیں۔ اور ہزاروں روپیہ اسی صورت سے ڈکار جاتے ہیں۔ انکو اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ جو دوا قیدی کو پلائی جا رہی ہے یہ کچھ اپنا اثر بھی کر لے یا نہیں۔ وہ کھانے کی دھن میں پاگل ہوتے ہیں۔

معمولی معمولی چیزوں میں سے مثلاً قیدیوں کے صابن سوڈا، سوئی وغیرہ میں سے بھی یہ لوگ ناجائز طریقے سے بچاتے ہیں۔ جیل کی ہر چیز استعمال کرتے ہیں اور شیر ماد کی طرح ہضم کر جاتے ہیں۔ اکثر حکام جیل اپنی تنخواہ سے چونگنی آمدنی اوپر کی آمدنی سے پیدا کرتے ہیں۔

یہ قدرتی بات ہوتی ہے کہ جیل حکام قیدی کی سہولت کو کسی طرح برداشت نہیں کرتے۔ اگر قیدی کو کوئی سہولت حاصل ہو جاتی ہے۔ ادا اس سے اس کی تابعداری میں فرق آ جاتا ہے تو فوراً جیل حکام اس کی مخالفت

کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ان کی فطرت انتہائی پست ہوتی ہے۔ ان کا فلسفہ یہ ہوتا ہے کہ قیدی جتنا محتاج رہے گا اسی قدر جیل کا انتظام بہتر چلتا رہے گا وہ قیدی کو محتاج دیکھ کر اور اپنے اختیارات کو جا کر بہت خوش ہوتے ہیں یقیناً ایک جیل کا افسر اپنے آپ کو قیدی کا غنا سمجھتا ہے اور خواہش رکھتا ہے کہ ہر قیدی اس کو اپنا خدا سمجھے۔

جیل میں قیدی سے جیل حکام دو قسم کی رشوت لیتے ہیں۔ ایک تو ماہوار رقم جس کو تاریخ کہتے ہیں۔ دوسری خلاف درزی قانون جیل پر۔ یہ کھلی رشوت کہلاتی ہے۔ تاریخ سات اور دس روپے کے درمیان ہوتی ہے۔ مگر اس میں کمی بیشی قیدی کی حیثیت پر منحصر ہے جس وقت تاریخ داوغہ کی جیب میں پہنچتی ہے تو باقی ملازمان بھی دانت پیستے ہیں۔ ان کو نہ دیا جائے تو وہ چین نہیں لینے دیتے۔ ان لوگوں میں ڈاکٹر، جمعدار، بابو، چکر منشی ہوتے ہیں۔ غرض جو قیدی ان لوگوں پر بیس روپے ماہوار خرچ کرتا ہے وہ خوشی کے ساتھ جیل میں اچھے دن کاٹ لیتا ہے۔ ورنہ جہنم بنی رہتی ہے۔

ملاقات کی فیس | مجرم کے وٹا سے ملاقات بھی ایک ذخیرہ کام ہے تین ماہ کے بعد عام قیدیوں کو ملاقات کا حق اور خط

لکھنے کی اجازت ہوتی ہے۔ دور دور سے رشتہ دار اور دوست احباب ملنے آتے ہیں۔ ملاقات کے لئے درخواست دیتے ہیں۔ داوغہ یا نائب سربراہ دیتا ہے کہ ملاقات مشکل ہے کیونکہ ابھی تین مہینے پورے نہیں ہوتے۔ یا تو کوئی عذر کر دیتا ہے کہ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا ہے اس کی ملاقات ہوئے۔ پکارے

رشتہ دار دس بیس روپیے کرایہ دیکر سفر کی صعوبت اٹھا کر آتے ہیں۔ ملاقات سے انکار سنکر پریشان ہو جاتے ہیں۔ داروغہ کار دلی یا نگران قیدی اگر سمجھا تا کہ آپ شریف آدمی ہیں اتنی تکلیف اٹھا کے آئے ہیں۔ دیکھو کچھ بندوبست ہو چکا۔ فکر مت کرو۔ مگر تم جانتے ہو کہ دنیا میں لئے دیئے کے بغیر کام نہیں چلتا۔ دو روپیے ملاقات کا اندازہ تو عام ہے۔ خاص حالتوں میں ۱۰، ۱۵۔ روپیے فی ملاقات حاصل کئے جاتے ہیں۔ دن میں بیسوں ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ ملاقات کرانے والے ملازم کی توخیر۔ ہر روز قیدی اردلی کا گلا بھر بھر کر منہ کو آتا ہے۔

ہڑتال | جیل حکام کی شرارتوں کا صرف ایک ہی علاج ہے وہ اسٹراٹک (ہڑتال) اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں ہے جس سے جیل حکام کو جھکایا جائے۔ اور اپنی تکلیفوں کو دور کرایا جائے۔ عرضداشتیں کوئی سنتا نہیں۔ ملاقاتیں بیکار جاتی ہیں قیدیوں کے وفد بے اثر ہوتے ہیں اس لئے قیدی یہ آخری ہتیار استعمال کرتا ہے۔ اگر اس میں ناکامی ہو تو اس کا دھڑوٹ جاتا ہے۔ اگر کامیاب ہوتا ہے تو اس کا راج ہوتا ہے، شروع شروع میں دو تین روز بلکہ ہفتے عشرہ تک جیل والو اسٹراٹک کی پرواہ نہیں کرتے۔ جب یہ ایام گزر جاتے ہیں تو وہ زبردستی کرتے ہیں۔ بھوکوں کو زبردستی نلیوں سے دودھا ادا ٹڈا ناک کے رستے اتار نیکی کو بخش کرتے ہیں۔ کوئی مزاحمت کرتا ہے تو وہ نمبر داروں کی یا جمعداروں کی گرفت میں مضبوط پکڑ لیا جاتا ہے۔ اور خوراک پیٹیاں پہنائی جاتی ہے۔ بعض شری اور مفسد افسران اسٹراٹک کے خلاف مقدمے

بھی چلا دیتے ہیں جس میں قیدی کو مزید سزا بھگتنی پڑتی ہے۔ ان اسٹرائیکوں میں جیل افسران انتقامانہ کارروائی بھی کرتے ہیں۔ غریب نہتے قیدیوں پر نمبر داروں سے لاثیمیاں پڑواتے ہیں۔ سروں کو پھوڑتے ہیں، جسم کو لہولہاں کرتے ہیں۔ اور کوئی انسانی ہمدردی محسوس نہیں کرتے۔ وہ تکالیف کے دینے کا مقصد جیل قیدیوں کو ٹولنا ہوتا ہے کہ کتنی ہٹ اور ضد کا مالک ہے اگر اس کو مستقل مزاج اور خوددار پاتے ہیں تو اس کی ہریات پوری کرتے ہیں۔

خاص طور پر بھوک ہڑتال قیدیوں کے لئے بڑی تکلیف کی چیز ہوتی ہے اس میں انہیں کافی دقوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ یہ فعل مجبوری کرتے ہیں عام طور پر تجربہ کار قیدی اس فعل سے باز رہتے ہیں۔ بھوکے رہتے ہوئے صحت پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ تجربہ بتاتا ہے کہ جو لوگ جیل میں بھوک ہڑتال سلسل کرتے ہیں ان میں سے اکثر تپ دق کے مریض ہو جاتے ہیں اور پچھتے نہیں۔ مگر کرنے والے پھر بھی کرتے ہیں اور جان دیتے ہیں۔ بے عزتی اور ذلت کی غلامانہ زندگی برداشت نہیں کرتے۔

مجھ کو ستمبر ۱۹۷۶ء میں اولڈ سنٹرل لیٹان جیل کے اندر آٹھ سو نظر بندوں کے ساتھ بھوک ہڑتال کرنے کا موقع ملا۔

مجھ کو اچھی طرح یاد ہے کہ پانچ وقت کی بھوک ہڑتال نے ہکوا اور دوسرے ساتھیوں کو کافی کمزور کر دیا تھا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ سوائے لپٹس کے اور کوئی آدمی اپنے امداد سے ہٹنا نہیں چاہتا تھا۔ ایک دن املی کے پتہ کھاڑا جا رہے تھے کہ انہیں کسی سردا جی کے کمرال اٹھے ہوئے تھے بال منہ میں گئے تو املی کے پتوں سے بھی نفرت ہو گئی۔

مجرم عورتیں

۱۹۲۶ء کی مجرمہ عورتوں کی تعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان اور بنگالہ کی جیلوں میں علاوہ انڈیمان (کالے پانی) کے ہر قسم کی قیدی عورتوں کی آمد کی حالات میں روزانہ اوسط ۲۱۳۹ تھی جس میں سزایافتہ عورتوں کی تعداد سال کے آخر تا ۸۰۳ پہنچ جاتی تھی۔

اتنے وسیع جغرافیائی رقبہ میں یہ معمولی سی تعداد ظاہر کرتی ہے کہ ہندوستان میں بمقابلہ انگلستان کے مجرم عورتیں بہت کم ہیں۔ اور انگلستان کی عورتوں کی طرح جرم کے ارتکاب میں بے باک نہیں ہوتیں۔ ہندوستان کی اکثر دسترکٹ جیلوں میں قیدی عورتوں کے لئے الگ الگ وارڈ بنائے گئے ہیں جن میں ان کو محفوظ طریقے پر رکھا جاتا ہے۔ ان کے پاس مردوں کو بھٹکنے تک بھی نہیں دیا جاتا۔ ان کے لئے ایک میٹرن رکھی جاتی ہے جو ان کی ضروریات کو پورا کرالے کیلئے مقرر ہوتی ہے اس کی عدم موجودگی میں جیل افسران بھی عورتوں کے وارڈ میں داخل نہیں ہو سکتے۔

پنجاب اور صوبہ ممبئی کے لاہور اور مددہ میں زنانہ جیلیں | **زنانہ جیلیں** بنوادی ہیں۔ لاہور کی زنانہ جیل اپنی دیواروں اور بارکوں کی کثرت کی وجہ سے انگلستان کی پنٹونویلی اور ہزلو۔ جیل کی تنگ تاریک کوٹھری والی جیلوں کی طرح ہے۔

گرچہ سی، پی میں سوگوڑ جیل سے ۱۹۲۵ء میں کرسمس کی کالی راتوں کو خوبصورت خاوندوں کی لالچ میں تین عورتوں نے فرار ہونے کی کوشش کی۔ اور اسی طرح پورٹ بلیئر کی زنانہ جیل میں (جو حکومت ہند کی سب سے بڑی جیل ہے) بھاگنے کی شاذ و نادر سیکیں نہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ عورتیں عام طور پر جیل میں پر امن زندگی گزارنے کی عادی ہوتی ہیں اور بہت کم بھاگتی ہیں۔ ان کی جیلوں کی دیواریں آٹھ فٹ اونچی ہوتی ہیں۔ اور بعض کی اس سے بھی کم ہوتی ہیں۔

جیسی پورٹ بلیئر کی جیلوں کی دیواریں ہیں۔ جو آٹھ فٹ زیادہ سے زیادہ اونچی ہیں۔ اور ان کی سمندر کی جانب کی دیواریں اونچائی میں اسے بھی کم تر سی۔ پی کے صوبہ میں عادی اور اتفاقی قیدی عورتوں کو علیحدہ علیحدہ رکھنے کے لئے جیل پورا وناگیور میں جیل بنادیا گیا ہے جیلپور میں عادی مجرموں کو بھیجا جاتا ہے۔ اور ناگیور میں اتفاقی مجرموں کو رکھا جاتا ہے۔

ضلع کی جیلوں میں تقریباً چھ قیدی عورتیں رکھی جاتی ہیں۔

مشقت

جن سے عام کام نہیں لیا جاسکتا۔ البتہ انہیں گھر لیا کام پر لگایا جاسکتا ہے۔ نوٹ بنوائی جاسکتی ہے۔ ٹوکرے، جھاڑو بنانا

اور اناج چھنوا یا جاسکتا ہے۔ پورٹ بلیئر کی جیل کے کاموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورتیں لپچھے اور نفیس کام انجام دے سکتی ہیں۔

گرچہ یہ جیل ۱۹۱۹ء کی جیل کمیٹی کی رپورٹ کی وجہ سے بند کر دی گئی تھی۔ لیکن اس سے پہلے یہ صنعت کا گھر تھی۔ اس کے اٹاف میں ایک تمام وقت کی مالکہ، اور تھوڑے وقت کی دروغہ اور ایک ایڈمنسٹریٹر

تھیں اس کے علاوہ تمام جیل کا انتظام قیدی عورتیں خود ہی انجام دیتی تھیں ان کی تن سو کی آبادی نہ صرف جیل کے کلاموں کو چلاتی تھی بلکہ دس ہزار اونٹنی، سوئی کپڑے قیدیوں کے لئے بھی تیار کرتی تھیں۔ سوئی کپڑا پاؤں والی کھڑی پہنایا جاتا تھا جس کی مشینوں کی مرمت بھی عورتیں کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ چادر، تولیے، بھاٹن، بچھونے وغیرہ بھی بنتی تھیں مچھایوں کے جال بنائے جاتے تھے۔ اور تمام قیدیوں کے گہروں بھی صاف کئے جاتے تھے ہسپتال میں دائی اور کیپوٹری کا کام سکھایا جاتا تھا۔ اور تربیت کے بعد انہیں دوسرے ہسپتالوں میں یا گھروں میں جانے کی اجازت تھی۔

پورٹ بلیئر میں ایک عمر قید سزا یافتہ لڑکی کو ایسی تربیت دی گئی کہ وہ ہندوستان بھیج دی گئی۔ جہاں بعض نے ایک سال مدد سٹرلی ہسپتال میں اعزازی نرسوں کے ساتھ کام کیا۔ دائی اور نرسنگ کا امتحان پاس کرنے کے بعد اس کو پورٹ بلیئر روانہ کر دیا گیا۔ وہاں وہ ہندوستانی پردہ نشین عورتوں کے لئے ہسپتال کی انچارج بنا دی گئی۔ ایک جیل سے ایک موقع پر ایک سزا یافتہ آیا ٹیلیفون کے بندیلہ طلب کی گئی۔ تو فوراً ایک قابل مہذب اور خوش مزاج عورت بھیج دی گئی۔ اگلے دن سپرنٹنڈنٹ نے اس عورت کا فائل دیکھا تو بڑا حیران ہوا۔ وہ پیشہ ور پتھوں کو زبردستی والی تھی۔ اسی جرم میں مقید تھی۔ چنانچہ اس کو اسی وقت بلا لیا گیا۔

پورٹ بلیئر کی جیل کی قیدی عورتوں کو شادی کرنے کی بھی اجازت تھی وہ بستی کے ایک گاؤں میں اپنے نئے خاوندوں کے ساتھ رہ سکتی تھیں

اس جیل کی ہفتہ وار شادی پریڈ کی ایک مشہور رواج تھا۔ اور اس کے لئے
 نباتی قانون اور ساتھ میں برکاری ہدایتیں تھیں۔ مثلاً اگر کوئی عورت
 شادی کی پہلی پیش کش قبول کر لیتی تو اس کی ساتھی عورتیں یہ سمجھتی تھیں
 کہ اس نے اپنے آپ کو ذلیل کیا اور ساری جیل کی عزت کو بٹہ لگایا۔

ان عورتوں میں زیادہ تعداد خاوند یا بچوں کو قتل کر نیوالی عورتوں
 کی تھی۔ ایک انسپکٹر جنرل نے رنگون ہائیکورٹ کے مشہور جج کی بیوی سے
 اس سلسلہ میں تبادلہ خیال کیا جو جیل کا گشت لگانے میں مصروف تھی
 اس نے بتایا کہ وہ میری سب سے زیادہ ہمدردی خاوند قتل کرنے والیوں
 کے ساتھ ہے۔ خاوند بعض موقع پر بہت زیادہ بد مزاج ہو جاتے ہیں
 یہ قیدی عورتیں پورٹ بلیز میں بہت خوش و خرم رہتی تھیں
 ان کو ہندوستان بھیجے جانے کا تذکرہ کیا جاتا تو یہ زار و قطار روئیں۔ او
 جانے کے لئے قطعاً تیار نہ ہوتیں۔

لاہور کی نسوانی جیل میں بہت سا وقت فضول و فالتو کا غذ
 چھانٹنے میں صرف کیا جاتا تھا اور گھریلو کام بھی قیدی عورتیں نہیں کرتی
 تھیں۔ مگر کچھ سال بعد وہاں بننے، سینے، پیرونے، کشیدہ کاری اور برہیا
 کام کرنے میں ترقی کی گئی۔ موزے کی مشینیں بھی لائی گئیں اور اس کا کام سکھایا گیا۔
 مانڈے جیل میں قیدی عورتوں کی بنائی ہوئی ساڑھیوں سے
 مانڈے جیل | معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں صنعتی کاموں میں کافی ترقی
 کر سکتی ہیں۔ یہ ساڑھیوں کا کام ان کو سپرنٹنڈنٹ کی بیوی نے سکھایا تھا
 لہ مشرا کر۔

جس کو وہ بڑی شغف سے انجام دیتی تھیں۔

تعلیم | ترقی کے ابتدائی دور ہندوستان میں عورتوں کی تعلیم پر کوئی توجہ نہیں دی گئی اگرچہ آجکل ہندوستان میں عورتوں کی تعلیم کا بڑا

چرچہ ہے۔

لاہور نسوانی جیل میں ایک نسوانی سکول کھولا جا چکا ہے جو نتائج کے اعتبار سے کامیاب ہے۔ یو۔ پی میں فن موسیقی و تعلیم کے لئے جدوجہد برابر جاری ہے۔ ایک عورت جیل میں اسٹانی مقرر کی جاتی ہے جو قیدیوں کو پڑھاتی ہے۔ گانے کا سامان میٹرن کے سپرد ہوتا ہے۔ وہ لاتی لئے جاتی ہے۔

جرم کی درجہ بندی | یو۔ پی میں نوعمر بچیوں کو جو مجرم ہوتی ہیں علیحدہ جیل کے حصہ میں رکھا جاتا ہے۔ جو بچہ چرانے کے الزام میں سنایافتہ ہوتی ہیں۔ ان کو الگ بند کیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح باعزت عورتوں کے لئے علیحدہ جگہ ہوتی ہے۔

دایہ | حاملہ عورتوں کے لئے ایک دایہ ہوتی ہے جس کے لئے سند یافتہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ وہ عورتیں جن کی سنائیں تین ماہ کے اندر

اندر ہوتی ہیں۔ اور حاملہ ہوتی ہیں تو ان کو ہسپتال میں بھیج دیا جاتا ہے۔

عورتوں میں میڈیکل افسر مرد | یو۔ پی، کے مستورات کی جیلوں میں میڈیکل آفیسر مرد بھی ہوتے ہیں تمام کاموں پر عورتیں ہی مامور نہیں کی جاتیں۔

جیل کی عمارتیں

ہندوستان میں کل ۷۷۳ جیلیں ہیں
جن میں حسب ذیل سالوں میں حسب

ہندوستان کے قیدیوں کی تعداد

ذیل مرد اور عورتیں قیدی رکھے گئے۔

عورت	مرد	سال
۱۹۶۳۳	۸۸۳۵۰۵	۱۹۳۱ء
۲۸۲۳۴	۱۰۲۳۳۱۳	۱۹۳۲ء
۲۳۰۸۲	۸۹۹۰۲۰	۱۹۳۳ء
۱۹۹۷۶	۸۷۷۷۱۹	۱۹۳۴ء
۱۹۲۸۱	۸۲۷۶۲۹	۱۹۳۵ء
۱۹۷۵۶	۸۲۷۷۷۷	۱۹۳۶ء
۱۸۳۲۰	۷۷۳۱۱۹	۱۹۳۷ء
۱۷۳۷۹	۷۸۱۰۰۰	۱۹۳۸ء

۱۹۳۳ء میں روزانہ قیدیوں کے آئیکا اوسط تمام ہندوستان کی جیلوں میں حسب
ذیل تھا۔

۱۵ بک فور پرزمنڈ ۱۵ رپورٹ انتظامیہ جیلہائے صوبہ یوپی ۱۹۳۲ء

صوبہ	قیلیوں کی روزانہ اوسط کی تعداد
یوپی	۳۸۵۵۳
پنجاب	۲۲۵۳۲
بنگال	۲۰۵۳۲
مدراکس	۱۸۵۸۲
بہار	۱۵۵۱۸
بمبئی	۱۰۵۲۲
سرحد	۵۵۳۲
سندھ	۵۵۵۲
برار	۵۵۲۵۵
آسام	۳۵۱۹۹
اڑیسہ	۲۵۲۳۶

ان جیلوں میں زیادہ تر جیلیں از سر نو تعمیر کی گئی ہیں۔ اور معدودے چند ایسی بھی جیلیں ہیں جو پہلے سرائیں قلعے یا عالیشان عمارتیں تھیں۔ جن میں ترمیم و تسیخ اور ایزادگی کر کے جیلوں کی شکل دیدی گئی ہے۔

چنانچہ سہارنپور کی جیل پرانے قلعے میں ہے جس کی پرانی دیواریں اور بعض بلڈنگیں

جیلیں مشہور عمارتوں میں

محکمہ تعمیرات کے ماتحت اب بھی ہیں۔

مین پورٹی (یو۔ پی) کی جیل سابق راجہ کے اصطبلوں کو مسمار کر کے بنائی گئی ہے۔ اور آگرہ کی سنٹرل جیل خاندان مغلیہ کے بادشاہ کے ہاتھی خانہ

ترہا کر تعمیر کی گئی۔ جونہی جیل کے اندر مقبرہ کسی پرانی عمارت کی شہادت دیتا ہو
مصنف ”دارالحکومت“ دہلی جیل کے بارے میں لکھتے ہیں۔

سراے کارواں یا دہلی جیل

جودہلی دروازے کے باہر اور فیروز شاہ کوٹلہ کے مقابل ہے اور لال سوار
سے تھوڑی دور جنوب میں ہے۔ یہ جیل حقیقت میں سراے تھی۔ پرانی دلی کیساتھ
یہ سراے بھی ویران ہو گئی۔ یہاں تک کہ عالمگیر ثانی اور شاہ عالم ہی کے وقت میں
بالکل ویران ہو گئی تھی۔ انگریزوں کو جیل کے لئے اس سے بہتر اور موزوں عمارت
نہ ملی۔ اس سراے کی شکست و ریخت کر کے جیل کے لائق کر لیا اس سراے کا
دروازہ بہت بلند اور عالی شان ہے اور اس پر ایسے معقول مکان بنے ہوئے
تھے کہ جیل کا داروغہ بھی اس میں بغراغت رہتا تھا۔ اسی کے میدان میں
پھانسی دی جاتی تھی۔

یہ سراے درحقیقت فرید خاں کی کارواں سراے تھی جو ۱۰۱۰ھ
میں بنی۔ فرید خاں شاہجہاں کے عہد میں گجرات کے صوبہ دار تھے اور فرید آباد
بھی انہی کا بسایا ہوا ہے۔ سلیم گڑھ کے قلعے کو بھی انہوں نے درست کیا۔
فرید خاں سراے شاہجی میں مدفون ہیں جو بیگم پور کی مسجد سے مشرق کی طرف
کوئی چار سو گز کے فاصلہ پر ہے۔“

اس سراے کی تفصیل نما پرانی دیواریں اب بھی موجود ہیں جو موجودہ
مطبخ سے شروع ہو کر منڈا یارک کے ساتھ چلی گئی ہیں۔ چکیاں، کارخانہ،
اور چھیک ہسپتال سراے کے بیرونی حصہ میں بنائی جا چکی ہیں۔ اور اندرونی
لے تحقیقاتی بورڈ یو۔ پی۔ سنہ ۱۹۳۹ء۔ ۲۵ دارالحکومت دہلی حصہ دوم ۱۹۵۹ء،

حصہ میں بھی ہسپتال، مطبخ، اور پھانسی کو ٹھڑیاں تعمیر ہو چکی ہیں جو کہ پختہ، مضبوط اور پاک و صاف ہیں۔ پھانسی گھر بھی اندر بنائی گیا ہے۔ اور اندر ہی پھانسی دیجاتی ہے۔ اس کی کوٹ موقعہ کی دیوار پتھروں کی کچی چنی ہوئی ہے جس میں جیل کی نئی اور پرانی چیزیں محصور ہیں۔

جیلوں کی نوعیت | اس جیل کی طرح ہندوستان کی اکثر جیلیں کچی بنی ہوئی ہیں جنکو کچی گماں اینٹوں سے چکر مٹی کے

گاہے سے پلاستر کیا گیا ہے جو گارا عام طور پر جیلوں میں استعمال کیا جاتا ہے اور اس جیلوں کی بالیوں اور بیت الخلاء کا غلیظ اور گندہ پانی ڈالا جاتا ہے جو ہفتوں گاہے میں پلاستر اور بعض پیدا کرتا ہے اور دیواروں میں لٹکنے کے بعد کثیر بیماریوں کا باعث بنتا ہے۔

پنجاب میں سوائے قصور، کیمیل پور، گجرات، لاہور، لڈیائی اور نیوسٹرل ملتان جیلوں کے اور کوئی جیل پختہ نہیں ہے بلکہ تمام مٹی کی پیسی ہوئی کچی جیلیں ہیں۔ صفائی کی دشمن اور حسد خاشاک کا مجموعہ ہیں۔ اور عام طور پر برسات میں مہلک و مونی کاؤں اور کیڑے مکوڑوں کی آماجگاہ بنی رہتی ہیں چنانچہ اسی بنا پر سڑکوں پر کچر، ہی کچر نظر آتی ہے اور چلنا پھرنا دوبھر ہو جاتا ہے۔

جیلوں کی مقام آبادی | پنجاب میں، سوائے لدھیانہ، حصار، اولڈ گجرات، جالندھر، دہلی، اور گوردھارا جیلوں

کے اور کوئی جیل شہر کی آبادی میں رہا شہر کے قریب نہیں تمام جیلیں شہر سے دور اور حدود تین تین میل کے فاصلہ پر ہیں۔ مثلاً اولڈ سنٹرل ملتان جیل شہر سے تقریباً ۳ میل، اور نابالہ جیل چھاننی سے چار میل کے فاصلہ پر ہیں۔ اس فاصلہ سے جیل ملازمان، اور چالان شدہ قیدیوں کو کافی تکلیف ہوتی ہے۔ ملازمان کو شہر سے

اشیاء خورد و نوش لانا مشکل معلوم ہوتا ہے اور اندازاً سی چین کے لئے شہر کی طرف
دوڑنا پڑتا ہے۔ اور قیدی کو بھی آہنی اور وزنی بیڑیوں کے ساتھ میلوں پر بیل
چلنا مصیبت لگتا ہے۔ اتنی لمبی مسافت طر کرنے میں ان کے پاؤں نہو لہاں
ہو جاتے ہیں۔ اور چلتے چلتے بلبلا اٹھتے ہیں۔

پنجاب کی جیلوں میں بڑی جلیں لاہور سنٹرل، نیو ملتان، شگری،
لاہور بوسٹل جلیں ہیں جہاں تین تین چار چار ہزار قیدیوں کے رکھنے کا انتظام
اولڈ سنٹرل ملتان جیل میں ۱۶ بارکیں اور ڈھائی سو کوٹھڑیاں دیلیں ہیں۔

اولڈ سنٹرل ملتان جیل

جو ۶۰، اور ۳۰۔ آٹھ سائے ۱۸۰ چکیوں ۲۰، اور ۲۰ چکیوں کی شکل میں بنی
ہوتی ہیں، ۴۰ چکیوں کے ۵۰، اور ۱۰ چکیوں میں دو حصے کئے گئے ہیں۔
۱۰ چکیاں ان لوگوں کے لئے ہیں جو ۵۰ چکیوں میں غل غبار اترتے ہیں اور اہم
مچانا جاتے ہیں تاکہ ان کے شور کا دوسرے قیدیوں پر اثر نہ پڑ سکے۔ یہ ۶۰
چکیاں قصوری چکیاں کہلاتی جاتی ہیں۔ جس میں قصوری اور فساد قیدیوں
رکھا جاتا ہے۔ ان قصوری چکیوں پر سخت گیر، بدکلام، سنگدل اور بدتمیز افراد
لگائے جاتے ہیں جن کی قانون کے مطابق ایک گھنٹہ صبح اور ایک گھنٹہ شام
قیدیوں کو کھول کر ضروریات سے فراغت دلائی جائے لیکن وہ ایسا کرنے کیلئے
اپنے آپ کو نہیں پاتے۔ ایک گھنٹہ کے بجائے دس دس منٹ اور زیادہ
سے زیادہ آدمہ گھنٹہ کیلئے کھولتے ہیں اور بعض بعض موقع پر ایسے آزاد
ہوتے ہیں کہ چار چار دن بھی قیدیوں کے کھولنے کا نام نہیں لیتے۔ وہیں انکو
حارج ضروریات سے فارغ ہونا پڑتا ہے اور وہیں دونوں وقت ان کو
کھانا کھلایا جاتا ہے۔ کسی کتاب کے مطالعہ کی اجازت نہیں ہوتی۔

۲۰، اور ۳۰ چکیاں عام نوآورد قیدیوں کے لئے ہیں۔ جنکو انہیں ”مدت قرطینہ گزارنے کے لئے رکھا جاتا ہے۔ ان چکیوں کے قُبے سائے دو سٹاک ہوتے ہیں۔ ایک دروازہ آہنی سلاخدار ہوتا ہے۔ اور تھوڑا صحن چھوڑ کے دوسرا دروازہ ڈیڑھ گز کے فاصلہ پر لکڑی کا ہوتا ہے۔ رات کو دونوں دروازے قفل کر دیئے جاتے ہیں۔

۳۰ چکیاں سمنٹ کی پختہ ۲۰-۲۰ دوطرف بنی ہوئی ہیں۔ جو آرام دہ مضبوط اور صاف و ستھری ہیں۔

مطبخ | اس جیل کے مطبخ کی مجموعی حالت اچھی ہے۔ پختہ جالیدار اور صاف و شفاف ہے۔ مشقوں کی بجا احتیاطی سے دروازہ کھلے رہنے پر مکھیاں اندر چلی جاتی ہیں اور کافی برات لگالیتی ہیں۔ در نہ بناوٹ کے اعتبار سے مکھیوں کے جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ البتہ دال، یا سبزی پکانے کی دیگ اصول حفظانِ صحت کے منافی ہے۔ وہ جو محلے میں گرڈی رہنے کی وجہ سے اچھی طرح دھوئی نہیں جاسکتی۔ جب تک اس کو علوہ کر کے نہ دھویا جائے۔ کپڑے کا پوجا وہ بھی مہینہ دو مہینہ میں کرنے سے صفائی کا مقصد پورا نہیں کرتا۔

اسی طرح گرمیوں میں آٹا گوند ہننے کی صحت بھی گھناؤنی، قابلِ نفرت اور مضر صحت ہوتی ہے۔ گوند ہننے والے مشقی پسینوں سے شرابور ہوتے ہیں ان کے جسم پر پسینوں کی تلیاں بہتی ہوتی ہیں اور وہ گویا پانی سے نہیں بلکہ اپنے پسینوں سے آٹا گوند ہننے کا کام انجام دیتے ہیں۔ ان مشقیتوں میں ہر قماش اور ہر طرح کے مریض اور غیر مریض قیدی ہوتے ہیں۔ جنکا پسینہ ہر قیدی کو کھانا پڑتا ہے اور وہ لاعلمی میں طرح طرح کے مرضوں کا شکار ہوتے ہیں،

گنداپوچا | اس جیل میں پانی کا معقول انتظام ہے۔ تمام جیل میں نلکے ہوئے ہیں۔ پانی کی قلت نہیں ہوتی۔ البتہ بارکوں کے سامنے زمین پر پوچا (چھڑکاؤ) غیر شریفانہ نظریہ کے ماتحت کرایا جاتا ہے۔ بارکوں میں پانی کی جو ہودیاں ہیں اور جن میں دال، روٹی، برتن کی دھوون اور مسواک کی غلاطت ڈالی جاتی ہے۔ اس کا پانی پوچے کیلئے استعمال کرایا جاتا ہے اور اس زمین پر چھڑکا جاتا ہے جس پر گرمیوں میں رات کو قیدی سوتے ہیں اور سوتے وقت ان کے بھیکوں اور بدبوؤں میں کروٹیں لے لیکر رات کا کافی حصہ پریشانی میں گزار دیتے ہیں۔ اس قسم کے گندے پوچیکار رواج عام طور پر پنجاب کے تمام جیلوں میں ہے۔

بے پرد بیت الخلاء | اولڈ ملتان جیل میں بیت الخلاء دو قسم کے ہیں۔ ایک پختہ اور دوسرے خام، پختہ بیت الخلاء

صاف اور آرام دہ ہیں لیکن خام بیت الخلاء بے پردہ اور تکلیف دہ ہوتے ہیں جو برابر ایک لائن میں چھوٹی چھوٹی دیواروں کے بنائے جاتے ہیں جہیں بیٹھنے کے بعد ایک دوسرے کی گردن نکلی رہتی ہے۔ اٹھتے وقت ارد گرد نگاہ پڑ جائے تو ستر چھپایا نہیں جاسکتا۔ ایک کھڑی سے دوسری کھڑی کے جائے وقت بے پردگی ہوتی ہے۔ جو پنجاب کی جیلوں کی خصوصیت شمار کی جاتی ہیں۔ دروازہ یا کوئی پردہ اس میں نہیں ہے۔ چھتوں پر بانس کے ٹیڑے پٹے ہوئے ہیں جو فوجی نظریے کے ماتحت بنائے گئے ہیں۔ بارک ۱۵-۱۶ میں پختہ اور ۸، بارک میں چھپر کے پکتے بیت الخلاء ہیں۔

نہانا دھونا | غسل کے لئے اوپر کڑے دھونے کی واسطے ۷-۸ اور ۱۵ بارکوں کے بیچ میں دو ہودیاں چھڑکی کم اور لمبی زیادہ بنائی

ہوتی ہیں جو سولہ لاشت سے کسی طرح زیادہ گہری نہیں ہیں۔ اس کے ایک کے پانی سے نہایا جاتا ہے اور دوسرے کے پانی سے کپڑے دھوئے جاتے ہیں جس پر ایک ایک مرتبہ پچاس، ساٹھ آدمی بیٹھ کر نہاتے ہیں اور ہندو مسلمانوں کا نہانے کے معاملہ میں کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا۔ اور نہ کسی قسم کی چھوٹ چھات برقی جاتی ہے۔

انبالہ جیل | انبالہ جیل دو مربع فوٹنگ جگہ میں بنا ہوا ہے جس میں گیارہ سو قیدی ۶۔ بارکوں اور سو قصوری اور غیر قصوریوں میں رکھے جاسکتے ہیں۔ ہسپتال کی بلڈنگ اصول حفظان صحت کے منافی ہضکہ خیر اور غیر تسلی بخش ہے۔ پھانسی گھرانہائی یو سیدہ، خاک آلودہ حالت میں جسکا تختہ گلا ہوا اور دیواریں شکستہ ہیں اسی طرح پھانسی کو ٹھری سیدہ طریت سے بنائی گئی ہے دفنانوں پر جالیوں کے باوجود تختے بڑے ہوئے ہر جس سے کوٹھڑیوں میں چوبیس گھنٹہ اندھیرا رہتا ہے۔ اور مرتے کو ماروا شاہ مارا پر عمل درآمد کیا جاتا ہے۔

پانی کی قلت | اس جیل میں پانی کا انتظام نہایت غیر معقول اور پریشان کن ہے۔ اس علاقہ میں پانی کی بچہ قلت کنوئیں انتہائی گہرے ہیں جس کی وجہ سے گرمیوں میں کریملا کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اور پانی کے ایک ایک گھونٹ اور چلو کے لئے ترسنا پڑتا ہے۔ پانی کی فراہمی کی ذمہ داری انبالہ میونسپل کمیٹی پر ہے جس کے پانی کا کنکشن باہر سے ہے جیل میں کوئی کنواں نہیں۔ پانی کھانا ایک پمپ جیل کے باہر زمین میں اتنا طیارا جا رہا ہے جس میں قریب قریب ایک سال صرف ہو چکا ہے مگر کام پورا نہیں ہوا۔

اب ٹانگیوں میں پانی جمع ہوتا ہے اور آہنی ٹہرے ٹہرے ڈولوں سے تقسیم کیا جاتا ہے جس کے بھونے میں بے حد احتیاطی برتی جاتی ہے۔ چنانچہ جس ٹوٹی میں ڈول لٹکا کر پانی بھرا جاتا ہے اس کے نیچے ڈول رکھنے کیلئے ڈول کی لمبائی کے برابر گرٹھا کر دیا جاتا ہے جس میں پانی بھرتا رہتا ہے اور جھرتے ٹوٹی تک پہنچ جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ پاؤں سے ملا و سلاگنڈ پانی قفل میں چلا جاتا ہے جو کہ قیدیوں کو پینے کے لئے دیا جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ جیل اپنی وضع قطع کے اعتبار سے ایک دلکش گاؤں معلوم دیتا ہے جس میں نہ جیلوں کی سی ہیبت ہے اور نہ اس کے قیدیوں کی طبیعت زیادہ محدود و پراگندہ ہوتی ہے۔ البتہ پانی کی قلت یہ سچے پر مجبور کرتی ہے کہ ایسے خشک بے آب مقام پر یہ جیل کیوں بنایا گیا۔ اور قیدیوں کے لئے کیوں ایسی جگہ پسند کی گئی۔

یہ جیل تمام پنجاب کی جیلوں میں خوبصورت، مضبوط، شاندار اور عالیشان جیل ہے جو ۱۹۲۵ء

نیو سنٹرل ملتان جیل

میں تیار ہوئی اور استعمال ہونا شروع ہوئی۔ تمام پنجاب کی جیلیں یکمنزلہ ہیں۔ لیکن یہ جیل دو منزلہ ہے اور اس کی ہر چیز باریکیں، چکیاں اور ہسپتال بھی دو منزلہ ہیں۔ وسط جیل میں چمنستان ہے جس کے گرد تین چکروں میں ایک میل محیط دائرہ بنتا ہے اور سامنے بائیں جانب ۱۱ چکیوں کے ۶-۷ احاطے ہیں۔ دو احاطے کنارے پر ہیں جس میں ۱۹-۱۹ قیدی رکھے جاتے ہیں۔ باقی چکیوں کے چار احاطوں میں ۲۶-۲۶ چکیاں ہیں۔ بارکوں کے ۶-۷ احاطے دائیں جانب ہیں۔ یہ باریکیں اور چکیاں لمبی سلاخدار کشادہ ہیں جو گرمیوں میں نہایت آرام دہ اور ہوا بخش ہیں۔ لیکن جاڑوں میں اتنی آرام دہ نہیں جتنی کہ ہونی چاہئیں۔

اسیں جاڑے سے قیدی ٹھہر جاتا ہے اور تکلیف محسوس کرتا ہے۔

کارخانہ اور تہذیبی ہسپتال جیل کے پچھلے حصہ میں ہے۔ قیدیوں کو چمنستان کے پھول استعمال کرنے کا حق نہیں ہے۔ بلکہ اُسکے پھول جیل افسران اپنے گھروں کو مزین کرنے کے لئے گلدستے بنوا کر لیجاتے ہیں۔ یا اپنے افسران کو ڈالیموں میں پیش کرتے ہیں۔ راولپنڈی، فیروزپور کی جیلوں میں بھی پھولوں کی بہتات ہے مگر قیدی ان سے مستفیض نہیں ہو سکتے۔ یہ اسیروں کی قسمت میں نہیں لکھا کہ وہ اس چمنستان کے گل و بلبل کی چہک اور جہک سے حظ اہرور حاصل کر سکیں۔

فیروزپور کی پتیلی جیل | آہنی جھنگلے اور جالی دار ہیں۔ ایک بارک ۹۔ کوٹھڑیاں اور

چاروں بارکھل میں ۳۶ کوٹھڑیاں ہیں۔ جو چودہ فٹ لمبی اور ۹ فٹ چوڑی اور اونچائی میں پندرہ فٹ ہیں۔ صحن نما برانڈہ کوٹھڑی کے سامنے ہے جسکے دائیں بائیں پختہ دیوار، سامنے جھنگلے دار دروازہ اور جھنگلے دار پھت ہے۔ چار کچی بارکیں ہیں مٹی کے چبوترے بنے ہوئے جن پر پھر ڈالے ہوئے ہیں اور پھپھروں کے نیچے نیچے تھے ہوئے ہیں۔ ایک بارک میں مطبخ ہے جہاں کیمپ کے نمبر دار رہتے اور سوتے ہیں۔ پہلی بارک میں پہلی کوٹھڑی کے اندر ہسپتال کا دفتر ہے۔ اور بقایا ۱۰ کوٹھڑیوں میں نظر بند اور پولیس کی قیدی رکھے جاتے ہیں۔

کچا کچن | کچن کچا ہے۔ جو ایک کچی بارک میں ہے۔ اس کی چھتیں پھر کی ہیں۔ آہنی جالی کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ مکھیوں کا مٹی کا دل گھسا رہتا ہے۔ کچن کا فرش بھی کچا ہے۔

بے پردہ بیت الخمار | بیت الخمار غسل کے مقام کے مقابل ہے۔ حواک بارک میں ہے جسکی کھڑیوں کی قطاریں دیواری پست پرسلے

دار بنی ہوئی ہیں۔ انہی کے قریب ایک باہر بلا چھت کے کھڑیاں بنی ہوئی ہیں دائیں بائیں دیواریں بہت چھوٹی ہیں۔ جس سے کافی بے پردگی ہوتی ہے۔ کھڑیوں میں کوئی دھانہ نہیں ہے۔ اس لئے بے پردہ ہر شخص سامنے چلا جاتا ہے۔ اور کھڑیوں میں بیٹھنے والا خاموش بیٹھا رہتا ہے۔

غسل خانہ | غسل کے لئے کوئی عمارت نہیں ہے۔ دو ہودیاں لمبی، چوڑائی اور گہرائی میں کم، پانی بھرنے کیلئے ہیں۔ ان کے ایک جانب ایک باغ کی دیوار ہے جس میں دونوں طرف دو نلگے ہوئے ہیں۔ ایک طرف کے دونوں نلوں سے کپڑے دھوئے جاتے ہیں اور دوسری طرف کے دونوں نلوں سے غسل یا اٹھان کیا جاتا ہے۔ ان ہی غسل کی ٹوٹیوں پر برتن وغیرہ مانگھے جاتے ہیں۔

پانی کا معقول انتظام ہے۔ ہر چار بجی بارکوں میں چار زمین دوز ہینڈ پمپ ہیں جن کا پانی نلوں سے بہتا اور ہاضم ہوتا ہے۔ کیمپ کے نظر بند قیدی اسی پانی کو پینے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ کوٹ موقعہ کچا اور بارہ فٹا ہے۔ جیل میں شہتوت کے درخت ہیں اور گلاب کے پودے کثرت سے ہیں۔ گولر کے بھی درخت ہیں کیمپ کے کچاؤنڈیس بجلی ہے۔ لیکن بارکوں میں بجلی نہیں ہے۔ فٹنگ بجلی | انہیں کرائی گئی ہے۔ رات کو دقیا نوسی ٹوٹی پھوٹی کتے نکلی لائیں پانی

بلے مٹی کے تیل سے جلائی جاتی ہے۔ جو کبھی آدھ گھنٹے اور کبھی زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ جلتی ہے۔ ورنہ کبھی بتی غائب ہوتی ہے۔ کبھی تیل ہی نادر ہوتا ہے

کمپ اند میرے میں مات گذانی پڑتی ہے۔

اکھاڑہ | غل کر نیکی جگہ کے قریب ایک چھوٹا سا مہمان ہے جس میں ایک اکھاڑہ بھی بنا ہوا ہے۔ یہ اکھاڑہ پٹت شتر و گھن جی د نظر بند کی کوشش کا نتیجہ ہے وہی اس اکھاڑے کے استاد تھے۔ اور صابری اسکا ایک پٹھا تھا جس نے کم و بیش سات آٹھ چھینے وہیں کسرت کی۔ انسانی جسم کے پٹھے اترنے پر مولانا فوالدین صاحب ملنے کی خدمت انجام دیتے تھے۔ اودہ اس فن میں کمال رکھتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں جو چھینا چلاتا آتا۔ خوش و غم جاتا تھا۔

کیمپ کی جگہ وقوع | کیمپ فیروز پور جیل کے مقابلہ میں کافی نیچی جگہ پر بنا ہوا ہے اور زمین کی گہرائی میں ہے۔ چنانچہ اس جگہ سے اس میں ہر سات کے موسم میں کافی دقت اٹھانی پڑتی ہے۔ پانی نکلنے کا معقول و مناسب راستہ نہیں ہے۔ برسات میں چلنا پھرنا دو بھر ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی ان دریاؤں میں سے گندہا ہے تو تحلیفوں کا شکار ہوتا ہے۔ اس پانی میں ایک مڈی جانور پیدا ہو جاتا ہے جو پاؤں کی انگلیوں میں جوتیوں کے اندر ہی گھسکر کاٹ لیتا ہے، معلوم ایسی مضر صحت مقام پر یہ کیمپ کیوں بنایا گیا ہو۔ کیمپ

کیمپ کے قیام کی وجہ | احرار کی کشمیر تحریک پر بنا۔ پہلے اسکے چاروں طرف آہنی تار باندھے گئے تھے جب کچھ قیدی مغرور ہوئے تو اسکو پختہ بنوایا گیا۔ اس عمارت کی تعمیر پر حکومت کشمیر کا روپیہ خرچ ہوا۔ اسکے بعد اس میں پولیس کی قیدی رکھے جانے لگے۔ چنانچہ ۱۹۳۹ء کی ستمبر گزشتہ کی کلاسی پولیس کی قیدی میں رکھے گئے تھے۔ اسی جگہ ۱۹۴۲ء کی تحریک کے نظربند اور مزایا قید پولیس حضرات بھی یہیں مقید کئے جاتے ہیں۔

جیل کا عملہ

لندن میں جولائی ۱۹۲۶ء کے اندر سمندر پار قیدی افسروں کی کانفرنس میں کرنل جے، ایس نوکس نے فرمایا کہ اچھا اسٹاف وہ ہے جو مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھے +

(۱) احکامات کو وفاداری سے پورا کیا جائے۔

(۲) اپنے کام کو نگرانی اور بلا نگرانی دونوں حالتوں میں یکساں طور پر بہتر طریقے سے انجام دیں۔

(۳) اپنے ماتحت ملازمین سے اجنبیوں کی طرح ہوشیاری سے سلوک کریں
(۴) مختصراً ہر طرح لوگوں کی املا د کریں۔

انگریزی جیلوں کا اسٹاف تجربہ کار ہے اور خدمت کرنے کے پچھو طریقہ جانتا ہے۔ جن کو معقول تنخواہ ملتی ہے اور اچھی پنشن کے ملنے کی بھی امید ہوتی ہے۔ وہ کام زیادہ وقت میں نہیں کرتے عمدہ قسم کے رہائشی مکانات میں رہتے ہیں۔ تفریح کے لئے کافی وقت مل جاتا ہے۔ وہاں کل ۳۳ جیلوں اور ۱۰۸۶۰۰ قیدیوں کے ۲۰۰۱ انتظامی آفیسر ہوتے ہیں۔ سالانہ اسٹیٹ سے ٹکٹ تک مزید افسروں کی ضرورت پڑتی ہے۔ جس کے لئے پانچ ہزار امیدوار درخواست دہندہ ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قابل و لائق آدمی منتخب ہوتے ہیں۔ تمام امیدواروں کو

ایک فارم بھرنے کے لئے جس میں وہ اپنی ساری زندگی اور تعلیم کا مفصل حال لکھتے ہیں۔ کشتراکی پانچ ہزار فارموں میں سے پانچ سو امیدواروں کو ملاقات کے لئے منتخب کر لیتا ہے۔ ۲۵ فیصدی منظور کئے جاتے ہیں اور ان کو کسی ایک سکول میں ٹریننگ دیئے کے لئے رکھ لیا جاتا ہے۔ یہ ٹریننگ آٹھ ہفتہ تک ملتی ہے اور اس میں تقریباً ۸۵ فیصدی فیل ہو جاتے ہیں۔ کامیاب امیدواروں کو دو مہینہ کی خاص ٹریننگ کے لئے مختلف مقامات پر بھیجا جاتا ہے۔ اگر رپورٹ قابل اطمینان ہوتی ہے تو ڈیوٹی پر تقرر ہو جاتا ہے ورنہ تین مہینہ کی مزید ٹریننگ دی جاتی ہے۔ اگر اس میں بھی فیل ہوتا ہے تو اس کے فارم رد کر دیتے ہیں۔ اس تقرری کے بعد ایک سال کے لئے عارضی ڈیوٹی ملتی ہے۔ اس میں مفید و کامیاب ثابت ہوتا ہے تو مستقل، ورنہ علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔

نیمہ عملہ | ہندوستان میں جیلوں کا اسٹاف انتہائی کم ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی کم تنخواہوں کا ہونا ہے۔ یو۔ پی۔ اور پنجاب کی جس جیل میں جائیں گے یہی روزانہ ہوگا کہ اس موسم کی فلاں آفیسر نے روٹی کی رقم اڑالی۔ فلاں ڈاکٹر نے دوائیوں کی رقم میں سے اتنی رقم بچالی۔ مریضوں اور قیدیوں کو پینے کے لئے دوائی اور پینے کے لئے کپڑے نہیں ہیں۔ عزیز قیدی جاڑوں میں ٹھرتے ہیں۔ اور مریض موت کا شکار ہوتے ہیں اور ان کے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں۔ امدان کی رضائیاں اور محاف روٹی کے بجائے تاگوں کے کچھوں کے تھیلے بے ہوئے ہیں۔ قیدی جیل افسران اور مریض ڈاکٹر سے تنگ آیا ہوا ہے، رشوت دیتے دیتے تھک گیا ہے۔ کوئی ہلکی مشقت چھپ ہی ملتی ہے جب چیف وارڈ

اور جیل ایفسر کو کچھ چٹایا جائے۔ ہسپتال میں جب ہی داخل کیا جاتا ہے۔ جب کہ پوٹھ
 اہڈاکٹر کو نذرانہ دے۔ ورنہ ایڈیاں رگڑ رگڑ کے مر جائے۔ کوئی پرسان حال نہیں
 ہوتا۔ ایک معمولی سا وارڈ بھی غریب قیدی کا خون چوسنا چاہتا ہے۔ یہ سب کر دیا
 اس بات کی ہیں کہ ملازمان جیل کو ملازمت میں وقت پورا دینا پڑتا ہے۔ اور تنخواہ
 اخراجات سے بہت کم ہوتی ہے۔

ہندوستان میں گریجویٹ ان ملازموں کے لئے سخت مقابلہ کرتے ہیں جب
 کہیں جا کر ان کو داروغہ جیل کی جگہ ملتی ہے جسکو ۳۵ سے ۴۰ تک ماہوار شروع
 کیا جاتا ہے جو کسی طرح بھی تعلیم یافتہ خاندانی شریف آدمی کے لئے باعث کشش
 نہیں ہو سکتا۔ البتہ پنجاب گورنمنٹ نے گریجویٹ نائب داروغہ کے لئے ۸۰ روپے
 ماہوار (ترقی ۷ ۱/۲ روپیہ سالانہ) دو سو روپیہ تک تنخواہ مقرر کر دی ہے۔ اور
 داروغوں کو ۲۰۰ سے ۵۰۰ روپیہ تک کی شرح ماہوار قائم کر دی ہے۔ نائب
 داروغوں کے لئے ضروری ہے کہ ان کو ٹریننگ پیر لگایا جائے۔ اور جو تین ماہ سو
 کم نہ ہو۔ بہا میں اسی قسم کی ٹریننگ کا سکول تھا۔ لیکن اور صوبوں میں یہ ٹریننگ
 سکول نہیں ہے۔

جیل افسران جیل کا انچارج ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ یعنی جیلر ہوتا ہے۔ اس کے
 دو یا تین اسٹنٹ ہوتے ہیں کو کام تقسیم کر دئے جاتے
 ہیں۔ کسی کو ملاقات کرنا، اسکا رہانہ کی مشقت لینا دیدی جاتی ہے۔ اور کسی کو کچن
 اور چالان کرنے کا انچارج بنا دیا جاتا ہے۔ یا قیدیوں کے خطوط پڑھنے اور انکو
 سنسر کرنے کی ڈیوٹی دیدی جاتی ہے۔

ایک اشاک کیر بھی ہوتا ہے۔ جیل کی تیار کردہ اشیاء کی فروختگی،
تمام کھانے پینے اور استعمال کرنے کی چیزوں کا حساب رکھتا ہے۔ اور قیدیوں کو
رفوانہ حساب سے راشن دیتا ہے۔

ہسپتال میں ایک، یا دو یا تین ڈاکٹر ہوتے ہیں جسکا انچارج میڈیکل
آفیسر ہوتا ہے۔ بعض جیلوں میں مثلاً دہلی، فیروز پور، انبالہ میں مقامی سول
سرجن ان فرائض کو انجام دیتا ہے۔ اور بعض سنٹرل جیلوں میں مثلاً لاہور
اولڈ سنٹرل اور نیو سنٹرل ملتان جیل میں مستقل جیل میڈیکل آفیسر ہوا وقت
دس کے قیدیوں کی نگرانی کرتا ہے اور علاج و معالجہ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

وارڈز | جیل کے وارڈز سرکاری ملازم ہوتے ہیں جن کو تنخواہ عام طور پر اکیس روپے
ماہوار دی جاتی ہے۔ اور ہر تین برس کے بعد ایک روپیہ کا اضافہ کیا جاتا
ہے۔ یہ لوگ جیل میں نو گھنٹے دیوٹی رونا نہ دیتے ہیں۔ جتنی بڑی جیل ہوتی ہے
اسی کی تناسب سے وارڈز زیادہ ہوتے ہیں۔ ہر پندرہ وارڈوں پر ایک ہیڈ وارڈ
ہوتا ہے۔ سوجھ بوجھ پر چار ہیڈ وارڈ ہوتے ہیں۔ دہلی جیل میں تین ہیڈ وارڈ
ہیں۔ جن کی ڈیوٹی ایک کی کا خانہ میں ایک کی کھیت کے پنجے پر اور ایک کی جیل
کے باہر ہوتی ہے۔ قیدیوں کے کام کی نگرانی اور ان کی گنتی وغیرہ کرتے رہتے
ہیں۔ ان ہیڈ وارڈوں کا ہیڈ چیف وارڈ ہوتا ہے۔ جو صرف جیل حکام کو جواب
ہوتا ہے۔ وہ نہ جیل کے اندر ہر شخص اس کے ماتحت ہے۔ اصل میں جیل کا کڑا
دھڑا وہی مانا جاتا ہے جو تقریباً چوبیس گھنٹوں میں اٹھارہ گھنٹے جیل کے اندر
موجود رہتا ہے۔ سوجھ بوجھ کی ڈیوٹی وہی لگاتا ہے اور اسی کے مشورہ کا دخل

ہوتا ہے جس کا سلسلہ یوں شروع ہوتا ہے۔

وارد کی ڈیوٹیاں | جیل کے باہر دوازہ یعنی سنگین پہرہ پر ایک جہدار لگاتا ہے جس کے ہاتھ میں بندوق ہوتی ہے۔ جیل کے

پہلے دوازے پر ایک دیبان جہدار ہوتا ہے۔ جو قیدیوں کی آمد و رفت کو رستہ میں لکھتا ہے جیل کے صدر دوازے کی کنجیاں اس کے پاس ہوتی ہیں۔ وہی کھمبہ اور بند کرتا ہے۔ افسر کی آمد و رفت پر صدر دھانہ پورا کھولا جاتا ہے۔ معمولی ملازم اور قیدیوں کی آمد و رفت پر صدر دھانوں کی کھڑکیا کھولی جاتی ہیں۔ قیدیوں کی تلاشی بھی یہی دیبان لیتا ہے۔ قیدیوں کے لئے جو کھانا آتا ہے اس کو چکھنے کا کام

بھی اسی کی سپرد ہے۔ یہی دھانہ کی آمد و رفت کا مالک ہے۔ صبح و شام جیل کے دوازہ پر دو دربانوں کی ڈیوٹی ہوتی ہے۔ جو کم از کم ایک ماہ تک مسلسل رہتی ہے اس ڈیوٹی پر نہایت ایماندار اور جاکش و محنتی جہدار کو لگایا جاتا ہے۔

جیل کے چکر یعنی دوازہ کی چھت پر رات کو ایک جہدار کی اس لئے ڈیوٹی ہوتی ہے کہ وہ تمام بارکوں کے نمبر داروں سے بارکوں کی حالت دریافت کرتا رہے اور منٹ منٹ کی خبر رکھے۔ وہ ہر دو منٹ کے بعد آواز لگاتا ہے۔ ”نمبر ایک“ جواب آتا ہے ”سب اچھا“ اس طرح تمام بارکوں کے نمبر مقرر ہوتے ہیں۔ وہ سلسلہ فار سب کو پکارتا جاتا ہے۔ اور ہر ایک بارک سے دو سب اچھا کے جواب ملتے ہیں۔

اگر ایک میں کوئی قیدی بیمار ہوتا ہے تو اس کی رپورٹ دھانہ کے سپاہی کو دیدی جاتی ہے۔ وہ ڈاکٹر کو اس کی رپورٹ دیدیتا ہے۔ ڈاکٹر فہم قیدی کو لکھنے

کے لئے آتا ہے۔ اصطعایاں دے کر یا ہسپتال میں داخل کر کے چلا جاتا ہے
کوٹ ہرقہہ پر جو نمبر دار لگائے جاتے ہیں ان کی دیکھ بھال کے لئے ایک
گھڑی والا جمعدار لگایا جاتا ہے۔ جو وقت مقررہ پر چابی گشت لگاتے ہوئے
کوٹ موقعہ کی دیوار سے لگاتا ہے۔ جو کوٹ موقعہ کی دیوار میں لگی رہتی ہے
اگر جمعدار سستی اور کاہلی سے کام لیتا ہے تو اس کو دیر لگاتی اور چابی لگانے
سے اس کی چوری معلوم ہو جاتی ہے۔ یہ گھڑی دیوٹی کی جانچ کے لئے بھین
چیز ہے۔

ہیڈ جمعدار کے ساتھ کارخانہ میں جمعدار بھی لگائے جاتے ہیں۔ ہر ایک
پر ایک وارڈ مقرر کیا جاتا ہے۔ جو قیدیوں کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ اور خلاف
ضابطہ حرکت کرنے والے قیدی کی چیف ڈائریکٹر کو رپورٹ کرتا ہے۔ جو اس کو
جیلر کے سامنے پیش کر کے سپرنٹنڈنٹ کے سامنے سزا کے لئے پیش کر آتا ہے
ہندوستان کی جیلوں میں وارڈ کی حیثیت انتہائی پست
وارڈ کی حیثیت | سمجھی جاتی ہے چنانچہ ہندوستان کی جیل کمیٹی ۱۹۱۳ء

کی رپورٹ کے مطابق وارڈ وہ پس ماندہ لوگ ہیں جن کو پولس اور فوج کے محکموں نے
ٹھکرادیا ہو۔ اس کی بنا پر تنخواہ کی کمی اور معمولی ترقی ہے جب تک یہ کیاں پوری نہیں
کیا جاتی اس وقت تک وارڈوں کی یہی حالت و حیثیت قائم رہے گی۔

ان وارڈوں کی حالت بطور تنخواہ پولس کے سپاہیوں سے بھی بدتر ہے لیکن
ڈیوٹی اور انصاف کے مقابلہ میں سخت ہیں۔ ۱۹۲۱ء تک پولس کے ملازم سپاہی کب
سترو بچے دیئے جاتے تھے اس وقت ان کو نوادہ سے ملازمت

لتی تھی چنانچہ جیل کیٹی نے سفارش کی کہ وہ وارڈوں کی بھرتی کے معیار کو بلند کیا جائے اور تنخواہوں میں اضافہ ہو۔ تھماس وقت کافی جیل و جہت کے بعد تنخواہوں کا معیار اونچا کیا گیا تھا۔ افسانوں کی تنخواہیں تدریجاً سترہ روپیہ تک کی گئی تھیں۔ جس سے ان کا گزارہ نہ ہو سکا چنانچہ ۱۹۵۷ء کی پنجاب جیل کیٹی نے بتایا کہ وارڈوں کی تنخواہ بیس دن تک چلتی ہے اور بقایا دس دن وہ قیدیوں سے بطور کرپوزے کئے جاتے ہیں اس لئے کیٹی نے سفارش کی کہ ان کی تنخواہ ۲۱ روپیہ ماہوار کم از کم ہونی چاہیے۔

نمبردار جیل کے نمبردار تین قسم کے ہوتے ہیں ایک سفید وردی والا، دوسرا کالی وردی والا، اور تیسرا پیلی وردی والا، یہ تینوں قسم کے نمبردار نیم سرکاری مانے جاتے ہیں۔ سفید وردی والا، پلے سزا بھگتے کے بعد نمبردار بنایا جاتا ہے۔ اور کالی وردی والا پلے سزا کاٹنے پر کالی وردی لینے کا مستحق ہوتا ہے۔ اور پیلی وردی والا پلے قید کے دن گزارنے پر پیلی والا بن سکتا ہے۔ ہر قیدی کو سلسلہ وار سفید، کالی، اور پیلی وردی کا نمبردار بننا پڑتا ہے۔ کوئی شخص اگر اک دم پیلی وردی کا نمبردار نہیں بن سکتا۔ اور کالی وردی کے نمبردار کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی سزا کم از کم دو سال سے کم نہ ہو۔ اگر کم ہوگی تو کالی وردی لینے کا وہ مستحق نہ ہوگا۔ اس طرح پیلی والے کے لئے بھی سزا زیادہ ہونے پر پیلی وردی لیتی ہے۔ سب سے آخری عزت جیل میں قیدی کو پیلی وردی ہوتی ہے۔ جو انتہائی وفا دار اور جیل حکام کے فرمانبردار ہونے کی نشانی ہے۔

شری اور باغی قیدیوں کو نمبرداری نہیں دی جاتی۔ خواہ اس کی سزا

پانچ یا چھ سال ہی کیوں نہ ہو۔

قیدی کو سفید نمبر داری کے لئے دو ماہ امیدوار رہنا پڑتا ہے۔ جس میں رات کو اپنے دوسرے ساتھی نمبرداروں کے ساتھ تین گھنٹہ بارکوں میں دیوٹی دینی پڑتی ہے۔ اور سب اچھا کی آوازیں لگانی پڑتی ہیں۔ اس کے بعد بات سناؤ طور پر اس کو نمبردار بنایا جاتا ہے۔ اس کو ایک سیٹی ملتی ہے۔ اولیک بازو بند لینے بازو پر باندھنے کے لئے بلا دیا جاتا ہے۔ جس پر سی، این، ڈبلیو کھدا ہوا ہوتا ہے۔ اس نمبردار سے چھ گھنٹے دن میں پتہ چلائی کا کام لیا جاتا ہے۔ اور تین گھنٹے رات کو بارکوں میں سب اچھا کی آوازیں لگوانی جاتی ہیں۔ سفید وردی والے نمبردار کو مہینہ میں نمبر داری کے چار دن ملتے ہیں۔ اسی طرح کالی وردی والے کو چھ دن، اور سیلی وردی والے کو آٹھ دن مہینہ میں دیئے جاتے ہیں۔ کالی اور سیلی وردی والے کو بلّا اور سیٹی کیساتھ ایک چمڑے کی بیٹی دی جاتی ہے۔

ان نمبرداروں میں ایک ایک نمبردار سپرنٹنڈنٹ جیل، جیلر اور اسٹنٹ جیلروں کے لئے مخصوص ہوتے ہیں۔ جو ان کو جیل کے تمام حالات سے واقف کراتے رہتے ہیں۔ اور تمام اطلاعات اپنے اپنے افسروں کو پہنچاتے ہیں جیلر ہمیشہ اپنا نمبردار جیم اور مضبوط قیدی رکھتا ہے۔ جو محافظ کے فرائض بھی انجام دیتا ہے۔ تاکہ کوئی قیدی حملہ آور نہ ہو جائے اور بے عزتی نہ کر سکے ایسے قیدی اپنا قید کا کافی حصہ جیلر کی دبار داری میں گناتے ہیں۔ اور تبدیل ہونے کا نام نہیں لیتے۔

ان نمبرداروں کو کھانے پینے اور بیڑی سکرٹ پینے میں کوئی دقت نہیں ہوتی
عمدہ مال کھاتے ہیں جیل کے منہ چڑھے ہوتے ہیں اس لئے زندگی بالکل گزرتے
ہیں۔ ان کو جیل، جیل معلوم نہیں دیتی۔

لیکن ان نمبرداروں کے مصیبت کے دن جب آتے ہیں۔ جب جیلر
تبدیل ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ دوسرے جیلر کا گزر ہو جاتا ہے۔ وہ ہر کہ آمد
عمار نے نو ساخت کے مطابق ان کو اپنا اعتمادی نہیں بناتا۔ دوسرے
نمبرداروں کی قیمت کھلتی ہے۔ وہ جیل کے مالک بنتے ہیں اور کسی ظلم سے
دیر بخ نہیں کرتے

۱۹۲۸ء سے قبل تک نمبردار قیدیوں کو جو سفید
نمبرداروں کی تنخواہ پوش، کالی، پیلی والے مشہور ہیں ماہوار تنخواہ
دی جاتی تھی جس کا معیار یہ ہوتا تھا کہ سفید پوش کو ۳۰ کالے والے نمبردار کو ۲۰
اور پیلی والے نمبردار کو ۱۰ ماہوار ملتا تھا۔ عام قیدیوں کو کچھ نہیں دیا جاتا تھا
حتیٰ کہ قیدیوں کو گرہ، تیل، صابن سے بھی ترسنا پڑتا تھا۔ ادوہ جائز طریقے
سے ان اشیاء کو حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ نہ اپنے پیسوں سے منگا سکتے تھے
اور نہ جیل والوں سے مطالبہ کر سکتے تھے۔ ان چیزوں کی جیل میں آنے کی
ممانعت تھی۔

۱۹۲۸ء کے بعد یہ طریقہ بلا ادعام قیدیوں کو بھی سوا دو پیسے ماہوار دیا جانے
لگا۔ یہ تنخواہ روزانہ کے کام پر مقرر تھی۔ اتوار، تعطیل، بیمار، عدالت، یا چالان
کے دنوں کو اجرت سے مستثنیٰ سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے کہ ان دنوں میں قیدی کام

نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ہفتہ کی نصف اجرت ڈھائی آنے میں گڑھ، صابن، تیل، کتابیں اور عکڑ خرید لیتا تھا۔ اور نصف اجرت ڈھائی آنے اس کے حساب میں جمع کر دی جاتی تھی۔ جو اس کو رہائی کے وقت ملتی تھی۔ وہ ایک ہفتہ میں ڈھائی آنے سے زیادہ کی چیزیں خرید نہیں سکتا تھا۔ خواہ اس نے پچھلے دو ہفتوں میں ایک پیسے کی بھی چیز نہ خریدی ہو۔ جس ہفتہ وہ کچھ بھی نہ خریدتا تو اس ہفتہ کے ڈھائی آنے اس کے حساب میں جمع کرادیئے جاتے تھے۔ اگر وہ کسی ہفتہ مشرارت کرتا تو سپرنٹنڈنٹ کو اختیار ہوتا کہ وہ اس کو اس ہفتہ کی کوئی چیز نہ خریدنے دے۔ لیکن ہفتہ کے ڈھائی آنے اس کے حساب میں ضرور جمع ہو جاتے تھے۔

لیکن ۱۹۳۲ء میں سوا روپیہ ماہوار دینا اور نمبر وارسل کو تنخواہ دینا بند کر دیا گیا جو قیدیوں کے لئے انتہائی مضر ثابت ہوا۔ لیکن ایک چھٹانک گڑھ روزانہ اور سکھوں کے لئے ہفتہ میں ایک مرتبہ تیل اور ریٹھے دیئے جانے لگے۔

جیل کی رقم پر نہیں بلکہ قیدی اپنی رقم پر صابن، گڑھ، تیل، جوتی، کتابیں منگوانے کی اجازت دیدی گئی۔ جواب تک قائم و برقرار رہے۔

یہ ماہوار تنخواہ کبھی کبھی جمع ہوتے ہوئے بعض بڑی سزا کے قیدیوں کو رہائی کے وقت پچاس پچاس روپیے تک ملتے تھے۔ ایک سال اور چھ مہینے کے قیدی بھی سات آٹھ اور چار پانچ روپیے لیکر رہا ہوتے تھے۔ اس کو خرچ کرتے، برسوں میں خواہشات کو دبا دبا کے رکھا تھا۔ ان کو پورا کرتے

گھر پہنچے اور اپنی روپوں سے چھوٹا موٹا کاغذ بار شروع کر دیتے، چائے، پان، بیڑی اور چھوٹے کے خوشچنے لگاتے، موزے۔ بنیان، رومال کی پھیرنی پھرتے، اور پھل، ترکاریاں فروخت کر کے اپنا اور اپنے خاندان کا پیٹ پالتے۔

جب سے یہ طریقہ بند ہوا اس وقت سے بہت سے قیدی رہا ہونے کے بعد اپنے گھروں پر بھی نہیں پہنچتے بلکہ گاڑی میں ہی روپیہ پیسہ نہ ہونے اور بھوک کی وجہ سے چوری کر کے گرفتار ہو جاتے ہیں اور گھر پہنچنے کے بجائے جیل خانہ میں پہنچا دیئے جاتے ہیں۔ اس ماہوار تنخواہ کے طریقے کے بند ہونے سے قیدیوں کے لئے مصیبتوں کا ایک مستقل باب کھل گیا ہے۔

مسٹر پاول فرماتے ہیں:-

غیر سرکاری وزیر | کہ غیر سرکاری وزیٹروں کی جیل کے معائنہ کے طریقہ کو بہت کم مالک نے اختیار کیا ہے۔ یورپ اور دیگر براعظموں میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جیل سرکاری ہیں۔ سرکاری کاموں پر پبلک کی نکتہ چینی کو کیسے خوش آئیے، کہا جاسکتا ہے۔

انگلستان میں ہر غیر سرکاری وزیر کے سپرد قیدیوں کا کچھ حصہ یا کچھ تعداد کردی جاتی ہے۔ وہ ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں وہ ان سے ہر ہفتہ ملنے آتے ہیں ان کی مشکلات و مصائب کو ختم کرنے کے لئے ان سے مشورہ کرتے ہیں اور عام طور پر ایک نامح کا پارٹ ادا کرتے ہیں۔ ابتدائی اور عام تعلیم کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ وہ جیل کے انتظام پر نکتہ چینی نہیں کر سکتے۔ البتہ ان کو جو تکلیف آمدرفت میں ہو۔ اس کی شکایت کر سکتے ہیں +

بقول ہاول ہندوستان میں بھی جیل کے انتظامات میں پبلک دخل دے سکتی ہے۔ اڈھیر سرکاری وزیروں کی حیثیت کافی اہمیت رکھتی ہے۔ سرکاری وزیروں کے ساتھ وہ بھی بورڈ میں لئے جاتے ہیں۔ اڈھاری باری جیل کا معائنہ کرتے ہیں۔ وہ نہ صرف قیدیوں کے معاملات میں دلچسپی لے سکتے ہیں بلکہ جیل کے انتظامات میں بھی مداخلت کر سکتے ہیں۔ اور ان کی رائے معاملات کی تفصیل پر اکثر لیجاتی ہے۔ پبلک اڈھیر سرکاری جماعتوں کے درمیان مفید درجہ رکھتے ہیں۔

غیر سرکاری وزیر کے ساتھ غیر کالفظ برائے نام لگایا گیا ہے۔ جہاں تک ان کی تقرری کا تعلق ہے وہ گورنمنٹ آف انڈیا کے حکم سے مقامی حکومت کرتی ہے جس سے ان کی پوزیشن بالکل سرکاری بن جاتی ہے۔ اڈھیر بھی اپنے آپ کو سرکاری سمجھنے لگتے ہیں، اڈھیر کے انتخاب میں آنے کے لئے کوئی ایسا فعل نہیں کرتے جس میں سرکاری مقامی افسران ناراض ہوں۔ وہ جیل کا معائنہ کرنے آتے ہیں اڈھیر کبھی کبھی جیل کے اندر گشت بھی لگاتے ہیں۔ وہ نہ ہمیشہ جیل کے دفتر میں ملازمان جیل سے ملکر جسٹس پر صرف دستخط کر کے تشریف لیجاتے ہیں۔ ان کو اس سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا کہ جیل میں قیدیوں کی کیا حالت ہے۔ وہ کسی قیدی سے بات تک نہیں کرتے اور اگر کوئی ہوشیار قیدی اپنی تکالیف کو ان کے سامنے رکھتا ہے تو وہ اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں اڈھیر افسران بالائی توجہ اس طرف مبذول نہیں کراتے۔ ان سے قیدیوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اڈھیر حقیقت ہے کہ غیر سرکاری وزیر اڈھیر جیل کے سرکاری ملازمان میں کسی حیثیت سے بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ ملازم بھی سرکار کو خوش کرنا چاہتا ہے اڈھیر اس کے حکم و نظام کے سامنے

سر جھکانا فرض سمجھتا ہے اور غیر سرکاری و ذی طربھی حکام کی خوشنودی کا تلاشی رہتا ہے
جیل کی بدعنوانیوں کے ذکر کو اپنے لئے خطرناک سمجھتا ہے۔ اور عکا داری کیساتھ
مت و ذی طربھی ختم کر دیتا ہے۔

ان غیر سرکاری و ذی طربھی میں بعض مذہبی واعظ بھی ہوتے ہیں۔ جو عام طور
پر قیدیوں کے عام عقیدے کے مطابق لیکچر دیتے ہیں۔ مسلمان واعظ نماز، روزہ، اور
امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تلقین کرتا ہے۔ ہندو پنڈت پوجا، اور پرا تھنا پر زور
دیتا ہے۔ عیسائی اپنے اصولوں کا پرچار کرتا ہے۔

بعض جیلوں میں یہ مذہبی واعظ اعزازی نہیں بلکہ ملازمانہ حیثیت سے تمام
دن کے لئے دغظ و پسند و فصلح کرتے ہیں ان میں بعض اعزازی طور پر بھی یہ خدمت
انجام دیتے ہیں اور ان کو صرف معمولی سفر کے اخراجات دیئے جاتے ہیں۔ ہر ایک
کے مذہب کے مطابق اس کے مقدس دن یہ لیکچر دیا جاتا ہے، مولوی جمعہ کے
روز، پادری اتوار کے دن اور پنڈت ننگل کے روز آکر اپنے اپنے مذہب کے
پیغام سناتا ہے۔

پہلے شاہ پہلی تپدی جیل میں روزانہ کتھائیں اور دغظ ہوا کرتے تھے لیکن
جب سے شاہ پور جیل سے تپدی قیدیوں کو ہٹایا گیا ہے اس وقت سے
وہاں یہ سلسلہ بند کر دیا گیا۔ البتہ بہت سی بوسٹل جیلوں میں روزانہ
دغظ کئے، اور دیا کھیاں دینے کا اب بھی طریقہ رائج ہے۔

نابالغ قیدی

نابالغ قیدی | قدرتی طور پر جیل حکام اور عام پبلک اس بات کی خواہاں ہے کہ سوسائٹی کو زیادہ ایما نڈار اور قوانین شہری کا محافظ ہونا چاہئے۔ اور مجرموں کی تعداد کم کی جائے۔ اس نیک مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ احتیاط برتی جائے جو دواسے بہتر ہے۔ تمام مصنفین تعزیرات کا یہ خیال ہے کہ مجرموں کو کم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ نابالغ قیدیوں کا خیال رکھا جائے اس سے بیشتر کہ معمولی جرم اس کو عادی مجرم بنادیں۔

کوئینٹن صاحب لکھتے ہیں :-

تجربہ نے سکھایا ہے کہ اصلاحی طریقوں کی کامیابی مجرموں کے عمر کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ جوان مجرم عمدہ اور مسقول سلوک سے سدھرے ہیں لیکن بڑی عمر والے مجرم جو اپنی عادات میں پختہ ہو چکے ہیں ان پر اصلاحوں کا کوئی اثر نہیں پڑا ہے

اگر مجرم بچوں کو گناہ کے راستہ سے بچایا جائے اور ان کو اس طریقے سے تربیت دی جائے کہ وہ ایما نڈار اور قانون شہری کے قدردان ہو سکیں تو اس کی

زندگی شروع سے ہی اچھے اثرات کے ماتحت گزرنی چاہئے۔
جرم کے اسباب | زندگی کی کشفکاش میں صحت یافتہ جسم ایک ضروری چیز ہے۔ اگر بچہ پیدائش سے کمزور ہو تو اس کو شروع ہی سے مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا کئی بچے اس وجہ سے مجرم بنے کہ ان کی آنکھوں اور کانوں میں خرابیاں تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایسے نقصان بچے کی تعلیم و فلاح و بہبودگی میں نقصان ڈالنے والے ثابت ہوں۔ اور ان کی وجہ سے اپنے ساتھیوں کے مقابلہ میں روزی کمانے کے قابل نہ ہو سکیں یا ان عیبوں کی وجہ سے سوسائٹی ان سے نفرت کرنے لگے۔ حتیٰ کہ والدین اور سکول ماسٹر کی ناراضگی و خفگی کی وجہ سے انھیں حاصل نہ کر سکیں۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بچے پر نسلی اثر ہوتا ہے۔ بسیکم محبت و ماحول کا اثر اس سے زیادہ ہوتا ہے۔ بسنے اچھی صحبت کافی حد تک بالوغت کو گناہ سے روکتی ہے۔

مرثیہ صاحب فرماتے ہیں :-

جرم کو روکنا بھی کئی اور چیزوں کی روکنے کی طرح ہے۔ اور وہ صرف اس حالت میں رکتا ہے اگر اس کے اسباب کو ختم کیا جائے۔ اگر مجرم پیدائشی مجرم نہیں اور وہ مارشل کی وجہ سے

بنا ہر جب ہم جرم کو اس طرح روک سکتے ہیں کہ اس کی گندگی کو دور کیا جائے۔ اور اس گندگی کو بہانے کے لئے نالیوں کا اچھا طریقہ ہے۔ اگر جرم کی بنا تعلیم کا نقص ہے۔ تو ہمیں اپنے سکول کو کورسٹ کرنا چاہئے۔ جرم جب ہی دور ہو سکتے ہیں جسکو ان کی وجوہات پر پوری طرح قابو پایا جائے

چھوٹے بچوں کے لئے اچھا گھر اور اچھے والدین کا ہونا لازمی ہے۔ اگر والدین قابل و لائق اور معقول ہوں تو گھر رہنے کی اچھی جگہ ہوگا۔ خواہ وہ غربت ہی سے بہرہ کیوں نہ ہو۔ اگر والدین غیر شریفانہ زندگی بسر کر رہے ہوں۔ یا مرچکے ہوں تو بچے کو ایسے گھر سے گلیوں میں اینڈلے کا موقع ملتا ہے۔ وہ بد سیرت ساتھیوں اور آوارہ گرد لوگوں میں پھنس جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ اس کو پریشانی اور تکلیف پہنچتی ہے۔ اس کا ثبوت ہندوستان کی گلیوں سے مل سکتا ہے۔ بہت سے جرم وہ بچے ہی سے کرتے ہیں جن کے والدین مرچکے ہوں۔ یا جن کی گھریلو زندگی ختم ہو چکی ہو۔ اور ان کو بد ورث و تربیت دینے والا ان کا کوئی رشتہ دار نہ رہا ہو۔

ایسے بچوں کو حکومت تربیت دینے اور تربیت دینے والے سکول کھولے تو اس کو پتہ چلے گا کہ کتنی تعداد میں بچے سڑکوں پر بیٹھ کر عادی جرم بنتے ہیں۔ اور اپنی زندگی معمولی چوری کرنے میں گزارتے ہیں۔

مجرم والدین کی اولاد | ہندوستان میں وہ بد قسمت بچے بھی ہیں جو

مخبر والدین کی اولاد میں۔ اور پیدائش کے بعد ہی سے انھوں نے چھوٹے
 پانا شروع کر دیا۔ ان کے لئے صرف یہی علاج ہے کہ پیدائش کے بعد ہی سے
 والدین کے اثرات سے مکمل طور پر محفوظ رکھنا چاہئے۔ اور یہ صورت بلا قانون
 ظہور میں نہیں آسکتی۔ اور اس قسم کا قانون رائے عامہ ہی سے پاس ہو سکتا
 مہم دوستان کے بہت سے شہروں میں پولس آڈارہ گرد اور چور بچوں کو پکڑتی
 چل دی اور معمولی جرموں سے اپنا گزارہ کر رہے ہیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو

بچوں کو قید کرنا جرم ہی ان کو جیل میں بھیجا بھی ایک جرم ہے
 بھی عام طور پر ان کو جیل میں بھیجا جاتا۔
 کھیل کود کی وجہ سے بچہ سے راستہ رکتا ہو اور وہ زخمی گدھے کو جھکا رہا
 کو عام طور پر سات دن کی قید محض کی سزا دی جاتی ہے۔ یا اگر آٹھ سال
 ایک دکان سے خوراک چرائی ہے اور ضمانت نہیں دے سکا تو اس کو دو
 ضابطہ فوجداری کے ماتحت ایک سال محض قید کی سزا کا مستحق سمجھا جاتا۔
 تفتیش کی جاتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کا صرف ایک رشتہ دار
 جس نے اس کو گلیوں میں مارے مارے پھرنے کا عادی بنایا تھا۔ اور اس
 تربیت حاصل نہ ہو سکی تھی۔

بچوں کو موجودہ قانون جیل میں بھیج کر جہاں بے انصافی کرتا ہے
 بچوں کو محض قید کی سزا دے کر ان کو اور بد معاشی و غنڈہ گردی کی طرف
 ہے۔ محض قیدی کوئی کام نہیں کرتے ان کا دماغ جرائم کی طرف رجوع
 اور وہ ان کا اثر قبول کر کے دھارٹی قسم کے مجرم بن جاتے ہیں۔

جب تک ان آوارہ گرد بچوں کے لئے کوئی قانون پاس نہ کیا جائیگا اس وقت تک پولس اور مجسٹریٹ اپنے فرائض پورے کرتے نہیں گئے۔ اور ان کو سسٹراؤں پر سزائیں ملتی رہیں گی۔

انگلینڈ میں بچوں کے سدھار کا قانون سن ۱۹۰۸ء سے کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔ جن کے لئے صرف ہندوستان میں اتنا ہی کافی نہیں کہ صرف وہ اسمبلی میں پاس ہو جائے۔ بلکہ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایسی مشینری ہنیا کی جائے جو اس قانون کے ضابطہ پر بہ آسانی عمل کر سکے جس طرح انگلینڈ میں ریٹرنڈ، آزاد نسلی رہائی گرانڈوائے آئین، بچوں کی عدالتیں، اور مصدقہ سکول بنے ہوئے ہیں۔

مداس میں بچوں کا ایکٹ سن ۱۹۰۹ء میں منظور ہوا۔ اور ہندوستان میں مدراس ہی ایک ایسا علاقہ ہے جس میں کامیابی کے ساتھ نابالغ مجرموں کا سدھار ہو رہا ہے۔ پہلے اس قانون کو مدراس کے شہر برہمی صرف نافذ کیا گیا تھا۔ لیکن پھر تمام صوبہ مدراس پر طے کر دیا گیا۔ یو پی اور سی پی کے صوبوں میں بھی ایسے قانون پاس کئے گئے ہیں۔

جوم بچوں کی عادات و اطوار درست کرنے کے لئے جس مذکورہ مشینری کی ضرورت ہے۔ اس کی حقیقت اور نوعیت یہ ہے۔

ریمانڈ ہومز (Remand Homes) وہ مقامات

ہیں جہاں بچوں کا جالان کر کے ان کو مقدمہ کالیفینڈ تک رکھا جاتا ہے۔

انگلینڈ کی محکمہ جلیوں میں نابالغوں کے لئے علیحدہ احاطے ہوتے ہیں لیکن

ہندستان میں ایسی کوئی جیل نہیں ہے جہاں جالاتی بچوں کے لئے کوئی علیحدہ احاطہ ہو۔ البتہ بچوں کو عام طور پر علیحدہ کونٹینٹروں میں رکھا جاتا ہے۔ جو مناسب و موزوں طریقہ نہیں ہے۔ اور بچے ایسے طریقوں کی وجہ سے جیل کے بُرے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ لیکن ریمانڈ ہومز اس سے بالکل مختلف ہیں۔ وہاں قیدیوں کو بھاگنے سے روکنے کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ اس کی دیواریں جیل نہا بڑی بڑی نہیں ہے۔ بچے اس افسر کی نگرانی میں ہوتے ہیں جو بچوں کو تربیت دینے میں ماہر ہو۔ اور بچوں کو اپنے اہتمام میں لے سکتا ہو۔ اور ان کو صفائی، ایمانداری، صداقت اور دستکاری کے اصولوں کو منوا سکتا ہو۔ اس کو ان کے بری ہونے اور سزا پانے سے کوئی تعلق نہ ہوتا بلکہ ان کی کوشش پر ہوتی رہاٹڈ ہومز میں داخلہ کے وقت اس بچہ میں جو بُری عادات تھیں اس میں جاتے وقت تک کمی ہو جائے۔ اور کچھ نہ کچھ یہاں سے سدھ کر نکلے۔

بچوں کی عدالتیں کم عمر قیدی کو عدالت میں پیشی کے وقت حسب معمول مجسٹریٹ کے سامنے پوس کے دبیر اور عیب کے ساتھ پیش نہیں کرنا چاہئے۔ جس سے قیدی خوفزدہ ہو بلکہ اس کو بچوں کی عدالت میں لے جانا چاہئے۔ جو بالکل مجسٹریٹ کے ذاتی کمرے کے مشابہ ہو۔ مجسٹریٹ مرد نہ ہو بلکہ عورت ہو تو زیادہ مناسب ہے کیونکہ عورت بچہ کو زیادہ پہنچ سکے گی۔ اور زیادہ امکان ہو سکتا ہے کہ عورت اصلیت جرم کا پتہ جلد لگائے۔

کم عمر قیدی کہ بجائے بارودی پولس کے سپرد کرنے پر بہتر ہے کہ اس کو "نیک چلنی پر رہا ہونے والے قیدی کے افسر" کی نگرانی میں رکھا جائے۔ جس کا تعلق عدالت سے ہو۔ اس کا کام یہ ہو گا کہ مقدمہ شروع ہونے سے پہلے بچہ کی عادات اور گھریلو حالات کا پتہ لگائے۔ اگر مناسب و معقول مقام مل سکے تو اس کے والدین یا کسی اور ذمہ دار شخص کی معیت میں اس کو دیدیا جائے۔ اور اس وقت مجسٹریٹ مجرم کو محض آزمائشی رہائی پر چھوڑ دے اور آئندہ کی زندگی کی دیکھ بھال کرے۔

اگر مجرم کی نوعیت سخت ہو۔ اور مجرم کا حال چلن اور طرز زندگی حد سے زیادہ خراب رہی ہو۔ تو اس کو بجائے جیل کے کسی مصدقہ سکول میں بھیج دیا جائے یہ مصدقہ درسگاہیں دو قسم کی ایک بڑے لڑکوں اور دوسرے چھوٹے لڑکوں کے لئے ہونی چاہئیں۔ یہاں ان کو کئی سال رکھا جائے۔ اور ان کو تعلیم و دستکاری سختی کے ساتھ سکھائی جائے اور ان کی سیرت و صحت کی حفاظت کی جائے۔

مدرس پر ہیڈ ماسٹر کے اندر انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات کی رہنمائی میں چھوٹے اور بڑے مصدقہ سکول عہدہ کام کر رہے ہیں۔ جن کے نتائج بڑی تعداد میں کامیاب ثابت ہو رہے ہیں۔ سیرت کی اصلاح کے دوسرے طریقوں میں فن سکاؤٹ اعلیٰ درجہ کا الگ ہے۔ جو ان سکولوں میں سکھایا جاتا ہے۔ پہلے ہی روز سے ان لڑکوں میں اجتماعی زندگی کی ذہنیت پیدا کرنا کی کوشش کی جاتی ہے کیونکہ یہ چیز عام طور پر ان میں بالکل نہیں ہوتی۔ وہ

خود غرضی اور خود پرستی کے بندے ہوتے ہیں اور یہی ان کے اعمال کی کسوٹی ہوتی ہے۔ ہمارے خیال میں اخلاق کا پہلا اور ضروری سبق اجتماعی زندگی کی ذہنیت پیدا کرنا ہی ہے۔ چاہے دماغی نکتہ نگاہ سے ہیں یہ پسند نہ آئے لیکن اصلاح اخلاقیات میں یہ بے بہا قیمت کی مالک ہے۔

ساری سوسائٹی کی بہبودی کے لئے کام کرنے کے فرض کی یہ مضبوط ذہنیت ہے جس میں اپنے اغراض یا چند مخصوص اغراض کو ترک کرنا پڑتا ہے۔ یہی اخلاق کی بنیاد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس کو مناسب طریقہ پر پھلایا جائے تو کم عمر قیدیوں پر بھی اس کا اچھا اثر پڑ سکتا ہے۔

ان کم عمر قیدیوں کے لئے اور بھی کئی مقید رکھنے کے مقامات ہیں جن کا مقصد بھی اصلاح ہے۔ انھیں دستکاری سکول، اور ریفرمیٹری سکول کہا جاتا ہے۔

ریفرمیٹری سکول | ریفرمیٹری سکول دہلی اور جبل پور میں ہے جو فاس قانن ریفرمیٹری کے ماتحت چلایا جاتا ہے۔

اور ان کا استعمال خاص قسم کے مجرموں پر ہوتا ہے چنانچہ جس آٹھ سال کے عمر کے لڑکے کو ایک سال کی سزا ہوئی تھی۔ اس کو ریفرمیٹری سکول میں نہیں بھیجا گیا۔ اسی صوبہ میں دو لڑکے دس اور بارہ سال کی عمر کے قتل کے جرم میں عمر قید کی سزا پا کر آئے۔ وہ بھی ریفرمیٹری سکول میں داخل نہیں کئے گئے۔ کیونکہ زیر دفعہ ۳۰۲ تعزیرات ہند سزا دی گئی تھی۔

اگر یہ سکول معدہ سکولوں کے اصولوں پر چلائے جائے تو پھر بھی سارے

ہندوستان کے لئے ایک بچوں کے قانون کی ضرورت پڑ گئی۔ جس میں تمام کم عمر قیدی شامل کئے جائیں ریٹار میٹری سکول میں داخل ہونے کے لئے آئینی طور پر بندہ سال کی عمر کی قید ہے اور ہوسٹل میں داخل ہونے کے لئے ۱۶ سے ۲۱ سال تک کی عمر باندھی ہے۔ بچوں کے قانون کی عدم موجودگی میں ایک سال کی گڑ بڑ سے بچہ نہ ریٹار میٹری سکول کا رہتا ہے اور نہ ہوسٹل کا۔ اس سے کئی مرتبہ مشکلات پیش آ چکی ہیں۔ مجلس قانون ساز اگر کم عمر بچوں کی عمر ۱۵ سال کے بجائے ۱۶ تک قرار دے تو ریٹار میٹری اپنے کم عمر بچوں کو براہ راست بالعموم کے مخصوص درس گاہوں میں بھیج سکتی ہے۔ بچوں کا قانون اس مشکل کو حل کرتا ہے ایسے قانون میں ۱۴ سال سے کم عمر والے کو بچہ سمجھا جائے گا۔ اور ۱۴ سے ۱۶ سال تک کی عمر والے کو نوجوان خیال کیا جائے گا۔

مصدقہ سکول اس قانون کے ماتحت نوجوان اور بچوں دونوں کو ہی لینے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ بارہ سال سے کم عمر کے بچے چھوٹے مصدقہ سکول میں بھیجے جاتے ہیں۔ اور بارہ سال سے زیادہ لیکن سولہ سال سے کم عمر والوں کو بڑے مصدقہ سکول میں داخل کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جن دو بچوں کو عمر قید کی سزا ہوئی تھی ان میں سے ایک کو چھوٹے سکول میں اور دوسرے کو بڑے مصدقہ سکول میں شامل کیا گیا۔ چھوٹے مصدقہ سکول میں سولہ سال سے زیادہ عمر کا بچہ مقید رکھا نہیں جاتا۔ اور نہ بڑے سکول میں اٹھارہ سال کا نوجوان رکھا جاسکتا ہے۔ قانون عدالت کو یہ حق دیتا ہے کہ اگر کم عمر مجرم یا نوجوان مجرم بے یار و مددگار اور آوارہ گردی کرتا ہوا ہے یا جس کے سر پرست درست نہ ہوں یا کسی نامی چوکی

محبت میں وہ رہتا ہو اور اس کی عمر ۱۶ سال سے زیادہ نہ ہو۔ تو اس کو کسی مناسب حالات میں رکھا جاسکتا ہے اگر وہ بچہ ہو تو اس کو مصدقہ سکول میں بھی داخل کیا جاسکتا ہے۔

ماہران تعزیرات نے نہ صرف قوی و توانا مجرموں کو چھوٹی ہی عمر میں پکڑنے کا اہمیت کو بھانا بلکہ انھوں نے کم سن مجرموں کے ساتھ بالغ مجرموں سے مختلف سلوک کی ضرورت سمجھی۔

۱۹۰۶ء میں سر ایو لین رگلز براؤن

کی رہنمائی میں امریکہ کے تجربہ شدہ نظریہ کو مد نظر رکھ کر انگلستان نے کینیٹ ۱ کے اندر بوسٹل جیل میں ریفارمیٹری طریقے سے اصلاح کی جس کے نتائج اس قدر تسلی بخش ثابت ہوئے کہ ۱۹۰۸ء میں پارلیمنٹ نے ایک بہتہ ضروری قانون پاس کیا۔ جسے جرائم کے انسداد کا قانون کہتے ہیں۔ جس کی بناء پر کم سن مجرموں کے ساتھ خاص سلوک کیا جاتا ہے۔ اور بوسٹل درسگاہوں کا قیام قبول ہوا۔

ان درسگاہوں میں تمام کم سن مجرموں کو تعلیم دینے کا رواج مخصوص نہ تھا۔ بوسٹل میں قید رکھنے کے لئے مجرم پر یہ شرائط عاید کی جاتی تھیں کہ وہ سولہ سال سے کم نہ ہو۔ اور ۲۱ سال سے زیادہ نہ ہو۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ عادات مجرمانہ ہوں۔ یا بد چلن افشاء کی صحبت میں رہے ہو۔

۱۹۰۸ء کے قانون کے رو سے بوسٹل درسگاہیں وہ مقامات سمجھے جاتے تھے جس میں کہ کم سن مجرموں کو ایسی صنعتی اور دیگر قسم کی تعلیم دی جائے۔ اور ان کو ایسے ڈسپن اور اخلاقی اثرات کے ماتحت رکھا جائے کہ جن سے ان کی اصلاح ہو جائے۔

اور جرم کرنا بند کر دیں۔

اس طریقے کے ایسے اچھے نتائج نکلے کہ سلسلہ ۱۹۷۱ء کی بین الاقوامی کانگریس نے ایک سلسلہ قراردادوں پاس کیا۔ جس میں ان کی متفقہ رائے یہ تھی کہ کوئی بھی قیدی ناقابل اصلاح تصور نہ کیا جائے۔ اور سزائیں نہ صرف انتقامی غرض سے دی جائیں بلکہ اخلاقی بھی ہوں۔ اور ایسی اصلاح کا زیادہ امکان مذہبی اور اخلاقی تعلیم کے ذریعہ ہو سکتا ہے جس سے دماغی قوت بڑھائی جاسکے۔ اور جسمانی صحت میں ترقی ہو۔ اور قیدی اچھی صنعتی تعلیم بھی حاصل کر سکے یہ اصلاحی دستور معمولی سزاؤں سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اس کے ساتھ ساتھ کسی موزوں بورڈ کے مشورہ پر کچھ عرصہ کے لئے چھوڑنے کا (پہول پر) قاعدہ بھی بنالیا جائے۔ ایسے مخصوص سلوک کا رواج بانٹ مجرموں کے لئے ہونا چاہئے۔ چاہے وہ عادی مجرم ہو یا نہیں۔ اس تجویز پر عمل درآمد کرتے ہوئے حکومت پنجاب نے سب بانٹ قیدیوں کو فوراً ایک جیل میں جمع کرنا شروع کر دیا۔ اور ہزاروں گھریلوں کی ایک جیل بنانا منظور کر لیا جس میں عادی اور اتفاقی دونوں قسم کے قیدی رکھے گئے۔ اس کے اندر بڑے بڑے کارخانے اور سکول بندھے گئے۔ پڑھنے کے گروانڈ، کھیلنے کے میدان، اور جمناسٹک کے سامان مہیا کئے گئے۔ اور مذہبی و اخلاقی مضامین کے تعلیم دینے والے سند یافتہ معلم مقرر کئے گئے۔ تاکہ جسمانی، دماغی، اخلاقی اور اصلاحی اثرات قیدیوں پر ڈالی جاسکیں۔

بدقسمتی سے یہ سرحد اور پنجاب کے کم سن مجرموں کے خاص رہائش گاہ کا اہم وہ انتظام، کافی ثابت ہوا۔ اور ۱۹۷۳ء میں یہ ضروری سمجھا گیا کہ عادی مجرموں کو

اور جیل میں بھیج دیا جائے۔ اور لاہور کی پوسٹل درسگاہ پہلی بار کے مجرموں کیلئے مخصوص کر دیا جائے۔ اس لئے فی الحال یہ درسگاہ پوسٹل اصولوں پر چلتی ہے۔ لیکن یہ ان بائع مجرموں کے لئے جن کے واسطے پوسٹل کا رواج چلا یا گیا تھا مددگار ثابت نہیں ہوئی۔ یہ انگلستان کی اشار جیلوں سے ملتی جلتی ہیں جو ہندوستان کے دوسرے جیلوں میں ہی بنائی گئی ہیں۔

پوسٹل درس کی مقامی حکومت ہی ایک ایسی حکومت ہے جس نے اب تک ایک انگریزی نمونہ پر پوسٹل درسگاہ قائم کی ہے۔ پنجور

کی درسگاہ لاہور سے قریب قریب نصف ہے۔ لیکن اس میں بھی غائدہ ہے کیونکہ اس میں انفرادی طور پر زیادہ توجہ دی جاسکتی ہے۔ اس کی اصلاحی اور صنعتی تعلیم مکمل و معقول ہے۔ اور قیدیوں کی جسمانی صحت بڑھانے میں بہت قابل تعریف طریقے اختیار کئے گئے ہیں۔ لڑکوں کی جسمانی تعلیم جہاں شک، ڈر اور پھیلان اور قواعد سے دیجاتی ہے۔ اور فن سکاؤٹ کی شروع کی تعلیم طبی امداد (فٹ ایڈ) اور باہر کی ٹیموں سے میچ کا کھیلا جانا ان کے چال چلن کی تعمیر میں مدد کرتا ہے۔

پہ نام خرابیاں لاہور کی قسم کی دوسری درسگاہوں میں چلتی ہیں کیوں کہ انہوں نے ایک خوبی میں پنجور کی درسگاہ ہندوستان کی باقی تمام درسگاہوں سے آگے ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہاں ایک قابل پوسٹل سوسائٹی کا وجود ہے جو کہ ان فوجوں کی رہائی کے بعد ان کی دیکھ بھال رکھتی۔ اس کی اہمیت ناقابل اغازہ ہے۔

پوسٹل تعلیم کی چار ضروری باتیں پوسٹل کے تعلیمی کورس کے چار بڑے بڑے اصول ہیں۔

۱۱، جسمانی (۲)، دماغی (۳)، اخلاقی (۴) صنعتی۔

اس معلوم کو ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس پر ہنسی ڈالی جائے۔

جسمانی | گوڈرڈ () نے واضح کیا ہے کہ ذہنی اور جسمانی مریض جراثیم کر کے عادی ہوتے ہیں۔ اور اصلاح معذہ امر کیہیں۔ لاکھ اشخاص ایسے ہیں جنہوں نے اس ملک کو ایک خطرناک قیام گاہ بنا دیا۔ کیونکہ ان کے ذہن کمزور ہوتے ہیں یا ان کو ذہنی بیماری ہوتی ہے۔ مسٹر گوڈرڈ فرمید فرماتے ہیں :-

مجموع بچوں کی دیکھ بھال درگاہ کے سپرد ہونی چاہئے نہ کہ جیل میں۔ ان درگاہوں کی تعمیرات پر ممکن ہے کہ خرچ زیادہ ہو۔ لیکن اتنا خرچ کسی صورت میں نہیں ہوگا جتنا خرچ کہ موجودہ حالت میں ہوتا ہے۔ جب نیویارک شہر کو صرف چالیس ہزار کمزور ذہن والے مجرموں کے لئے درگاہ کی ضرورت پڑی تو اس وقت سنسائی د () شہر کے کمزور دل والے مجرموں کے مقدمات اور ان کی سزاؤں پر ۶۶ لاکھ روپیہ سالانہ خرچ کرنا پڑا۔

ہندوستان کے اندر بھی یہی حالت ہے۔ یہاں ذہنی جسمانی بیمار

تندرست انسانوں کے مقابلے میں جرم و گناہ زیادہ کرتے ہیں۔ ایک انگریز میٹل ہے بھاری میں ہر آدمی "بذلت" ہوتا ہے۔ جبکہ بالغ پر بیازسی کا اتنا اثر ہو سکتا ہے تو بچے سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کوئی بھی جسمانی نقص بالواسطہ یا بلا واسطہ کسی فرد سے جرم کرا سکتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ایسے نقص کو جیل کی سزا دینے سے پیشتر دور کیا جائے۔

مسٹر گوڈرڈ نے اس پالیسی پر نگاہ مارا ہے اور بہت سی قیدیوں کو جن میں ناقص پائے جاتے تھے۔ علاج کر کے تندرستی کے مدارج پر پہنچا یا ہر مصلحین نے مجرموں کو سدھارنے کے لئے جسمانی تعلیم کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ ڈرل یعنی فوجی تربیت اور ڈسپلن کا بوسل کے مجرموں پر بہت عجیب و غریب اثر پڑا ہے اور عامیانہ و متبذل چال والے اور شکی وضع کے نوجوان بڑی تیزی سے شاندار شکل والے اور درست زاویہ نگاہ والے بن گئے۔ اور یہ دونوں ہی ذاتی خوبیاں بڑی قیمتی خوبیاں ہیں۔ اور انھیں ان کے معلموں نے مجرموں کے اخلاق سدھارنے کے لئے بہترین خوبیاں تصور کیا ہے۔ گھر ہو یا سکول یا معمولی زندگی میں ان کے لئے اخلاقی طریقے ایسا تعلیمی اثر کرتے ہیں جس سے قوم فیضیاب ہوتی ہے۔ لیکن جیل میں تو وہ مجرم کو سدھارنے، اس کو سزا دینے یا اس کے روکنے وغیرہ کے لئے کامیاب علاج کی بنیاد ہیں۔ لہذا جسمانی تعلیم خواہ وہ سونیڈلن قسم کی اعلیٰ ڈرل ہو یا کمپنی کی ڈرل ہو جتنا شک ہو یا کوئی اور مردانہ یا کی فٹ بال قسم کا کھیل ہو وہ مجرموں

کے لئے درگاہوں میں تعلیم کا ایک ضروری جزو ہے۔

دماغی تعلیم | دماغی تعلیم سے مراد پہلی بنیادی تعلیم کی تربیت دینا ہے۔

ہر جگہ سکولوں کی ضرورت ہے۔ پرائمری تعلیم جہاں عام طور پر لوگوں کے لئے اچھی چیز ہے وہاں مقید مجرموں کے لئے یہی انتہائی کارآمد و مفید ہے۔ مسئلہ اے کے کیٹی کے خیالات ختم ہو چکے ہیں۔ اور اب تمام جلیوں میں بنیادی تعلیمی سکول بنانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ تاکہ کم عمر اور لمبی سزا والے قیدی اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ اور اخبار پڑھ سکیں یا اپنے دوست احباب اور عزیز و اقارب سے بہ آسانی خط و کتابت کر سکیں۔ اور ساموکار کی زد سے محفوظ رہنے کیلئے حساب و کتاب سے بھی واقف ہو جائیں۔

تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے کتب خانوں کی ضرورت ہے تاکہ وہ اپنی مطلوبہ میں اضافہ کر سکیں۔ تعلیمی مضامین اور علم و محنت اور دیہات سدھار کے لئے بیجک لائبریری کے ذریعہ گاہے بگاہے پیکر ہونے چاہئیں۔ تاکہ ان کے ذہن اس کو جلد قبول کریں۔

اخلاقی تعلیم | مجرم کی اصلاح کے لئے سب سے اچھا طریقہ روحانی اور اخلاقی اثرات کا ہے، ان ہی دو چیزوں کے ذریعہ مجرمانہ

عادات والے اشخاص میں وہ اخلاقی ذہنیت پیدا کی جاسکتی ہے جس کی اس میں کمی ہے۔ ان کی ضمیر جب تک بیدار نہیں کی جائے گی اس وقت تک ان کی اصلاح ہونا ناممکن ہے۔ یا کسی حد تک اخلاقی ذہنیت پیدا ہونا ضروری ہے جو صحت

اعلیٰ اور عمدہ ملا ہے جس کا آخر پختہ اور بنیادی طور پر پڑتا ہے۔ اور یہی مجرموں کی اصلاح کرنے والی تعلیم کا نصب العین ہے۔

صنعتی معلم | صنعتی تعلیم کا مقصد قیدیوں کو رہائی کے بعد ذریعہ معاش مہیا کرنا ہے جیل میں جب قیدی داخل ہوتا ہے تو اس کو وہی کام مشقت میں دیا جاتا ہے جس کو وہ جانتا ہے چونکہ عام طور پر ہندوستانی جیلوں کے قیدی پختہ فیصدی غیر تربیت یافتہ زراعت پیشہ لوگ ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو شروع ہی سے تعلیم دی جاتی ہے۔ اس طرح زراعت صنعت کا ایک جز بن گیا ہے۔ اسی وجہ سے قیدیوں کو موجودہ طریقے اور نئے اوزار کا استعمال کرایا جاتا ہے۔ ایسی تربیت میں سولیشیوں کی دیکھ بھال بھی شامل ہیں۔ کسی قیدی بڑھئی یا جلا ہے کا کام سکھانے اور اس کے چال چلن کو سیکھانے میں کافی وقت لگتا ہے اور بے حد محنت کرنی پڑتی ہے۔ کم سنہ والے ان کاموں میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ البتہ لمبی قید والے ان کاموں کو حاصل کر سکتے ہیں جن کی سزا کم از کم تین سال ہو۔

اچھا اسٹاف | بوشل جیل کے چار مذکورہ ضروری حصوں کے علاوہ جیل کے لئے اچھی عمارتوں اور اچھے اسٹاف کی بھی ضرورت ہے اگر یہ دونوں چیزیں مالی دقتوں کی وجہ سے پوری نہ ہو سکیں تو جتنا سرمایہ ہو وہ بجائے عالیشان عمارات پر لگانے کے اسٹاف پر لگایا جائے تو بہتر ہوگا۔

انگلستان میں پورٹ لینڈ کی بوشل درگاہ اس کی زندہ مثال ہے۔ آغاز میں تو ٹھیکٹہ مجرموں کے لئے بڑی تاریک سی کوٹھری والی جیل تھی۔ لیکن اب

جہاں تک کامیاب نتائج کا تعلق ہے کوئی ہوشیار انسان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وہ انہی
وہاں کے قیدی عامی، مجرم ہونے میں اور خطرناک مقدمات سے وابستہ ہوتے
میں مگردار رہنے کے بعد چوں نہیں کرتے۔

وہاں کا اسٹاف قابل دلاق اور محنتی انسانوں میں مشتمل ہے۔ ہر فن کے نام
اس میں شامل ہیں۔ اس جیل میں سکول بھی ہیں۔ مسٹر بارکر اس کا پٹہ جرنیل جیل خانہ
پنجاب فرماتے ہیں:-

میں اس ہوسٹل میں صبح ۶ بجے اسٹاف کو جہانی قواعد کراتے
ہوئے دیکھنے کے لئے داخل ہوا اور نو بجے رات کو نوٹا جب تک
وہی اسٹاف اسی خوش خرمی سے کام میں مصروف تھا اور فریوٹ
پڑنے پر آدمی رات تک بیٹھنے کے لئے تیار رہتا تھا تاکہ اپنے بطبع
تقریر بحث کر سکیں (امپیرز منڈل ۱۷)

انگلستان کی برشلوں میں عمارتوں اور سڑکوں کے مقابلہ میں اسٹاف کو
ترجیح دی جاتی ہے۔ اور قیدیوں کے انوکھی کوئی چیز نہیں ملے گی اور بند کر کے
بازو، ہاتھ، انگلیاں کے مقابلہ میں زیادہ اشرافیہ ہے۔ ہندوستان میں بھی اس
قسم کے آدمیوں کی ضرورت ہے جو اعلیٰ کیریئر کے مالک ہوں اور شوخی خدمات
انجام دینا پسند کرتے ہوں۔ جو قیدیوں کو قیدی نہیں بلکہ انسان سمجھ کر ان سے
عملی ہمدرہی کریں۔ اور ان کے حالات و ماحول کو سمجھتے ہوئے ان کو اونچا اٹھانے
کی کوشش کریں۔

ہوسٹل جیلوں کے رہنما ایگزیکٹو پٹرسن :

کی ان تجاویز کا کرنا یہاں ضروری ہے۔ جو انہوں نے برہا میں ملی فسل میں چلائیں۔ تاکہ ان کے فوائد و اثرات کا اندازہ لگایا جاسکے۔

ان کی سکیم میں کا نام "قانون انسداد جرائم" رکھا گیا چار چیزوں پر مبنی تھی اول یہ ایغا ریٹری دویم آزمائشی رائٹس سویم بچوں کا قانون چہارم بوشل قانون۔
ان قانون کی بڑی بڑی شرطیں یہ تھیں :-

(۱) چودہ سال سے کم عمر انسان کسی جیل یا حوالات میں نہ رکھا جائے۔ معتبرہ سکے دوران میں رہا نہ گھر میں رکھا جائے۔ جو نظر بندی کے مقامات ہیں۔

(۲) چودہ سال سے کم عمر مجرموں کے مقدموں کی مقدمہ عدالت میں نہیں بچوں کی عدالت میں خدوائی ہو جہاں مجسٹریٹ عورت ہو۔

(۳) تمام مجرموں کے لئے آزمائشی رائٹی کا دن رائج کر دینا چاہئے۔

(۴) جسمانی سزا جیل میں نہیں احاطہ عدالت میں دیکھائے۔

(۵) ۱۵ سال سے کم عمر کے قیدی جیل میں نہ رکھے جائیں۔

اور امور ذیل کا انتظام حکومت خود کرے۔

(۱) معتبرہ سکیم اس میں کم عمر قیدی جن کی عمر ۱۴ سال سے کم ہو اور جن سے جرم ہونے کا خوف ہو رکھے جائیں۔

۵ رپورٹ ۱۹۲۶ء جرائم اور مجرموں کے ساتھ سلوک
مصنف ایکس پریس

(۲) چودہ سال سے کم عمر قیدیوں کے لئے ریفارمیٹری سکول بنائے جائیں۔
 (۳) چودہ سال سے ۱۵ سال تک کی عمر کے مجرم ہونے والوں کے لئے تعلیمی سکول کھولے جائیں۔ اور جو سکولوں سے رٹ کے نکلیں ان کی رہائی کے بعد نگرانی کی جائے۔

احاطہ مدراس میں جہاں تمام مذکورہ قانون نافذ ہیں اور اصل بار ہے وہاں کسی قسم کی تبدیلی ہونا بے معنی ہے۔ لیکن بقایا صوبے انسداد جرائم کے قانون کو نافذ کرنے کی کوشش کریں۔ علیحدہ علیحدہ ایک قانون کے نفاذ کے ضمنیہ میں نہ پھنسے۔

آزمائشی رہائی آزمائشی رہائی کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص پر کسی جرم کا الزام ہو اور وہ ثابت ہو جائے تو اس کو جیل بھیجنے کے بجائے "آزمائشی رہائی" پر چھوڑ دیا جائے۔ بشرطیکہ ملزم اپنا چال چلن عمدہ دکھائے اور رہائی کے بعد بد سامشی نہ کرے۔

اس طریقہ کو قانونی درجہ دینے کے لئے ۱۹۰۷ء میں انڈیا میں انڈیا کے انڈیا آزمائشی رہائی کا قانون پاس ہو گیا جس کی بنیاد پر ہندوستان میں بھی یہ قانون رائج کر دیا گیا۔

یہ قانون پہلی مرتبہ کے سزا یافتہ قیدی کے لئے انتہائی مفید ہے۔ اور قیدی کے لئے بھلے جیل کے "آزمائشی رہائی" ایک دوسرا اہم علاج ہے۔ انڈیا میں "آزمائشی رہائی" دو طریقہ سے کی جاتی ہے۔
 کئی جج مجرموں کو "آزمائشی رہائی" کے قانون کے مطابق رہا کر دیتے ہیں۔

گوان کو آزمائشی رائی کے آفسر کے سپرد نہیں کرتے۔ رائی کے بعد وہ آزاد ہوتے ہیں ان پر کوئی نگرانی نہیں کی جاتی۔ چنانچہ اسی وجہ سے یہ طریقہ غیر قسلی بخش ثابت ہونے لگا۔ اور کافی بدنامی کا باعث ہوا۔ اور مجرموں نے بھی اپنی صلاح نہیں کی بلکہ آوارہ گردوں، بد معاشوں اور تپے نشنگوں کی صحبت میں بیٹھنا شروع کر دیا اور بڑے اثرا سے محفوظ نہ رہ سکے۔

ایسی صورت میں وہ عدالتوں کے سامنے دوبارہ پیش ہوتے تو اس قانون کی ناکامیابی ظاہر ہوتی۔

یہ حقیقت ہے کہ ”آزمائشی رائی“ کا طریقہ بغیر آزمائشی رائی کے افسر کی نگرانی کے چلانا غیر مفید ہے۔ اور وہ کارآمد ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس طریقہ کا روح رواں آزمائشی رائی کا آفسر ہی ہے۔ جسے ملک کی طرف سے تنخواہ دی جاتی ہو۔ اور جو اپنی متعلقہ عدالت کو براہ راست جوابدہ ہو۔

جیسا کہ پاؤل : صاحب کا خیال ہے کہ :-

آزمائشی رائی آفیسر اور نیچے اور ہائیڈ کیریئر کا ہونا چاہئے جو عدالت ہو اور مجرم اس پر بھروسہ کر سکیں۔ اور جب مجرم بڑے خیالات اور مشکلات میں پھنس جائے یا پھر اس کی عادات شیعہ و کرائیں تو وہ اس کو بچا سکے اور تیار کر دے سکے۔

اس طریقہ بعض اس قسم کے اضافات بھی کئے گئے ہیں کہ ایسے مخلص و ایماندار و معقول آفیسر کا مشکل ہے۔ اور خاص طور پر ہندوستان کے بڑے بڑے علاقوں اور دور دراز مقامات میں مجرم کو منت پذیر رہی اس لئے بڑے سے بڑے

ہالاک آفیسر کا ان کی نگرانی کرنا ناممکن ہے۔

ان اعتراضات میں اگرچہ کچھ جان ہے وہ بھی اس صورت میں جبکہ ملازمان کو کم تنخواہ دینے کی دلیسی برقی جائے۔ اگر اس کام میں فراخ دلی سے کام لے اور معقول تنخواہ دے تو ایسا بخار اور وقت دینے والے آدمیوں کی کمی نہیں۔

کسی آزمائشی رہائی کے آفیسر کے سپرد سو مجرموں سے زیادہ نکرانے چاہئیں علی طور پر ایک لاکھ آبادی رکھنے والا ہر شہر آزمائشی رہائی، اور بچوں کے قانون کے شرائط کے ماتحت ضروری تعداد ہتیا کر سکتا ہے۔

ایک لاکھ باز آمد آبادی رکھنے والے ہندوستان میں تیس شہر ہیں ہر پانچ ہزار سے لے کر ایک لاکھ کی آبادی والے ۲۲ سو کے قریب قصبات ہیں۔ اور اس صنعتی زمانہ میں ہر سال لوگوں کا رجحان زیادہ سے زیادہ شہروں میں آباد ہونے کا ہوتا جا رہا ہے۔ اس بنا پر اس قانون کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے۔ البتہ رہنمائی علاقوں میں تمام وقت کے لئے ان افسروں کا مقرر کیا جانا ناممکن ہے۔ وہاں کے لئے گاؤں یا برادریوں کے چودھری اور پانڈا راہنما خاص ہی اس کام کے لئے موزوں ہو سکتے ہیں۔ جو تھوڑا وقت دے کر اپنے گاؤں کے مجرموں کی دیکھ بھال کر سکیں۔ اور جرم نہ کرنے دیں۔

مشترک پیرسن کی رائے ہے :-

مگر یہ آزمائشی رہائی کا طریقہ پہلی مرتبہ کے سزا یافتہ قیدی پر استعمال کیا جائے تو چند سالوں میں ہزاروں قیدی جیلوں سے باہر آکر سدھر سکتے ہیں۔

پہرول پہرول کا یہ مطلب ہے کہ زیرنگرانی قیدی کو سزا مکمل ہونے پر یا اس سے پہلے رہا کر دیا جائے۔ اس میں بی، آر، بی، پی طریقہ کے مطابق رہا شدہ عادی مجرم جس پر پولس کی جانب سے نگرانی ہوتی ہے (شامل نہیں ہے۔ بی، آر، بی، پی طریقہ کا مقصد انسدادی ہے۔ نہ کہ اصلاحی۔ یہ طریقہ پولس امتیاطی طور پر اختیار کرتی ہے۔ تاکہ آئندہ کے جرموں سے وہ محفوظ رہ سکے۔

پہرول طریقے کے ماتحت کی نگرانی زیادہ رحبانہ ہوتی ہے۔ اور جہاں تک ہو سکتا ہے غیر سرکاری ہوتی ہے۔ عام طور پر یہ لائسنس ہڈ مشروط رہائی کی قسم ہے۔ بشرطیکہ جیل میں اس کا کثیر کٹڑا چھار رہا ہو۔ اور اس نے ادم بازی یا غیر آئینی حرکتوں میں حصہ نہ لیا ہو۔

اس طرح کوئی بھی پہرول پر رہا شدہ قیدی آزادی کے ساتھ اپنا روزگار چلا سکتا ہے اس پر کسی قسم کی پابندی نہ ہوگی۔ ہاں اگر وہ جن شرائط کے ماتحت رہا ہو رہا ہے۔ اس کو پورا نہ کرے گا مثلاً اپنی جائے رہائش کے علاوہ مختلف مقامات پر مارا مارا پھرے گا اور چور ڈاکوؤں سے میں جیل قائم رکھے گا تو اس کو اس کی بقایا قید گزارنے کے لئے جیل میں بھیج دیا جائے گا۔ اور رہائی کی شکل ختم کر دی جائیگی۔ پہرول کی رہائی کے لئے دو باتوں کی نگرانی ضروری ہے۔

(۱) ذریعہ معاش (۲) اس کے کام اور اس کے اخلاق کی نگہداشت۔ اگر مجرم عارضی طور پر کسی دیہاتی علاقے میں نظر بند کیا جاتا ہے تو اس کو کھیتی باڑی کا کام کرنا پڑتا ہے اور اس کا آفیسر زمیندار مقرر کیا جاتا ہے۔ جس کے لئے وہ کام کرے گا۔ غیر دیہاتی مجرم کو تجارتی کام میں لگایا جاتا ہے۔ اس کا آفیسر

غیر سرکاری آدمی ہی مناسب ہو سکتا ہے۔ راجدہ قیدیوں کے لئے ملیں۔
کارخانہ، فیکٹریاں، ریلوے، کانیں، ملازمت کا سامان دینا کر سکتی ہیں۔ اور
ایسے اداروں کی مدد کے لئے جیل کے افسران بھی منتظر رہتے ہیں۔

مثال کے طور پر کمٹی فوج (اسے پنجاب

لاہور پول جیل کے ابتدائی زمانہ میں کافی مفید کام کیا۔ ساہا سال تک مشہور رہا
ٹیکر) پولس کے لئے عارضی طور پر راجدہ بچوں کو
کمٹی فوج سے لے لیتے، اور ان کو کسی نہ کسی صنعتی کام میں ترمیم دیکر ان کے
گاہوں میں بھجوا دیتے۔ جہاں وہ جیل کے پرندے بننے کے بدلے سوسائٹی کے
باعزت فرد بن کے رہتے۔

اس فوج نے رنگون اور دوسرے مقامات پر بھی اچھا اور مفید کام انجام
دیا۔ ان مقامات پر کولونی کا سپرنٹنڈنٹ آزمائشی رانی کے آفسر کا کام انجام دیتا
اسی طرح جنگ عظیم کے دوران میں راجدہ بچوں کی ایک بڑی تعداد نے دھارم
میں کام کیا۔ جہاں ان کو "فوزمین" کے ماتحت رکھا گیا۔

پولس قسم کے اداروں میں نظر بند کرنے سے قید کا خیال استقامت نہیں
پکڑتا اس قسم کے قیدیوں کے لئے پنجاب اور مدراس کے صوبہ میں حکومت نے
ملازمتیں جائز کر رکھی ہیں۔ ممنوع قرار نہیں دیں۔ بہت سے تعلیم یافتہ بچے ان
اداروں کے چھاپے خانہ میں تربیت پا کر گورنمنٹ کے چھاپہ خانوں میں کام کرنے
کے لئے عارضی اور مشروط طور پر آکر کے بمعہ سے جاتے ہیں۔

بہت سے قیدی غیر سرکاری ملازمت حاصل کر لیتے ہیں جن کی ذمہ داری

ان کے مکان پر جوتی ہے۔ کرنل پاول نے اس سلسلہ میں ایک تنبیہ کی ہے۔
غیر سرکاری مکان بنگلان بچوں سے سستی مزدوری دیکر محنت
کام کرانا نہیں چاہئے ورنہ وہ اس سے گھبرا کر جرم کا اعادہ کر کے
جیل جانے پر مجبور ہوں گے۔

(انڈین پری انس باب ص ۱۱۱)

قیدیوں کی ماضی رہائی کے طریقہ سے جیل کی آبادی اور خرچ میں کمی پڑتی
ہے۔ اور یہ طریقہ مستقبل کے لئے انتہائی مفید ثابت ہو گا۔ اور اس سے قیدیوں پر
کوئی مضر اثر نہیں پڑے گا۔

۱۹۲۳ء میں پنجاب حکومت کی مقامی حکومت نے یہ قانون پاس کیا۔
کہ نیک چلن قیدیوں کو چند شرائط کے ماتحت رہا کر دیا جائے اس کا نام ”نیک چلن
قیدیوں کو مشروط طور پر رہا کر نیکا ایکٹ“

قرار پایا۔ اس قانون کا اصول یہ ہے۔ ”اگر حکومت ایک قیدی کے لئے جو خاص
معاہدہ کیلئے مفید کیا گیا ہے یہ محسوس کرے کہ وہ خاندانی ہے اور جیل کے دن بھی
اس نے نیک چلنی کے ساتھ گزارے ہیں اور آئندہ بھی وہ جرم سے اجتناب کریگا
اور نیک چلن جنتی رہے گا۔ تو اس کو مقامی حکومت مشروط طور پر ایک گورنمنٹ
آفیسر کے ماتحت یا کسی مذہبی ادارے یا کسی شخص کی ضمانت پر رہا کرنے کیلئے
تیار ہوگی۔“

یہ قانون بچوں اور بالغ قیدیوں پر یکساں عائد ہوتا ہے۔

اس قانون کے ماتحت تھوڑی سزا کے قیدی، قتل ڈاکہ زنی کے مجرم رہا نہیں کئے جاسکتے۔

پنجاب گورنمنٹ نے اس قانون کے عملدرآمد کے لئے ایک نیا محکمہ قائم کیا ہے جو کہ اصلاح قانون کے مجرم بچوں کی بھی نگرانی رہا ہے۔ اس کا سب سے بڑا آفیسر آئی، سی، ایس باپی، سی، ایس ہوتا ہے۔ اس افسر کے فرائض بہت زیادہ اور مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ وہ جیل کے انسپکٹر جنرل کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے اور مندرجہ ذیل امور کا ذمہ دار ہوتا ہے:-

- (۱) بوشل اور اصلاحی اداروں اور مشروط رہائی کے کاموں کی نگرانی۔
- (۲) بچوں اور بالغوں کی سرکاری کھیتی باڑی کا "نیک چلن قیدیوں کو مشروط طور پر رہا کرنے کے ایکٹ" کے ماتحت کل انتظام۔
- (۳) بچوں اور بالغوں کی سزائوں کے بارے میں کل اطلاعات، فراہم کرنا اور حق مقامات کی نگرانی کرانا۔
- (۴) بیمار اور بوڑھے قیدیوں کی رہائی کی سفارش کرنا۔
- (۵) مشروط رہائی کے لئے قیدیوں کا انتخاب کرنا۔ اور گورنمنٹ سے ان کی رہائی کے لئے سفارش کرنا۔
- (۶) گورنمنٹ کو مجرم بچوں کے ساتھ ہجر سلوک کرنے کے طریق بتانا۔
- (۷) قیدیوں کی رہائی کے بعد نگرانی کرنے کا انتظام کرنا۔

یہ قانون اپریل ۱۹۲۷ء سے جاری ہے ۳۱ دسمبر ۱۹۲۷ء تک ۹۹ قیدی لائسنس پر رہا کئے گئے۔ ان میں سے چھ کے علاوہ باقی تمام پر اچھا اثر پڑا۔

صفحہ ۶۱۵ کے رفا شدہ قیدیوں کے پیشوں کا اندازہ حسب ذیل کیا جاتا ہے۔

گورنمنٹ ریفا میٹری کھیتوں پر۔ نر و سنگری — ۸۷ آدمی

محکمہ زراعت ————— ۲۲ "

فرم اور زمیندار ————— ۱۲ "

جلد سازی ————— ۱۳ "

مستری اور کھدائی کا کام کر نیوالے ————— ۱۴۸ "

قیدی رہا ہونے کے بعد خوش و خرم رہتے ہیں اور یہ محسوس کرتے ہیں کہ اگر انہوں نے ان آسان قوانین کو نہ مانا تو وہ جیل واپس بھیج دئے جائیں گے۔ وہ اس سے واقف ہوتے ہیں کہ اگر وہ دیا مندری سے کام کریں تو ان کی تنخواہ بڑھ جائے گی اور ان کو معافی جی زیادہ ملے گی۔ اس لئے ان میں ذمہ داری اور خود داری کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے آپ کو آزاد زندگی بسر کرنے کے قابل مہلتے ہیں جس سے ان کی زندگی سندر جاتی ہے۔ اور اس طرح سے حکومت کے مستقل حشر ج میں بھی کمی ہو جاتی ہے۔

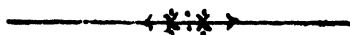
ہر وہ قدم جو جیلوں کی آبادی کی کمی کے لئے اٹھایا جاتا ہے اس سے حکام جیل کا کام کم ہو جاتا ہے اور کمال سکون کے ساتھ بقایا قیدیوں پر توجہ دینے لگتی ہے موجودہ وقت میں جیلوں کی آبادی انکی مکانات سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس صورت میں اصلاحی اقدامات کا کامیاب ہونا نامکن ہے۔

تمام ہندوستان میں پنجاب ہی ایک صوبہ ہے جس نے جی، سی، پی، پی، آر، ایکٹ (یعنی نیک وطن قیدیوں کو مشروط طور پر رہا کرنے کے قانون) کے تحت

قدم اٹھایا۔ دوسرے صوبوں میں ایڈوائزی بورڈ کے مشورہ کے مطابق رد کیا جاتا ہے۔
 مگر اس میں دو بڑے نقصانات ہیں۔ (۱) رد کی جتنی سے پہلے قیدیوں کو آزاد زندگی
 بسر کرنے کی تربیت نہیں ملتی

(۲) جب وہ رہا کئے جاتے ہیں تو گورنمنٹ ان کے رویہ اور کاموں پر کوئی نگہداشت
 نہیں ہوتی۔

جی۔ سی۔ پی۔ پی۔ آر، ایکٹ نہایت ضروری غلا کو برکرتا ہے۔ اور یہ
 نہایت دانشمندانہ اقدام ہے۔ جو دوسرے صوبوں میں بھی نافذ کیا جائے۔
 پنجاب اور شمال مغربی سرحدی صوبہ کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ یہ قانون
 دلوں کے لئے موافق و مناسب ہے۔ یہاں زیادہ تر جنگجو طبقے بستے ہیں جو اکثر
 جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ خون کا بدلہ لینا یا مولیٰ جانا ان کا شیوہ ہوتا ہے
 اس کو وہ جرم تصور نہیں کرتے۔ ایسے مجرم خاص طور پر پولس اور جی۔ سی۔ پی۔ پی۔ آر
 کے قانون کے اصولوں کے ذریعہ بہتر بنائے جاسکتے ہیں۔



اتفاقی مجرم

ہندوستان میں پہلی مرتبہ کے سزایافتہ قیدی کو ”اتفاقی مجرم“ اور انگریز میں ”پہلی بار کا مجرم“ کہا جاتا ہے۔ لیکن ان دونوں مقامات پر اس کا مطلب یہ نہیں لیا جاتا کہ اس مجرم نے پہلی ہی مرتبہ جرم کیا ہے۔ بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ پہلی بار گرفتار ہوا ہے۔ پہلی مرتبہ گرفتار ہو نہیوالا کسی جرائم کے ارتکاب کے بعد ہی گرفتار ہوا کرتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ پہلی مرتبہ جرم کرے اور گرفتار ہو جائے۔

قیدیوں میں سزائوں کی وجہ سے جو درجہ بندی کی جاتی ہے وہ انتہائی مفید ثابت ہوتی ہے۔ اور پہلی بار کے مجرم اس سے کافی سہا کر جاتے ہیں۔

انگلستان میں اتفاقی مجرم کیساتھ سلوک | انگلستان کی برسٹل درسا ہوں میں ۱۶ س

۲۱ سال تک کے عادی کسں مجرموں کے لئے مخصوص ہوتی ہیں۔ بلوغ مجرم جو کہ پہلی مرتبہ عدالت کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ دو شاخہ و نادر ہی جیل میں بھیجے جاتے ہیں انہیں عام طور پر ضمانت یا آزمائشی رہائی پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یا ان کو کوڑوں یا جرمانوں کی سزا دی جاتی ہے۔ انگلستان کی جیلوں کی آبادی میں تخفیف کی وجہ درحقیقت آزمائشی رہائی کا اصول اور جرمانوں کی ادائیگی کی مہلت دینے کی اجازت ہی ہے جس سے بہت سے شریف انسان جیلوں کا منہ تک نہیں دیکھتے

اور اس سے جھٹکا حاصل کر لیتے ہیں۔ ان کا اگر جرم سنگین ہوتا ہے تو ان کو لازمی طور پر ذیل میں بھیجا جاتا ہے۔ جرم کی مناسبت سے جیل بنی ہوئی ہے جو جاتی جس جرم کا ہوتا ہے اس کو وہاں جانا پڑتا ہے۔ پنچا پنچہ رو تین جیلوں کے حالات ملاحظہ کیجئے اس میں مجرمین کے ساتھ ہوسلو کر کیا جاتا ہے اس سے انکا اندازہ لگ جائیگا۔

دینڈز ورتھ) جیل خانہ لندن کے کئی خانوں

کے مجرموں کے رکھنے کا ایک مرکز ہے جہاں سات سو قیدیوں میں سو تقریباً دو سو سیش کلاس میں رکھے جلتے ہیں۔ یہ ۲۱ سے ۲۶ برس کے بٹھ جانے والے جوان ہوتے ہیں جن کی سزا چند دنوں سے دو سال تک ہوتی ہے۔ انکو طویل عمر ماننے اور عادی مجرموں سے علیحدہ رکھا جاتا ہے بالعموم کی جیل میں ان کی کلاس سب سے مشکل اور دلچسپ شمار کی جاتی ہے۔ بغول گور زجیل بھی لوگ سب سے زیادہ مشکلات پیش کرتے ہیں۔ لیکن ان کی بد عنوانی زیادہ تکلیف دہ نہیں ہوتی۔ ہے جو شیلہ زجوان ایسی ہی توقع کی جاتی ہے۔ کئی ایسے خوش مزاج نوجوان ہوتے ہیں جنہیں معقول طریقے سے ترتیب دیجائے تو وہ باہر نکل کر انتہائی نیک سیرت نیک فصدت ثابت ہو سکتے ہیں۔

ان قیدیوں کو دوسرے قیدیوں سے نہ صرف علیحدہ رکھا جاتا ہے بلکہ خاص چنیدہ افسران ان پر مقرر کئے جاتے ہیں۔ اور ہر ایک کار کارڈ وٹچی گور زجیل رکھتا ہے۔ ہر صبح ایک گھنٹے کے لئے ان کو جسمانی تربیت دی جاتی ہے۔ اور اس کے بعد کسی خاص صنعتی کام کی مشق کرائی جاتی ہے۔ پرمی لور

رائج مزدوروں کا کام وہاں زیادہ مفید سمجھا جاتا ہے۔ وہ اور اس کے ساتھ برٹش
پٹنا، دہلی کا کام اور قلعی گری بھی سکھائی جاتی ہے۔

ان میں سے کچھ قیدی اپنی تھوڑی سزا کی وجہ سے کوئی بھی تجارتی کام
نہیں سیکھ سکتے اور نہ تعلیم حاصل کر سکتے ہیں، البتہ شائستہ قیدی کو شارٹ ہینڈ
ڈرامنگ، نسیم گیری اور گانے بجانے کے درس دینے کی کھلی اجازت ہے۔ یہ
سارا تعلیمی کام رضا کارانہ طور پر کیا جاتا ہے۔ اور لاریب، اس سے قیدیوں کو بڑا
فائدہ بھی پہنچتا ہے۔ مذہبی اور روحانی تعلیم بھی پادری کے ماتحت دی جاتی ہے۔
ان کا فرض یہ ہوتا ہے کہ یہ قیدیوں پر مفید و موثر تعلیم کا اثر ڈالیں۔ اور قیدیوں
کی امدادی سوسائٹی کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے قیدیوں کی خانگی مشکلات کی
چھان بین کر کے ان کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ ہر دزیر کے سپرد ہفتہ وار
بارہ قیدی سپرد کر دئے جلتے ہیں۔ اگر ان کی ستورات سے متعلق کوئی کام ہوتا
ہے تو دزیروں کی بیویاں ان کو انجام دیتی ہیں۔ اور ان کے گھروں میں جب کر
دریافت کرتی ہیں۔

رائی کے بعد ان قیدیوں کی دیکھ بھال امداد قیدیان کی سوسائٹی کے
سپردہ ہوتی ہے جس کی جیل میں ہفتہ وار ٹنگ ہوتی ہے۔ جو غیر سرکاری
دزیروں کے پیش کردہ تجاویز پر غور کرتی ہے اس کمیٹی کا خرچ سلسلہ تک تیرہ
سو پونڈ سالانہ تک پہنچ گیا تھا۔ جو سوائے دو شلنگ فی کس سرکاری گرانڈ کے
تمام رضا کارانہ چندوں سے سارا کہا جاتا ہے۔ اس کمیٹی کی طرف سے دو تنخواہ
والے بحنت ہوتے ہیں جو ہر شدہ قیدیوں کے لئے کام تلاش کرتے ہیں۔ اور

ان کی ترقی کی دیکھ بھال میں مصروف رہتے ہیں۔
یہ مختصر کیفیت اپنے اندر بہترین نکات رکھتی ہے۔ جس سے ہندوستانی
جیلوں کے اتفاقی قیدیوں کا حل ہو سکتا ہے۔

(۱) اتفاقی مجرموں کو عادی مجرموں سے علیحدہ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔
جس کو تمام ہندوستان میں تسلیم کیا گیا ہے اور کل صوبوں میں محبت
کے ساتھ قبول کیا گیا ہے۔

(۲) قیدیوں کو کئی مفید تجارتی کام سکھانے کی اہمیت۔

(۳) بنیادی تعلیم اور پیشہ ورانہ تربیت کی ضرورت ہے۔

وینڈزور تھ جیل میں دن کے کام ہونے کے بعد شام کو تعلیم دی جاتی ہے
لیکن ہندوستان میں یہ سلسلہ اس وقت تک جاری نہیں ہو سکتا جب تک قیدیوں
کو صحیح و درست روشنی سے بہتر روشنی اور اچھے قسم کا کمرہ مہیا نہ کیا جائے۔

(۴) ایسی جیل میں رضا کارانہ طور پر کام کرنے والوں کی ضرورت ہے جو کہ استاد

بھی ہوں اور غیر سرکاری درپٹروں کا کام بھی انجام دے سکتے ہوں، موجودہ

اشاف سے تعلیم کا انتظام تمام ہندوستانی قیدیوں کے لئے نہیں

ہو سکتا۔ اور اس کا چلاننا ممکن ہے۔ اگرچہ کچھ حد تک تعلیم یافتہ قیدی

کے ذریعے یہ کام کیا جاسکتا ہے یعنی قیدیوں کو بڑھایا جاسکتا ہے مگر

تمام قیدی سبھی اس سے استفادہ حاصل نہیں کر سکتے۔

(۵) ہمیں آخر میں رہا شدہ قیدیوں کی امدادی سوسائٹی کی طرف توجہ دینی چاہیگی

اور ساتھ ہی پہلک سے نیا خانہ امداد حاصل کی جائے گی۔ جو قیدیوں کی

فی کے بعد ان کے کام آسکے ۔

لندن کا دوسرا بڑا قید خانہ ورم وڈ سکر ب (

ہے جس میں تیرہ سو قیدیوں کے لئے کوشخریاں ہیں ۔ قیدیوں کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے اس جیل کی آبادی تقریباً ۶۴۰ ہے اور اس میں دو قسم کے قیدی ہیں (۱) پہلی مرتبہ کے باطل مجرم جنکی سزا بائچ دن سے لیکر دو سال تک ہو ۔

(۲) وہ مجرم جس کی بوشل کا سلوک ختم ہوا ہو اور جیل کا لائسنس ضبط کر لیا گیا ہو ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ رکھا جاتا ہے ۔

پہلی مرتبہ کے قیدیوں کے ساتھ عام قید خانوں میں نرم سلوک کیا جاتا ہے ان کی قید کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے ۔

کم از کم ان کی تربیت کا عرصہ چھ ماہ ہوتا ہے ۔ ان مجرموں کو اس میں اضافہ زیادہ سے زیادہ آزادی دی جاتی ہے ۔ اور ان پر اعتما کیا جاتا ہے ۔ باقی تفصیلات وینڈزور تھ کے جیل خانے سے ملتی جلتی ہیں ۔

ان مجرموں کے لئے جن کو عدالت اسے سزا یا مشقت ملی ہو اور کچھ جیل نہ گئے ہوں ایک خاص جیل (میڈسٹون میں بنوایا گیا ہے)

اس قسم کے قیدی ہندوستان میں شاکلاس میں رکھے جاتے ہیں ۔ یہ کلاس ہندوستان کے تمام صوبوں میں رائج نہیں ہے ۔ اور اس وقت تک رائج نہیں ہو سکتی جب تک جیلوں کی آبادی مکانت سے زیادہ ہے ۔ اس جیل میں جہانی اور تجارتی تربیت کے علاوہ تعلیم پر بھی خاص توجہ دی جاتی ہے ۔ اور گانا بجانا اور کھیتی باڑی کی تعلیم بھی عام ہے ۔

میڈیٹون جیل خانہ میں، ۳۵ وزیر، ہندو استاد اور دو اقتصادی کارکن،
رضا کارانہ طور پر کام کرتے ہیں۔ تعلیم شام کو سائے چھ بجے دی جاتی ہے۔ وزیر
اپنے خرچ پر میلوں پر لکڑا بنے کاروبار کو چھوڑ کر جیں کے معائنہ وغیرہ کے لئے
آتے ہیں۔

کھیتی باڑی، فیم گیری، شورٹ ہیڈ معائنات، ام۔ اورنسٹ ایڈ کی تعلیم
دی جاتی ہے۔ فسرک زبان اور لہیات کے لئے جاتے ہیں۔ ۱۹۶۶ء میں
جمہوریت کا سرس کے امتحان میں ۴۷ امیدواروں میں ۳۶ امیدوار کامیاب ہوئے۔
فونے خاص درجہ حاصل کئے۔ اور دو کو استاد کی سند ملی۔ فسط ایڈ میں ۵۰ میں
سے ۴۷ پاس ہوئے اور شورٹ ہیڈ میں ۵۷ میں سے ۸۶ کامیاب ہوئے۔
ایک اور خصوصیت اس جیل کی یہ ہے کہ ہر سال کچھ مغرب شدہ قیدی تین
منفقہ کے لئے تبدیلی ہوا کی غرض سے ۱۰ گھنٹہ کے جزیس کے کمپ ہل پر جو نعر بندوں
کے قید خانے ہیں ان میں بھیجے جاتے ہیں۔ یہ لوگ کشتی کے ذریعہ واپس پہنچتے ہیں اور
کھلی ہوا میں رقت گزارتے ہیں اس تبدیلی کا جسمانی اور دماغی اثر نہایت کامیاب
نمات ہوا ہے اور وہ اس جیل کی ایک مستقل ضرورت بن گئی ہے۔

دیکھیلہ جیل خانہ بالغ قیدیوں کی تربیت کے لئے بنایا گیا ہے جس میں پہلی
مرتبہ کے قیدی خاص طور پر بھیجے جاتے ہیں۔ اس جیل میں قیدی کے جب بھی جائزہ
جیکوہ کم از کم چھ ماہ یا زیادہ سے زیادہ ایک سال اپنی قید کی مدت کسی دوسری جیل
میں گزارے۔ تھوڑی سزا کے قیدی اس جیل سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتے۔
پاکستان میں دیکھیلہ جیل خانہ سب سے بڑی جیل خانہ شمار کیا جاتا ہے۔

اس کی تاریخی حیثیت بھی ہے۔

زمانہ سابقہ میں یہ پہلا جیل تھا جس میں صنعتی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہاں بانگوں کو اس طرح تربیت دی جاتی تھی جس طرح بوسل میں بچوں کو ٹریننگ ملتی ہے۔ یہ کٹسٹر (جیسے صنعتی علاقہ میں یہ جیل خانہ ہے جس میں ایک ہزار سے زیادہ کوشعریاں ہیں۔ یہ علاقہ انتہائی بھدا ہے۔ اس جیل کی صورت بھی انتہائی بھیانک ہے اس میں سیرج بہت کم دکھائی دیتا ہے ماحل گندہ اور خراب ہے اور بالکل گلاسگو) (زمانہ جیل کے مثل ہے۔

مشر بارکر چرل جیل خانہ جات پنجاب فرماتے ہیں،

”میں نے اپنے آخری سفر میں کیفیلڈ جیل خانہ کو کافی تبدیلی کی

حالت میں پایا“ (ایمیرزمنٹ ص ۱۱۱)

اس جیل میں ڈھائی سو قیدی تھے جو جیل کے کپڑے نہیں پہنتے تھے۔ ان کے بال فیشن اہل طریقے پر کاٹے جاتے تھے۔ اور ان کو صفائی کے لئے تیل باقاعدہ طور پر ملتا تھا قیدی خوش و خرم نظر آتے ہیں اور وہ قیدی نہیں بلکہ کارندے معلوم دیتے ہیں سب دن بھر کام میں مصروف رہتے ہیں۔ کیفیلڈ میں سست و کاہل اور نچے قیدیوں کے لئے جگہ نہیں۔ خاص طور افسران اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ کوئی قیدی بغیر کام کے اپنا وقت نہ گزارے جب ان مصروف و مشغول رہتا ہے تو اس کی توجہ برائی کی طرف رجوع نہیں ہوتی۔

جیسا کہ ۱۹۲۵ء کی قید خانوں کی رپورٹ سے ظاہر ہے:-

”جہان، صنعتی، دماغی، اخلاقی تربیت کے مکمل نظام پر عمل

درآمد قیدی پندرہ گھنٹے پہلے روزانہ کام کرتا تھا جس میں آٹھ گھنٹے صنعتی کاموں میں صرف کئے جاتے تھے۔ قیدیوں میں ذمہ داری کا احساس پیدا کیا گیا۔ اور تجربہ کے مطابق ان کے ساتھ سلوک کیا جاتا رہا۔

صنعتی تربیت کے ساتھ قیدیوں کو جسمانی تربیت دی جاتی تھی۔ جو ہفتہ میں ایک دن صبح کو ملتی تھی اور شام کو دو گھنٹے تعلیم پر صرف ہوتے تھے۔ اور شب کو سوانو سبجے بند ہونے سے پہلے ایک گھنٹہ کھیلنے کے لئے دیا جاتا تھا۔
 وکیفیلڈ مدراس کیگیٹر سنٹرل جیل (۱) سے

بہت کچھ ملتا جلتا ہے کیونکہ وہاں جی دستکاری۔ درزی کا کام۔ جفے کا کارخانہ اور دیگر صنعتیں کافی مکھائی جاتی ہیں۔ اور تجربہ رکھنے والے ادارہ کے مانند اس میں بھی ایک کمیٹی قیدیوں کی بھی خواہی کے لئے بنی ہوئی ہے۔ جو ان کے مفاد کی حفاظت کرتی ہے۔

وکیفیلڈ کی سکیم باغ مجرموں کے لئے ہوسٹل کا کام دیتی ہے جو بالعموم کے عادات پختہ ہو جاتے ہیں مگر تجربہ نے ثابت کیا ہے کہ اس طریقے سے بھی کامیابی کی امید کی جاسکتی ہے۔

انگلستان کی جیلوں میں قیدیوں کو سہارا دینے میں مہارت حاصل کرنا زیادہ آسان ہے۔ اس لئے کہ ان قیدیوں کی تعداد ان کی مکانت سے بہت کم ہے۔ اور افسران اعلیٰ طبقے سے متعلق ہوتے ہیں۔ روز میٹر رضا کارانہ طور پر خدمات انجام دینے والے ہوتے ہیں۔ جس سے افسران کے کام کا بوجھ کم ہو جاتا ہے۔ انجیل

میر ایک جیل خانہ پر سالانہ بارہ سو روپیہ خرچ ہوتا ہے برہا میں ایک سو بیس روپیہ سالانہ مدرس میں ۲۷ روپیہ سالانہ اور پولی میں ۹۵ روپیہ سالانہ خرچ کیا جاتا ہے اتفاقی مجرم پر خرچ شدہ رقم خیمہ کے اعتبار سے مفید ثابت ہوتی ہے لیکن اس کو نصب العین قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بہت سے اتفاقی مجرم حادثاتی مجرم ہوتے ہیں جن کو عادی مجرموں سے عائد رکھنا چاہیے۔ تب ہی جرم کا سلسلہ رک سکتا ہے۔

ہندوستان کے بہت سے صوبوں میں اتفاقی اور عادی مجرموں کی سیلے علیحدہ علیحدہ جیلیں ہیں۔ لیکن دوران مقدمہ میں ان دونوں قسم کے قیدیوں کو علیحدہ نہیں رکھا جاتا۔ عدالتی کارروائی مہینوں تک چلتی رہے جس سے اتفاقی مجرم پر عادی مجرم کا اثر پڑنا لابدی ہے۔ اس تباہ جرم کو روکنے کے لئے پولس افسران کو مجرم کی سزاؤں کے بارے میں اطلاعات ہم پہنچا کر جیل افسران نے گوش گزار کر لی چاہیے اور جیل تک صوبائی اخراجات اجازت دیں ان ہر دو قسم کے زیر سماعت قیدیوں کے لئے علیحدہ علیحدہ بارکس یا وارڈ بننے چاہئیں۔

قیدیوں کو ترقی دیکر نمبر وار (بندے جانے

کے اصول کی عام طور پر انگریزی حکام مخالفت کرتے ہیں۔ مگر انگلینڈ میں یہ نظام خاص طور پر پٹربرسٹ جیل خانہ میں زیادہ زور پر رائج ہے۔ گرچہ اس ادارے نام دوسرا ہے۔ یہ نظام ہندوستان میں اس وقت تک مقبول نہ رہا ہے گا جب تک جیل میں رات کو ایک جگہ سونے کے لئے بڑی بڑی بارکس استعمال کی جاتی رہیں گی۔ اس نظام کے متعلق بہت سے ہندوستانی ماہرین کی یہ پختہ رائے ہے کہ اس کے فوائد

نقصانات سے بہت زیادہ ہیں ؟

اس کا سب سے بڑا نقص عادی مجرموں والی جیلوں میں اتفاقی قیدی نمبردار کو لگانا ہے جس کو بند ہونا چاہئے ۔ درس اور صوبجات متوسط میں اس اصول پر عمل کیا گیا ہے ۔ اور عادی مجرم پر اتفاقی قیدی کو نمبردار نہیں لگایا جاتا ۔ اسی طریقے کی طرف دوسرے صوبوں کا رجحان پایا جاتا ہے ۔ البتہ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ ”کیفیلڈ کے“ ”یروگیسیوٹر فینگ سنٹر“ میں اتفاقی اور عادی دونوں مجرم داخل کر لئے گئے ہیں ۔

عام طور پر جتنی زیادہ بالغ اتفاقی قیدیوں کو ہوسٹل کے اصولوں پر تربیت دی جائے اتنے ہی اچھے نتائج نکلیں گے ۔ مستقبل کے لئے مہندہستانی جیلوں میں ہمارا یہی مقصد ہونا چاہئے ۔



دوبارہ مجرم یا عادی مجرم

جس طرح کس مجرموں کے واسطے پرہیز علاج سے بہتر ہے۔ اسی طرح مجرمانہ
 عادات ثانیہ کو درست کرنے سے بہتر افراد کو پیشہ کے طور پر جرم کرنے سے باز رکھنا،
 جب کبھی کوئی ڈاکٹر بیمار کے معائنہ کے لئے آتا ہے تو وہ بعض مریض کیسے
 دوائی ہی تجویز نہیں کرتا بلکہ مرض کے علامات کی فوری وجہ تلاش کرتا ہے۔ اور ساتھ
 ہی ان عام حالات کی بھی کھوج لگاتا ہے جس کی وجہ سے وہ علامات ظاہر ہوئیں
 مثال کے طور پر اگر مریض کو غار اور درد سر ہو تو وہ صرف بخار کی دوائی اور اسپرین
 دیکری ملین نہیں ہو جاتا بلکہ اصلیت کی تفتیش کرتا ہے۔ کہ یہ علامات طیریا کے جو اہم
 کی وجہ سے ہیں۔ جو کہ شہر کی دو دوہ ڈائری سے آگے ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا
 ہے کہ ڈائری کے بازار کی فضا مسموم ہے اور وہاں کھپوں کی ہمارے ہیں جس کا
 باعث اس علاقے کے باشندوں کی لاپرواہی اور نیپل کپٹی کے ملازان کی کاپی
 کو تباہی ہے۔ اور مریض کی موت کی وجہ بلا واسطہ مناسب قانون کی عدم موجودگی
 ہے۔

یہی حالت مجرم کی بھی ہے۔ جیسا کہ "ریگلز برائز"۔

نے کہا ہے۔

جرم مستقبل حاکمان قوم اور ماہر ان سائنس کے اہل میں ہوتا ہے

ہے۔ جن کی اصلاح ناممکن ہے۔ ان کا صرف یہی علاج ہے کہ ان کو لامحدود عرصہ کے لئے جیل میں رکھنا چاہیے۔

مجموعہ جرم جہاں کی وجہ سے جیل میں آتے ہیں ان کی تعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ قابل الزام جرائم میں جو سب سے زیادہ جرم کیا جاتا ہے وہ چوری اور نقب زنی ہے۔ اور ناقابل الزام جرائم میں بھیک مانگنا، آوارہ گردی کرنا اور اس سے گھنی شراب نوشی کرنا جرم ہے۔ اب بھی شراب نوشی کی وجہ سے انگلستان میں زیادہ سزائیں دی جاتی ہیں۔ اور دوبارہ مجرموں کی تعداد بھی اسی بنا پر ہے۔ قتل و قتل شراب نوشی جرم کہلانے کے مستحق نہیں۔ جرم محض دماغ اور جسم کی کمزوری پختہ ہے۔ شراب نوشی کی حالت میں انسان جرم کر بیٹھتا ہے جس کی وجہ سے اس کو اس کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

ہندوستان میں حالت اس کے برعکس ہے یہاں **ہندوستانی جرائم** شراب نوشی سے عادی مجرم بہت کم بنتے ہیں البتہ چوری، نقب زنی کی عادت ان کو عادی مجرم بنانے میں کافی حملہ ثابت ہوتی ہے گویا انگریز کو سرمایہ داری جیل دکھائی ہے۔ اور ہندوستانی کو غربت مجرم بنانی ہے۔

ہندوستان میں سے دھارسی چوروں اور ٹھگلوں کو کافی مٹایا جا چکا ہے مگر پھر بھی ایسے لوگوں کی تعداد موجود ہے جو گذارہ جرم اور گناہ ہی سے کیتے ہیں۔ اور اپنی چھوٹی عمر کے اولاد کو جرم کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

۱۸۶۶ء میں مدراس کی جیلوں میں ۱۵۴۰ ایسے قیدی تھے جو آوارہ

گروہی اور چوری کے الزام میں مقید تھے اور ضمانت داخل نہیں کر سکتے تھے۔
منہج ذیل تعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں عادی مجرم کافی
ہیں۔ اور ان کا مسئلہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔

دراس میں کل سزایافتہ قیدیوں میں سے تقریباً ساڑھے بارہ فی صدی
قیدی سابقہ سزایافتہ تھے۔ اور جن میں عادی مجرم سمجھا گیا وہ تقریباً ساڑھے
بیس فی صدی قیدی تھے۔ اس صوبہ کی جیلوں میں جو قیدی مقید تھے ان کی
عادی مجرموں کی اوسط تین ہزار روزانہ تھی۔ اس طرح پنجاب میں عادی مجرموں
کی روزانہ اوسط ۳۷۰۰ سے زیادہ ہے۔ اور چار بڑی بڑی جلیں عادی مجرموں
کے لئے ہی بنائی گئیں جو ان ہی سے چلتی ہیں۔

انسپیکٹر جنرل جیل خانہ جات صوبجات متوسط اور براہ عادی مجرموں
کے بارے میں فرماتے ہیں۔

باقاعدہ مجرم آبادی کا نصف حصہ عادی مجرموں کا ہے۔ اور
اس سے متناسب سے زیادہ مشکل ہے۔

مسٹریاؤل نے ہندوستانی عادی
عادی مجرموں کی قسمیں | مجرموں کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) پیشہ ورانہ مجرم، جو سمجھتے ہیں کہ جرم کرنے سے فائدہ ہوتا ہے۔ اور
پولس کو چمک دینا باعث فخر ہے۔ لیکن یہ مقابلتا تعداد میں کم ہیں۔

(۲) جو مانہ ٹولیاں، ان میں بہت سے لوگ اس لئے جرم کرنے لگے ہیں
کیونکہ تہذیب کی ترقی کی وجہ سے ان کا ذریعہ معاش چھین گیا ہے۔

مثلاً بنیائے لوگ جن کا پیشہ دیہاتوں میں اناج اٹھانے کا تھا ریلوں کی وجہ سے چھین گیا۔ اور جو چھپر بند طبقہ مثل فوجوں کے ساتھ جاتا تھا کہ ان کے لئے چھپر ڈال دیں وہ بھی بیکار ہو گیا۔ اب بھی آسانی سے مجرم ٹولہ بن سکتا ہے اگر پانچ ہزار شملہ کی پہاڑیوں کے رکشہ والے اچانک بی بی، بی، آسٹن موٹر کے استعمال کے رائج ہونے سے ذریعہ معاش چھوڑ بیٹھیں تو یقینی بات ہے ان کی طبیعت کا رجحان جماعتی بھل میں چوری اور ڈکیتی کی طرف ہو گا۔

(۳) بھیک منگوں کی حوصلہ افزائی۔

(۴) وہ نوجوان جو غربت و تعلیم نہ ہونے اور خراب ماحول کی وجہ سے یا آوارگی کی بنا پر چھوٹی عمر سے روزگار کے لئے کمر و فریب اور چالاکیوں سے کام لیتا ہو

دوبارہ مجرموں کا علاج | قدرتی طور پر اس کے دو حصے ہوں گے (۱) جیل سے باہر ۲ جیل کے اندر۔

(الف) ان عادی مجرموں کی ٹیڈی ریل فوج کے لئے جو مسلسل رہائی کے زمانہ میں پبلک اور پولس کے لئے پریشانی کا باعث بنتے ہیں اور جیل میں جا کر ٹیکس دہندوں اور حکومت کے لئے ہار ثابت ہوتے ہیں یہ ضروری ہے کہ ایسے طریقے نکلے جائیں جو رہا شدہ پہلی بار کے مجرم کو ایسا اندازہ زندگی بسر کرنے میں معین ثابت ثابت ہوں۔ تمام طریقے تمام حالتوں میں نیچے کے اعتبار سے ایک ثابت نہیں ہو سکتے۔ اس کی خاصیت و تاثیر کسی فرد کے حالی میں اور آغاز جرم پر منحصر ہے۔ مثال کے طور پر جس کو اتفاقی مجرم قرار دیا گیا ہو اس کیلئے

دیجی عمل نہیں کیا جائے گا جو مجرم گروہ کے ممبر کے لئے کہا گیا تھا۔ جس نے فوراً مہل میں اپنی میعاد ختم کی ہو۔ اول الذکر قیدی کی پوزیشن کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے لئے پردل آفیسر اور امدادی سوسائٹی کی ضرورت ہوگی۔ اور موخر الذکر قیدی کے لئے مجرم گروہ کی بستی میں تبدیل کرنا ہی بہتر ہوگا۔

دقتی رہائی کا طریقہ بھی انتہائی مفید ہے۔ جیل کی زندگی قید کو ایسی تربیت نہیں دے سکتی جس سے وہ اپنی ذات کو آزاد زندگی کے قابل بناسکے اس کے لئے لازمی ہے کہ وہ ایک درمیانی اسٹیج اختیار کر لے جبکہ آزاد زندگی کی عادت ڈالے۔ مجرم طبقوں کی بستیاں مثال کے طور پر اس کام کے لئے پیش کی جاسکتی ہیں۔ اور کئی صوبوں میں بالغوں کو لائسنس کی رہائی کے نام سے دقتی رہائی کے اصول پر عمل کیا گیا ہے۔ پنجاب میں یہی اصول بالغوں کے لئے رکھا گیا ہے جس کا نام "نیک جیل قیدیوں کی آزمائشی رہائی کا قانون" ہے۔

ایسی طریقہ پر عادی مجرموں کو بھی چلانا چاہئے۔ ان کے لئے بھی زندہ بستی بنانی چاہئیں۔ جس میں ان کو کھیتی باڑی یا ٹری کام ہوتا کرنا چاہئے۔ تاکہ قیدی جیل کے یکے ہوئے فنون سے رہائی کے بعد روزی کما سکیں۔

صوبہ پنجاب میں گزشتہ بائیس سال سے جرائم مجرموں کی بستیاں | پیشہ ٹولی کا انتظام ایک مخصوص محکمہ کے

سپر ویزر چکاسے جس میں تقریباً سولہ ہزار جسرڈ اشخاص داخل ہیں۔ ان میں سے دس ہزار سے زائد جرائم پیشہ بستیوں میں نظر بند ہیں۔ جس میں ۶۶۶ نرسمتی اور ۸ صنعتی اور ۳۰ ریفر میٹری بستیاں ہیں جو کہ تمام پنجاب میں پھیلی ہوئی ہیں۔ تعلیم

رہا، محض دس دھاتوں میں رہنے میں۔ یعنی پردہ معافی کے ماتحت آزاد زندگی کی اجازت دیدی گئی ہے بستی کے قیام کے دنوں میں ان لوگوں کو ذریعہ معاش طریقہ بتائے جاتے ہیں۔ اور کم سن قیدیوں کو بنیادی تعلیم اور پیشہ ددانہ تربیت دی جاتی ہے۔ اور کھیلوں پر بھی توجہ دی جاتی ہے جس سے دماغ اور جسم پر اچھا اثر پڑتا ہے۔

بستی کی زندگی میں پانچ سال سے دس سال تک کے عرصہ کے بعد قیدی کو دو سال کی آزمائشی رہائی پر چھوڑ دیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ اسے روزگار پیدا کرنے والا کام اور سکونت کے لئے ایک مکان مل جائے۔ جو لوگ دس سال سے بھی زیادہ بستی میں رہنے کی خواہش رکھتے ہیں تو ان کو زراعتی زمین کھیتی باڑی کرنے کے لئے دیدی جاتی ہے اگر وہ زراعتی کام سے واقف ہوتے ہیں۔

(دب) عادی مجرم کی سزا اتفاقی مجرم سے زیادہ طویل ہوتی ہے۔ اسی لئے اسے اصلاح کرنے کا موقعہ باہر کے نسبت اندر زیادہ مل جاتا ہے۔ معمولی سزائیں طریقہ علاج اور ان کا اثر کیسے ظاہر ہو سکتا ہے جبکہ اس مدت میں مجرم کی طبیعت کا اندازہ بھی نہ لگایا جاسکا ہو اچھے نتائج حاصل کرنے کے لئے زیادہ وقت کی ضرورت ہے۔

جرم کے اعادہ کو گھٹانے کے لئے ضروری ہے کہ جب مجرم حوالاتی کے طور پر دوبارہ جیل میں داخل ہو تو اس کے فیصلہ کا انتظار کئے بغیر اس کی اصلاح کے لئے قدم اٹھانا چاہئے انتظار کرنے سے بہت سا وقت اور محنت رائیگاں جائے گی۔ یہ انتہائی ضروری ہے کہ اتفاقی حوالاتیوں کو عادی حوالاتیوں سے

زیر سماعت مقدمہ کے دوران میں علیحدہ رکھا جائے تاکہ وہ عادی مجرموں کے خطرے سے محفوظ ہو سکیں۔ اس سلسلہ میں ہندوستانی جیلوں میں کافی اصلاح کی ضرورت ہے اور یہ اصلاح اس وقت تک قابل عمل نہیں ہو سکتی جب تک پولس اور مجسٹریٹ قیدی کی سابقہ سزائوں کے متعلق جیل حکام کو آگاہ نہ کریں۔

اثنائی اور عادی مجرموں کے لئے یہی مفید ہے کہ ان کی سزا کے پہلے چھ ماہ جرم کی روک تھام کے لئے صرف کئے جائیں۔ اور اگر ان کی سزا تھوڑی ہی ہو یعنی چھ ماہ یا اس سے کم تو سزا کو جرم کے روک تھام میں لگا دینا چاہئے۔

انسپیکٹر جنرل جیل خانہ جات صوبہ مدراس نقشن کرن کیرن فرمائے ہیں:-

تھوڑی سزا دے مجرموں کو کوئی فن نہیں سکھایا جاسکتا یا اصلاحی اثرات سے وہ مستفید نہیں ہو سکتے۔ اور موجودہ حالت میں معمولی سزا کوئی سزا ہی نہیں بلکہ یہ مدت محض جیل کی زندگی سے واقف کرانے کے مترادف سمجھنی چاہئے جس سے قیدی یہ خیال لے کر جیل خانہ سے باہر آتا ہے کہ آخر جیل اتنی بری جگہ نہیں، جو مجرم کو جرم کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

ہم اس برائی کو ایک برکت میں تبدیل کر دینا چاہتے ہیں اور وہ اس طرح کہ قیدیوں کو ایسا طہر تک سبق دیا جائے جس سے ان کو ہوش آجائے اور وہ سمجھنے لگے کہ مجرمانہ زندگی ایماندارانہ زندگی کے مقابلہ میں تکلیف دہ ہے۔

ہندوستان کی بہت سی جیلوں میں تھوڑی سزا دے قیدیوں کو آسان

آسان مشقت دیجاتی ہے۔ جو اصول غلط ہے۔ اور جس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ جرم کی روک تھام کے بجائے جیل کی زندگی باہر کی زندگی سے بہتر ہے۔ اور قیدیوں کے موج اٹانے کے لئے ہے۔

اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ جرم کی روک تھام کے اصول کو اختیار کرنے میں کافی مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے لیکن وہ ناممکن نہیں۔ اور بالآخر قیدی کو جس اصول سے فائدہ پہنچتا ہے۔

عادی مجرموں کے لئے بھی سزا کا پہلا حصہ جرم کی روک تھام کے لئے ہونا چاہئے تاکہ انہیں ڈسپلن سکھایا جاسکے۔ اور ان میں استوار فرمانبرداری محنت کرنے کی عادت پڑ جائے۔ اس کے بعد کسی قسم کی تربیت یا کوئی فن یا اخلاقی و روحانی تعلیم دی جاسکتی ہے۔

اتفاقی اور عادی مجرموں کے اکٹھے رہنے سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اس کا علاج ان کو علیحدہ علیحدہ جیلوں میں رکھنا ہے۔ اس اصول کو ہندوستان کے تمام صوبوں میں قبول کر لیا گیا ہے۔ لیکن ابھی تمام صوبوں میں اس پر عملدرآمد نہیں ہوا ہے۔ کچھ صوبوں میں عادی مجرموں کے لئے جیلیں بنادی گئی ہیں لیکن وہاں اتفاقی قیدی عادی مجرموں پر نمبردار کی حیثیت سے لگا دئے جاتے ہیں۔ یہ طریقہ مفید نہیں ہے۔ جس پر توجہ دی جا رہی ہے۔ اور بتدریج اصلاح پذیر ہے۔

اگر اٹ کوٹری بارکوں میں قیدیوں کو رکھا جانا ضروری ہے تو عادی مجرموں پر اتفاقی مجرموں کا نمبردار کی سلسلہ صحیح نہیں ہے۔ عادی مجرموں پر غلامی مجرموں کا ہی نمبردار لگانا چاہئے۔ اور اس کا انتخاب نیک چلنی اور اعتماد کی بنا پر ہونا چاہئے

نہ کہ رشوت کے بل بوتے پر۔

عادی مجرموں کی تقسیم

عادی مجرموں کو دو حصوں میں منقسم کیا جانا چاہئے۔
(۱) معمولی (۲) ناقابل علاج۔

پہلے قسم کے معمولی عادی قیدی عام طور پر نیک چلی اور ضریفانہ طریقے سے دن گزارتے ہیں۔ اور قاعدوں اور ضابطوں پر چلتے ہوئے اپنی مشقت پوری کرتے ہیں۔ اور بہت کم تکلیف دیتے ہیں۔

دوسرے قسم کے عادی مجرم مختلف ذہنیت کے ہوتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو جیل کے ڈسپن کو درہم برہم کرنا چاہتے ہیں۔ انھیں معمولی قیدیوں سے علیحدہ رکھنا چاہئے۔ اور مخصوص طریقے آزمانے چاہئیں۔ یہ قیدی پیشہ در مجرم ہیں جن کے خیالات سوسائٹی سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ جن کی اصلاح ناممکن ہے یا کافی محنت، کوششوں کے بعد سدھرتے ہیں۔

انگلستان میں ان ناقابل علاج عادی مجرموں کے قضیہ کو ”رکاؤٹی نظربندی“

(۱) کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش کی

گئی ہے اس کو سولہویں صدی میں ایکسپشیل قانون کے ماتحت اختیار مل گیا۔ جس کے بعد کمپ ہل پروہاؤٹ جزیرے میں ایک بڑی لاگت کی جیل تعمیر کی گئی۔

جہاں ان پیشہ در مجرموں کو رکھا گیا۔ شروع میں ان کی نظربندی لامحدود تاحیات تک رکھی گئی تھی لیکن پارلیمنٹ نے اس کو منظور نہ کیا بلکہ زیادہ سے زیادہ پندرہ سال اور کم سے کم پانچ سال کی مدت مقرر کی اور عام طور پر عمل پانچ سال کی ہی سزا دے گی۔ کئی نیک چلن تین سال ہی میں رہا کر دیے گئے۔ اس جیل کی اوسط آبادی

ڈبڑھ سو ہے اور اس کے تمام قیدی پہلے کسی نہ کسی جرم کی جیلوں میں ڈبکے ہیں۔ اس جیل میں مجرموں کی اصلاح کی طرف باغب کرنے کے لئے حوصلہ افزائی بھی کی جاتی ہے۔ کچھ فالتو سہولتیں بھی ملتی ہیں۔ یا ڈسپن ڈھیلا کر دیا جاتا ہے۔ کئی مرحلوں سے گزرنے کے بعد رہائی سے چھ ماہ پہلے "پریل لائن" پر رکھا جاتا ہے جہاں ان کا اپنا کمرہ ہوتا ہے۔ اور خود کام کرتے اور کھانا پکاتے ہیں۔ ہر قیدی پر اعتماد کر لیا جاتا ہے کہ وہ فرار نہ ہوگا۔ اور نہ ان کے مشقت کی نگرانی ہوتی ہے۔ اس رکاوٹی نظر بندی کے طریقے میں نقص ہے کہ نیک چلن مجرم دو سال میں پرول کی رعایت ملنے کے اسٹیج پر بھیجتے ہیں جس کے بعد آئندہ کے اصلاح کی امید جاتی رہتی ہے۔ پرول لائن کی مقابلتہ آزادی ہوتے ہوتے بھی قیدی خوش و خرم نہیں ہوتے۔ کیونکہ پرول لائن میں چار ہانچ سے زیادہ قیدی نہیں ہوتے۔ تب وہ جیل کی فلسفیانہ زندگی کے بعد تنہائی کی زندگی سے اُداس رہنے لگتے ہیں۔

نتیجہ کے اعتبار سے سلاسلہ سے لے کر جب سے یہ جیل آباد ہوئی، اب تک اس کے زائد قیدیوں میں سے ۴۴ فیصدی قیدی دوبارہ مجرم نہیں بنے۔

گرچہ یہ تعداد کامیاب معلوم نہ رہے لیکن یہ ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ یہ تعداد ان قیدیوں کی ہے جو انتہائی لاعلاج اور ناقابل اصلاح ہوتے ہیں اور جن کی گھٹی میں شیطنت سما جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے رکاوٹی نظر بندی کے اصول کو قانون لے بائیں لکھ کر دیا ہے۔

تاہم یہ فیصلہ کی کامیابی اس تجربہ کی تائید میں ہے جس سے ہم
 ہیں کہ برے سے برے قیدیوں کی بھی اصلاح ممکن ہے۔
 اسی جیل کے کزن مارکر فرمائے ہیں :-

میں کیمپ جیل کی جیل کے قیدی سے سلسلہ میں ملا تو اس
 بیل کے بارے میں اس کی یہ رائے تھی۔ اس سے پوچھا گیا
 کہ تمہاری رائے کا انتظام کیسا ہے تو اس نے جواب دیا بہت
 عمدہ کھانے کے متعلق دریافت کیا گیا تو اس نے کہا یہ بھی
 بہت عمدہ ہے اور کہا کہ جب کبھی میں کھانے پر بیٹھتا ہوں تو
 یوں سمجھتا ہوں کہ خدا کا شکر ہے کہ ”برطانیہ کے باشندے بنگیا
 ادا کر رہے ہیں“

ہندوستان میں بھی رکاوٹی نظر بند کی ضرورت ہے خواہ وہ کسی قسم
 کی ہو۔ چاہے محدود ہو یا لا محدود۔ مابہر ان تعزیرات۔ انکی باراک پر زور دینا ہے
 اور ہندوستان کے ہر صوبہ میں ناقابل اصلاح مجرموں کی تعداد بھی موجود ہے جنہیں
 اگر رکھا جائے تو مسلسل مصیبتوں کا باعث بنے گی اور معمولی جیلوں میں رکھائے
 تو نظام کو درہم برہم کرتے ہیں۔ ان کے رہنمائی اور جزیرے زیادہ مفید
 ہو سکتے ہیں۔ مگر اس کے ناقابل احمد قیدیوں کو کچھ سال کے لئے پورٹ بطور
 محنت کی تجویز ہوئی تھی لیکن بعد میں جزائر انڈمان
 میں رکھا گیا جہاں کامیاب خاطر خواہ ماحول ہوئی ہے

علاج

بقول ڈاکٹر جونس اٹھارہویں صدی سے قبل پچاس میں یعنی اورڈکی رپورٹ تیار ہونے سے پہلے انگریزی جیلوں میں تقریباً سالانہ پانچ ہزار قیدی علاج و معالجہ نہ ہونے کی وجہ سے مر جاتے تھے۔ ہر سال ۲۵ فی صدی اموات ہوتی تھیں انگلینڈ کی موجودہ حالت اس سے بالکل مختلف ہے ۱۹۲۶ء میں مقامی جیلوں کی شرح اموات صرف ایک ہزار میں تقریباً تین میں جیل ہسپتال میں بیماروں کی اوسط تعداد سالانہ ۴۲ فی ہزار ہے۔ اس سے دگنی تعداد بیرونی مریضوں کی ہوتی ہے۔

جو بیمار خطرناک اور چیر بھاڑ کا ضرور تمند مریض ہوتا ہے اس کو سول ہسپتال بھیج دیا جاتا ہے۔ جیل کے میڈیکل افسروں کا کام بہت سہول اور ہلکا ہوتا ہے۔ ان کا تعلق بیمار کے جسمانی حالات سے ہوتا ہے۔ اور زیادہ وہ بیماری کی روک تھام کرتے ہیں۔ جیلوں کی صفائی کا بہت خیال رکھا جاتا ہے۔ نئے داخل شدہ قیدیوں کو جراثیم سے پاک کیا جاتا ہے اور ان کا معائنہ جسمانی ہوتا ہے۔ اور شناخت اور ہی ان کو کوئٹینین اینٹیج سے گزرنا پڑتا ہے۔

اس احتیاط، اچھی غذا، مناسب کام اور ورزش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انگلستان کے ہر جیل کا قیدی باہر نکل کر جیل میں داخلہ کے وقت کی صحت سے اپنی صحت کو بحال کر لیتا ہے۔

دماغی حالت اور جرم | اس میں انگلستان کے جلی ڈاکٹر قیدی کی دماغی حالت پر زیادہ توجہ دیتے ہیں اور اپنے فرائض میں اس کو دلچسپ ترین حصہ تصور کرتے ہیں وہ جسمانی صحت کی طرف بہت کم خیال کرتے ہیں۔

۱۹۲۶ء میں کم از کم ۱۵۹۵ آدمی اور ۶۹۰ عورتوں کو دماغی مسائیل کے لئے جیل میں رکھا گیا۔ ان سب کا اچھی طرح امتحان کر کے ان کے دل و دماغ کی حالت کی رپورٹ کو عدالت میں پیش کرنا مقصود تھا۔ تفتیش میں ۲۳۰ پاگل نکلے اور ۱۹۸ دماغی طور پر کمزور۔

ہندوستان میں دماغی حالت کی رپورٹ خاؤنادرسی مانگی جاتی ہے۔ اور اس قسم کا قانون بھی ہندوستان میں موجود نہیں ہے۔ جیسا کہ ”انگریزی دماغی کمزوری کا قانون ۱۹۱۳ء“ انگلستان میں موجود ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ انگلستان دیوانوں کو پاگل خانہ میں بھیجا جاتا ہے۔ لیکن دماغی کمزوری کے غیر مدقہ مریضوں کو جیل میں رکھا جاتا ہے۔

اعاظم مداس میں بھی دماغی کمزوری والے لوگوں کے لئے ایک خاص جیل ہے جن میں سے منتخب کر کے گڑا پور جیل میں بھیجے جاتے ہیں اس میں تین سو کے قریب لوگوں کو رکھا جاتا ہے۔ اگر ڈاکٹر ان کی دماغی حالت کی طرف توجہ دیں تو پاگل قیدیوں کو جیل سے نکال کر دماغی نقص والے جیل میں زیادہ بھیج سکتے ہیں۔

ہندوستان کے لوگوں کی دماغی کمزوری کے مسئلہ پر ابھی تک کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ البتہ امریکہ اور انگلستان میں عدالتی انصاف کے سلسلہ میں بہت

کچھ کیا جا رہا ہے۔ اور وہ وقت دور نہیں جبکہ مقدمہ اور سزا کا دار و مدار ڈاکٹر کی شہادت پر ہو گا جو مجرم کی دماغی ذہنیست کے بارے میں دیکھائے گی۔

ہندوستان میں بھی دماغی صحت کی ایک ایسوسی ایشن بنائی گئی ہے۔ جو ہندوستانیوں کے درمیان کام کی سکڑات کا مطالبہ کرے۔ یہ حقیقت ہے کہ زیادہ امید افزا میدان ہندوستان کی جیلوں میں ہی نظر آئیگا۔ اور صوبائی جیل خانوں کے تحلیلی اس قسم کی امداد کو خوش آمدید کہیں گے۔ کیونکہ غیر تفتیش شدہ مجرم سے زبان بولی قوم پر کوئی بائیس بیڑا جاسکتا۔ وہ اس کے دور کر لے میں پیش پیش نظر آئیں گے۔

ہندوستان حکومت کی یہ پالیسی رہی ہے کہ جیل کو میڈیکل افسروں کے ماتحت کر دیا جائے۔ ارشقت، کپڑے، خوراک، اور صفائی کے نگراں بھی وہی ہوں۔ جو بیماری کے روک تھام اور علاج معاملے کے بھی ذمہ دار ہوں۔ لیکن یہ طریقہ انگلستان کے طریقہ کے بالکل برعکس ہے۔ وہاں صرف ایک جیل کا آفیسر میڈیکل آدمی ہے۔

انگلستان کے میڈیکل آفیسر کا اندازہ ہے کہ علم النفسیات کے ماہر ڈاکٹروں کی مدد سے دماغی کمزوری کے قانون کے مطابق نے جیل کی آبادی میں روزانہ دو سو قیدیوں کی اوسطاً ایک دائمی تخفیف کر دی ہے۔ اگر اسی طرح ہندوستان میں تخفیف ہو جائے تو ہر ایک صوبہ میں ایک جیل تو لازمی طور پر خالی ہو جائے گی اور اس سے جیل پر کام کو بھی فائدہ پہنچے گا کہ ان کو دماغی خرابی کے لوگ نکلے اور ادھر کام کر کے پریشان نہ کر سکیں گے۔

بیماروں کی جلیں | ہندوستان میں بعض بیماروں کے لئے علیحدہ علیحدہ جلیں ہیں۔ مثلاً تہق کے لئے مینگیاں برہا میں علیحدہ جلی تھی۔ اسی طرح ترجنا پٹی اور بلاری (دراس میں) پنجاب میں شاہ پور اور سی بی چند و اڑہ میں جی تہق کے مریضوں کے لئے جلیں بنی ہوئی ہیں اسی طرح کڑھیوں کو بھی جلیوں کے خاص خاص حصوں میں علیحدہ علیحدہ رکھا جاتا ہے۔

ہندوستانی جلیں | ہندوستانی ناگفتہ بہ حال مگر مجموعی اعتبار سے ہندوستان کی جلیوں میں بیماروں کا علاج انتہائی غیر اطمینان اندہ پریشان کن ہے۔ جانوروں کے ہسپتال میں جانوروں کا علاج جلیوں کے انسانی علاج سے ہزار درجہ بہتر کیا جاتا ہے۔ جلیں کے ڈاکٹروں کو قیدیوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر ہسپتال میں جب قیدیوں کے معائنہ کے لئے جاسا جاتا ہے تو قیدی ہسپتال کے داخلہ کے واسطے ڈاکٹر کے پاس آتے ہیں تو ڈاکٹر ان کے جوتوں کی بو سے مستعجب ہوتا ہے۔ خطرناک اور نازک مریضوں کو بارکوں سے گھسٹو گھسٹو کر لیا جاتا ہے۔ مریضوں کے سہارے کی چیزیں دودھ اور کھین بنی ہوتی ہیں۔

یہی سبب ہے کہ ہندوستان کی بعض جلیوں کے اساتذہ کا کوئی اچھا رکارڈ نہیں ہے بلکہ پنجاب کی جلیں مثلاً انبالہ، اولڈ منٹرل، لٹان، تیل، لاہور منٹرل جلیں، اور لاہور جلی اپنی لاہور دواہیوں کی بدولت کافی بدنام ہیں اور طبی دنیا کے ماتھے پر کانٹہ کا ٹیکہ بنی ہوئی ہیں۔

چنانچہ انبالہ جیل ہی کو لے لیجئے جہاں ڈاکٹر ایم، او کی ہدایت کے مطابق بیماروں کو نو، نو، دس، دس روز تک نسخہ تیار کر کے نہیں دیتا۔ ان کی دیکھ بھال نہیں کرتا اور بیماروں کو چھوٹا چھوٹا کمرن کو زندگی میں موت کے نقشہ دکھاتا ہے۔ اور جو بیمار ہسپتال میں داخل ہونا چاہتا ہے اس کو ڈاکٹر دھتکار دیتا ہے۔ محفوظ گالیاں دیتا ہے، حتیٰ کہ انتقال سے ایک روز قبل بھی مریض کو ہسپتال میں داخل نہیں کرتا اور اگر کرتا ہے تو کھالے کے لئے بعد از مرگ۔

غضب خدا کا اس ہسپتال میں کونین جیسی عام ردائی بھی مریضوں کو نہ دیکھتی تھی۔ اس کے لئے بیمار کو ترسنا پڑتا تھا اور جب کہیں جا کر اس کی جگہ سکنو نہ جیسی بھی دوائی ملتی تھی۔

عبداللہ قیدی ایک سال سکنہ خواجہ بانی باللہ دہلی (سوفی درمیان شب ۲۵-۲۶ نومبر ۱۹۴۲ء) بھی ڈاکٹر کی غفلت کی وجہ سے فوت ہوا۔ اس نے ڈاکٹر سے اپنا داخلہ ہسپتال میں انتقال سے ایک روز قبل کرنا چاہا مگر ڈاکٹر کے غور نہ کرنے کی وجہ سے نہ دی۔ رات ہوئی تو مطبخ میں تو سے پر روٹیاں ڈالتا ہوا فٹے کر کے مر گیا۔

چنانچہ اسی غور و فہم سے جو جی کا یہ نتیجہ نکلا کہ انبالہ جیل کے ہسپتال میں نومبر دسمبر ۱۹۴۲ء کے اندر قریب قریب اسی انتظام کا انتقال ہو گیا، اور ان سات ماہ میں کوئی دن ایسا نہیں گیا۔ جیل کی حالت نہ گئی ہو۔ اس پر انتظامی کو یکہ کر انبالہ جیل کے ۲۵-۲۶ پولیس قیدیوں نے مجبور ہو کر ۲۵ دسمبر ۱۹۴۲ء کو اسی مضمون کی ایک درخواست سپرینٹنڈنٹ انبالہ جیل کی مفت

وز چہل خانہ جات پنجاب کو بھیجی اور تحقیقات کا مطالعہ کیا جس کو سب سے کہاتے
میں ڈال دیا گیا اور ہسپتال کا نقشہ وہی کا وہی رہا۔

اولڈ سنٹرل ملتان میں اپنی دست کے اعتبار سے شاندار چل ہے
اس کا میڈیکل عملہ بھی اس کی شان کے مطابق کثیر ہے۔ تین ڈاکٹر اور ایک میڈیکل
آفیسر معہ کمپونڈروں کے تمام وقت کے ملازم ہیں۔ یہ علاوہ اگر دو جلیوں کا انتظام کرنا
چاہے تو بہ آسانی کر سکتا ہے مگر اس سے ایک چل کا بھی انتظام نہیں ہوتا۔ بیماروں
کو دو ایسے سینے میں بخل اور دیر لگائی جاتی ہے۔ کسی کمزور بیمار کو کہن لگایا جاتا
ہے تو سات سات روز کے بعد (جب اس کا ڈھیر بکل جاتا ہے) تب وہ ملتا ہے
دو دو بیماروں کو نصیب نہیں ہوتا بلکہ نمبر دار تمام دودھ منجم کر جاتے ہیں۔ اور
ڈاکٹر اپنے ان پہلوؤں کی خاطر مدارات عجیب و غریب طریقوں سے کراتے ہیں۔
ستمبر ۱۹۴۲ء کا مشہور واقعہ ہے کہ جگ لال سکھ متھرا نظر بند ۱۲۹ ڈیفنس آف
انڈیا رولز ۸ ستمبر کو رولڈ ہوئے۔ ڈاکٹر کچھ دن پہلے ان کا دودھ لگا چکا تھا۔ قاعدہ
کے مطابق رہا ہونے کے بعد اس دودھ کا اندراج کٹنا چاہئے تھا۔ مگر نہیں کٹا اور
وہ دودھ ہسپتال کے نمبر دار کو ملتا رہا۔ معلوم یہ عنایت رشوت کی مرمون منت
تھی یا جو دو سخاکی۔ البتہ مشہور ضرور یہ ہے کہ اس قسم کی عنایتیں رشوت کے
نذرانوں کے ہی بدست کی جاتی ہیں۔ پھر نوع اسی طرح ۸ دن تک نمبر دار کو دودھ
دیا جاتا رہا۔ ۸ ستمبر کو جب جگ لال ۲۶ ڈیفنس آف انڈیا رولز کے ماتحت
دو بار جھڑپ ہو گیا تو بھانڈا بھوٹا اور ڈاکٹر سے شکایت کی گئی۔ تو اس نے کہا
ایسا تو ہوتا ہی رہتا ہے۔

ان بدعنوانیوں کی وجہ سے ان آفسروں کی غفلت و سستی و تماہل ہے۔ وہ
بمشل تمام چھ گھنٹہ کے لئے ہسپتال میں آتا ہے اس کی عدم موجودگی میں ڈاکٹر سنیو
سیاہ کے ٹک ہے۔ منافی قانونیاں کرتے ہیں۔ بیماروں کو کپڑے اور چارپائی نہیں دیتے
بہ سہر رکھے اور مینوں پر لٹاتے ہیں۔ میڈیکل آفسر سے شکایت کی جاتی ہے تو وہ
اس کو اس طرح نظر انداز کر دیتا ہے جس طرح کالیہ اپنے آپ کو علم النفس کا ماہر سمجھتے
ہوئے قیدیوں کی تکالیف کی پرواہ نہیں کرتا ہے۔

لاہور سنٹرل جیل میں میڈیکل اسٹاف بھی دو ایٹوں کے استعارے کرانے میں محتاط
نہیں رہتا۔ اس میں سر اور دیوان سنگھ مفتوں ایڈیٹر اخبار ریاست اس جیل میں مقید
تھے۔ اور گاؤٹ کے مرض تھے۔ ان کو دو ایٹوں کا کچر دیا گیا تو شیشی کے منہ پر گاڑی
کا جالانا ہوا تھا۔ جو ظاہر کر رہا تھا کہ دو ایٹوں ایک دو ہفتہ کی بنی رکھی تھی ضرورت پڑنے
پر دسی اٹھا کے دیدی گئی۔ اور نیا کچر نہیں بنا یا گیا ہے۔

ہندوستان کی جیلوں میں کس قسم کی اذیت و بجاتی ہیں اور جیل کی اذیت نامہ
استعمال کس طرح ہوتا ہے۔ اس کو دہلی کے مشہور پولیٹیکل قیدی مولانا عبدالقدیر صاحب
نے اپنے ایک مضمون "جیل کی آپ بیتی" میں واضح طور پر بیان کیا ہے۔ وہ لاہور
جیل کے بدعنوانیوں کا خاکہ کھینچتے ہوئے فراتے ہیں۔

۱۔ انبالہ جیل اور لاہور سنٹرل جیل کی بدعنوانیاں میری نظر بندی کے زمانہ میں میرے سامنے ہوئیں
جن کو میں نے خود دیکھا اور بحثیں کر کے لکھا۔ ۲۔ واقعہ سرور دیوان سنگھ متنبی نے مجھ کو خود بیان کیا۔
۳۔ اخبار تمغہ دہلی ۱۰ مئی ۱۹۴۷ء

ادویات حیل فسران کی نظر

ادویات کا معاملہ طرفہ تھا شہ ہے
 ہوئی تھی اس وقت تک ہسپتال میں بہت سی ادویات نہیں تھیں۔ مثلاً سوڈا
 بائی کارب، سوڈا سلیکس، ٹھیکسین، ٹکس، وامایکا وغیرہ۔ یہ
 نہیں معلوم کہ کب سے ختم تھیں۔ یہ چیزیں ایسی تھیں جو روزانہ استعمال میں
 آتی ہیں۔ البتہ کیواسطے ان کا معلوم ہر چیز کہاں سے لی جاتی تھی۔ میرا مشاہدہ
 رہے کہ بچارہ کمپاؤنڈر روزانہ کافی مقدار میں ادویات دے دیا۔ دس ماہ مرہم ٹی افسران کے
 گھر کے مریضوں کے لئے لیا کرتا تھا۔ اس کی حالت بقیہ غریب کی جود سے کم نظر
 نہیں آتی تھی۔

یونانی مفردات کا عجیب و غریب طریقہ استعمال

ایک اور بات قابل ذکر
 ہے کہ یونانی مفردات
 عجیب و غریب طریقہ سے استعمال کرائی جاتی ہے۔ جن میں میٹھی، نورادر، رپوند
 یعنی چھانسنہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ ادویہ تمام چینی کے قسوں میں کھلی رہتی ہیں۔
 ایک پاؤ سے میں ہیں بچیس بچیس بوتلیں تیار کی جاتی ہیں۔ جن میں نہایت فراخ دلی
 سے تقسیم کیا جاتا ہے۔ ان کے نمبر مقرر ہیں۔ مثلاً ۵۰-۱۔ اس میں لیسی کا بائی تریب
 آدھ پاؤ، سوڈا بائی کارب ۱/۲ تولہ، سوڈا سلیکس ایک تولہ ہوتا ہے۔ باقی تل
 سا باقی۔ یہ کچھ زکام اور درد کے مریضوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ ۲۰-۱ میں رپوند یعنی
 کازال آدھ پاؤ، سوڈا بائی کارب ۱/۲ تولہ، پیپرینٹ ۳۰-۱ تولہ، باقی تل سا باقی
 یہ کچھ بڑبڑہی کے لئے ۳۰-۱ میں ۳۰-۱ میں آدھ لال آدھ پاؤ، نورادرین ٹکس۔

سو ڈابائی کارب پے اتولہ . باقی تل کا پانی ۔ یہ دونوں کسچہ کھانسی اور زکام کے مریض کے لئے تیار کئے جاتے ہیں ۔ اگر مریض کو ایک جڑ سے آرام نہ ہو تو اسے دوسرے نمبر کی پونٹ سے دوا پلا دی جاتی ہے ۔

میڈیکل عملہ کی ناواقفیت ڈاکٹر صاحب اور سول سرجن صاحب طب یونانی سے بالکل یک قلم بے بہرہ ہیں ۔ ان کو یہ نہیں معلوم کہ یونانی مفردات کہاں کہاں اور کس کس کے ساتھ نافع ہے ۔ اور کہاں مضر ، ان کا بدل کیا ہے ۔ ان کی مقدار کیا ہے ۔ کس مزاج ، کس نمبر کس موسم اور کس حالت میں کتنی دوا دینی چاہئے ۔ اور کس طرح ۔ یعنی جوش دیکر ۔ پیس کر ، گرم پانی میں ، بھگو کر ، پک کر ، سفوف بنا کر ، گولی بنا کر ، وغیرہ وغیرہ طریقہ پر دینی چاہئے ۔ کیا یہ علم طب یونانی ، ڈاکٹری ، انسانیت پر بیک وقت ظلم اور دھوکا نہیں ہے ۔



قیدیوں کے ساتھ رہائی کے بعد سلوک

دو سو سال کی بات ہے جبکہ جون ہارڈ جیلوں کا سب سے بڑا مصلح پیدا ہوا۔ اور بہت عرصہ تک اس نے اور اس کے جانشینوں نے قیدیوں کی حالت کو بہتر بنانے کی کوشش کی۔ ان میں سب سے زیادہ کام کرنے والے انجمن احباب کے ممبران دے گئے۔ جنہوں نے سترہویں صدی میں قیدیوں کی امداد کے لئے ایک جماعت بنائی تھی۔

اس جماعت کے قیام کے بعد ہمدرد خلائق انسانیں جماعتِ مہم دار قیدیوں نے اپنا وقت اور توجہ ان کی اندرونی حالت کو سدھارنے میں صرف کرنا شروع کر دی۔ لیکن اسی کے ساتھ انہوں نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ اندرونی جیلوں کی سدھار جب ہی کا سبب ثابت ہو سکتی ہے۔ جبکہ راشدہ قیدیوں کی امداد کی جائے۔ یہ امداد جرائم کے افساد اور سوسائٹی کی حفاظت کے لئے لازمی ہے۔

چنانچہ اس خیال و اصول کے ماتحت طے کیا گیا کہ ایک جماعت بنائی جائے۔ جس کی خاضیہ اطراف ملک میں پھیل جائیں۔ اور اس کے مددگار ملک کے گوشہ گوشہ میں ہو۔ اور وہ راشدہ قیدیوں کی اعانت کریں۔ اور رائے عامہ کی مدد سے موجودہ قانون میں مفید تبدیلی کرائیں۔

۱۹۲۱ء فروری ۱۹۲۱ء میں ہوئی تھی جس کے فنڈ میں ۱۰ ہزار معززین صوبہ نے ڈینے کے وعدے کر لئے تھے۔ چنانچہ مصلح میں چند ہونا اور سوسائٹیاں بننا شروع ہو گئی تھیں۔ فنڈ بھی کافی جمع ہو گیا تھا۔ لیکن چند سال کے بعد لوگوں نے پچھپیاں لینا آہستہ آہستہ بند کر دیں۔ صوبہ اور مصلح کی سوسائٹیوں نے بھی اپنا اپنا کام چلانا چھوڑ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت نے اس فنڈ کو سکيورٹی میں لگا دیا۔ اور ان کو خیراتی اداروں کے خزانچی کے حوالہ کر دیا۔

خزانچی کے حوالہ صرف ۲۵۵۰۰ روپیہ ہے جس کا نشانہ ہی سودا پٹر جنرل میں خانہ جات کو دیدیا جاتا ہے جو اس کو جیلوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ تاکہ رہائی پر قیدیوں کو کپڑے، اقدار، اور روپیہ سے امداد کی جاسکے۔ ۲۵۵۰۰ کے بڑے سرمایہ کے علاوہ کھنڈ سوسائٹی نے بھی ایک ہزار روپیہ دیا ہے۔ گورنمنٹ بھی ہندو سوسائٹی کی سالانہ گرانٹ دیتی ہے جو مذکورہ طریقہ سے خرچ کی جاتی ہے۔

۱۹۲۲ء میں بنارس کی امن بھانے رٹ شدہ مجرموں کی امداد کا کچھ کام کیا۔ مثلاً انہوں نے فیکٹریوں میں یا گھروں کی ملازمتیں دلا کر ان کی امداد کی مالی بھرجی یہ سجا ختم ہو گئی۔

۵ اگست ۱۹۲۲ء کو متھرا میں سوسائٹی بنائی گئی جس نے کچھ ہی سال کا مہلکا۔ ۱۹۲۳ء میں امداد میں ایک سوسائٹی بنی جس کو ڈھائی سو روپیہ کی صوبہ کے فنڈ سے مدد دی گئی۔ اسی سال الہ آباد میں بھی سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۹۲۴ء میں ہردوئی اور کھنڈ سوسائٹی ان مختلف کامیابیوں کے ساتھ

چلیں متھراسوسائٹی کے آئری سکریٹری نے رپورٹ کی کہ متھراسوسائٹی محض کاغذی ہے

چنانچہ وہ توڑ دی گئی۔ اب صوبہ کا تمام نظام درجہ بدرجہ ہے۔ صوبہ یوپی کو امن بھاقسم کی سوسائٹیوں سے اس سے زیادہ اور کیا امید کی جاسکتی ہے۔ جن کے بانیوں کو کوئی پبلک فڈیشن نہیں وہ جماعتوں کا ایسا ہی حشر بناتے ہیں ان کی نیتیں صاف نہیں ہوتیں جو قدم اٹھانے کے لئے، ملازمت کیلئے، وہ پبلک بھلائی کے لئے نہیں ہوتا۔ اس لئے آگے نہیں چلتے، ذرا سالانہ قدم ڈنگا دیتا ہے۔ آل انڈیا قیدیوں کی امداد سوسائٹی بھی ایسے لوگوں کے ہاتھوں تباہ ہوئی۔

بڑی شان و شوکت سے ۱۱ اپریل ۱۹۷۲ء کو نئی دہلی میں سر عبداللہ الامون سہروردی ایم ایل اے، بیرسٹریٹ لاسے اس کا افتتاح کرایا گیا اور اس آل انڈیا سوسائٹی کے ممبر بھی ملک کے مقتدر و معزز حضرات بنائے گئے۔ صدارت کی عزت لیڈی بہار کو بخشی گئی۔ اور جنرل سکریٹری کے سربراہان کو انجام دینے کے لئے مسٹر کت رام کالیہ نے اپنا نام پیش کیا۔

جنرل سکریٹری نے ایک ڈیڑھ سال بڑی سرگرمی سے کام کیا۔ یوپی کی بریلی، منی تال، کھنؤ، بنارس، الہ آباد اور صوبجات متوسط جیلپور، نرسنگہ پور، امراتلی اور ناگپور کی جیلوں کا معائنہ کیا، بڑے بڑے گورنروں سے ملاقات کی۔

تعلقات بڑھائے۔ اور جب مقصد عظیم ملازمت مل گئی تو یہ ”مصلح اعظم“ قید پور کی گردنوں پر منظام ڈھانے کے لئے چڑھ گیا۔ اور تمام رابطہ دروغوں کا کاروبار ڈھات کر دیا۔ نہ کوئی آل انڈیا سوسائٹی رہی اور نہ اس کا خیال، انگلینڈ کی ہوا کھانے کے بعد قیدیوں کے لئے مفروضہ بھدر دانہ نعرے بھی ختم ہوئے۔ اور اس کے برعکس قدم اٹھنے لگا۔

چنانچہ اب اس آل انڈیا سوسائٹی کا عرصہ سے کوئی اجلاس بھی نہیں ہوا۔ نہ کوئی اس کی ٹینگ ہوئی۔ کس سپر سی کی حالت میں ہے۔ ضرورت ہو کہ سوسائٹیوں کو خود غرض لوگوں سے محفوظ رکھا جائے۔

ان تمام ہندوستان کی سوسائٹیوں میں مفید کامیاب سوسائٹی مدراس کی رہی۔ اس صوبہ میں غیر سرکاری لوگوں نے جی دلچسپی لینا شروع کر دی۔ قیدیوں کی رہائی کے بعد کیا حالت ہوتی ہے اور ان کی زندگی کیسی ہے سب سے گذرتی ہے اس کا صحیح اندازہ اخبار ”اسٹین“ کی مندرجہ ذیل خبر سے لگایا جاسکتا ہے۔ خبر یہ ہے:-

ستیش چند رائے جس کو رہا ہوئے ابھی دو دن ہی گزرے تھے اس کو دوبارہ عدالت سے چھ مہینہ ہاشقت کی سزا ہوئی ہے کیونکہ وہ بلیا گھاٹ میں ایک مکان سے دو سالہ چمکولے جانیکی کوشش کر رہا تھا جو پکڑا گیا۔

مزم نے بیان دیا کہ وہ جب سے جیل سے رہا ہوا ہے وہ اس وقت سے بھوکوں مر رہا تھا۔ اس لئے چھ دی کرنے پر مجبور ہوا۔

یہ حقیقت ہے کہ جیل سے باہر جا کر قیدی کی انتہائی ناگفتہ بہ حالت ہوتی ہے دھیلے دھیلے سے محتاج نہ بننے کو کپڑا نہ ٹھہرنے اور رہنے کو کوئی ٹکڑا، بے سہارا دے بس ہوتا ہے۔

فیجہ ظاہر ہے۔ جمہوریہ آدمی مجرم کا خطاب دلاتی ہے۔ جس سے پبلک اور پولس دائمی پریشانیوں کا شکار بنتی ہے۔ اگر اس کی شادی کی جائے یا وہ شادی شدہ ہو تو اخطا اس کی اولاد ہی جرموں میں پرورش پائیگی اور مجرم بنے گی۔ اس قسم کے مقدمے صرف بنگال ہی میں نہیں ہوتے بلکہ ہر اس جگہ ہو سکتے ہیں جہاں کوئی قیدیوں کی امدادی سوسائٹی نہ ہوگی۔ اور قیدیوں کی اعانت پر کوئی توجہ نہ دے گا۔

ہندوستانی جیل گشتی کے مدیر اپنی رپورٹ میں اس بات پر سر رہی کہ رائی کے بعد قیدیوں کی امداد کی جائے۔ چنانچہ وہ اپنی رپورٹ کے باب ۱ پر ۲۵۲ میں فرماتے ہیں :-

راشدہ قیدیوں کی امداد سہری کے سٹے ایک قابل و مختصر جہازات کی ضرورت ہے اس امر کو عام شالستہ اور مندرجہ ذیل نے جو تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ ایک فرانسیسی مصنف لکھتا ہے :-

ہماری اصلاحات رائیگاں نہ گئی اگر قیدی کیراوی کے بعد ایک دم میں سے باہر نکال دیں گے۔ جبکہ زندگی کی مشکلات کا سامنا کرنے کے لئے کوئی اعانت و امداد قیدی کو حاصل نہ ہو۔

مشرقی و مغربی تصنیف میں لکھتے ہیں :-

بحرم کی زندگی میں وہ لمحہ زیادہ خطرناک نہیں ہوتا جبکہ اسے
سوسائٹی سے علیحدہ کر کے قید میں مقید کیا جاتا ہے بلکہ وہ لمحہ انتہائی
پریشان کن ہوتا ہے جبکہ وہ جیل کے دروازوں کے کھلنے پر دوسرا
میں واپس آتا ہے۔ اور اپنا کیرکٹر کھو چکا ہوتا ہے۔ اور خوشیوں
سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ جن کا وہ عادی ہو چکا تھا۔ وہ مہینوں
سالوں کی قید کی مصیبتیں برداشت کرنے کے بعد پریشان حالی
میں لوگوں کے درمیان آکر کھڑا ہوتا ہے۔ جبکہ اس کی جیب میں کوئی
پیسہ نہیں جس سے وہ اخراجات کو بھی پورا کر سکے۔

یہ چیزیں ہندوستان میں اتنی صحیح ہیں جتنی کہ دوسرے ممالک
میں قیدیوں کو رہا ہو کر کام کی تلاش میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں انکی
انفرادی کوششیں بیکار جاتی ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ اب
مناسب منظم سوسائٹی کا وجود مل ہی آگیا ہے جس سے راضیہ قیدیوں
کی امداد حاصل ہو۔ اور ہمارا خیال ہے کہ ان کی ترقی دینے کے لئے
جلد قدم اٹھانا چاہئے؟

اس مفید و کارآمد کام پر بہت سے تاواقف لوگ نکتہ چینی کرتے ہیں ان کا
کہنا ہے کہ اس قسم کے سوسائٹی کی ضرورت نہیں ہیں اور یہ گنجائش ہے
حالانکہ ان کو معلوم نہیں ہے کہ ہر سال یورپ کی جیلوں سے کم و بیش تیس ہزار
قیدی رہا ہوتے ہیں اور ان میں صوبہ مہاراشٹر کی جیلوں سے ۲۴۱۲۵ قیدی رہا
ہوئے جن میں ۲۰۲۵ قیدی ایسے تھے جو پہلے قید کاٹ چکے تھے۔ اگر ان کی

مستقل مدد کی جاتی تو وہ ہرگز دوبارہ جرم کے مرتکب نہ ہوتے اور ان کی کافی تعداد دوبارہ جیل خانے سے محفوظ رہ جاتی۔

ستیش چند رائے کی مثال کو مد نظر رکھتے ہوئے حسب ذیل اعداد و
پر غور کیجئے جو مختلف صوبوں، ضلعوں کی سوسائٹیوں کے ذمہ دار لوگوں نے
رد شدہ قیدیوں کے ساتھ کیں — مدرس سوسائٹی کی رپورٹ ۱۹۳۲ء
ملاحظہ ہو ۵

(۱) ایک سابق پولس جیل کے قیدی کو ۲۴ روز تک سوسائٹی نے کھانا کھلایا
اور کوشش کرنے کے بعد ٹیل ہسپتال مدراس میں وارڈوں کی جگہ ملازمت
دلوائی۔

(۲) ایک عارضی قیدی کو ایک ریسٹورنٹ میں اٹھارہ روپیہ کی ملازمت ملی
(۳) ایک پولس قیدی کو مینی ایڈکینیٹ میں قلی کی ۱۵ روپیہ پر نوکری ملی۔
(۴) ایک سابق قیدی کو بارہ روپیہ کی سہل میں سوسائٹی نے ملازمت دلوائی
اور ساتھ ہی اس کی بیوی کی ملازمت کی کوشش کی۔ چنانچہ دونوں ملازمت
کی وجہ سے خوش و خرم ہیں۔

(۵) ایک مسلمان کو بھوانی ہسپتال میں ملازم کرایا۔ دروازیہ سہلی میں ایک پولس
قیدی کو بھنگی کی ملازمت دلوائی۔ اور دوسرے پولس قیدی کو برہمپور

جیل میں وارڈز کی جگہ ملازم کرایا۔ اور ایک سابق قیدی کو کوٹلا میں موٹر ڈرائیوری کی جگہ دلوائی۔

یوپی کی سوسائٹی نے ستمبر میں ۲۹ - رہا شدہ قیدیوں کو یلوں ، ناگپور سیولٹی اور ایسے ہی اداروں میں ملازم کرایا۔ جورج بیٹس قیدی جس کو ۴۰۸ کے ماتحت سزا ہوئی تھی اور جس کے دلچپے اور ایک بیوی تھی اس کو مئی ۱۹۳۸ میں دس روپے ، جون میں پانچ روپیہ - جولائی میں دس روپے اور نکھتو جانے کے لئے اٹھارہ روپے دئے گئے۔

ان امدادوں کے نتائج پر نظر ڈالئے۔ کیا وہ قیدی جس کی ۴۴ - روز سوسائٹی نے کھانے کی امداد کی ہو وہ بغیر امداد کے جرم سے بچ سکتا تھا۔ کیا جن قیدیوں کو سوسائٹی نے ملازم کرایا اگر وہ ملازم نہ ہوتے تو جیل کا رخ نہ کرنے کرتے اور ضرور کرتے۔ لیکن ان کے لئے ان کے بھائیوں کی ہمدردی سدرہ ہوگئی ایسی مفید تدبیر کی مخالفت کرنا مناسب اور صحیح نہیں۔

لیکن اس کے معنی یہ ہیں کہ صرف چند غیر سرکاری لوگوں پر اتنے اہم کام کی ذمہ داری سونپ دی جائے اور اس ذمہ داری سے حکومت اپنے آپکو سبکدوش کرے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ امدادی سوسائٹیاں قیدیوں کے لئے رہبری کا کام دے سکتی ہیں۔ اور انتہائی مفید بھی بن سکتی ہیں مگر مکمل طور پر نہیں۔ یوپی کی سوسائٹی کی مثال بہتر سے سامنے ہے۔ اس طرح کی بد انتظامیوں کا شکار قیدیوں

کو نہیں بنایا جاسکتا۔ جماعتوں کے تجویزے ظاہر کرتے ہیں کہ قانون کے مقابلہ میں وہ آزاد ہونے ہیں۔ وہ انتظام مکمل بھی کر سکتے ہیں اور نامکمل بھی۔ اس لئے ضروری ہے کہ حکومت ہند اپنے سابقہ تجربہ پر عمل درآمد کرنے کے لئے صوبائی حکومتوں کو مجبور کرے کہ وہ قیدیوں کو آئندہ سے سزا و سپردہ جوار دینا لازمی کر دے تاکہ کسی طریقے سے کوئی قیدی امداد سے محروم نہ رہ سکے۔ اور جرم کی طرف مائل نہ ہو۔

پولیسکل قیدی

غلہ سسٹم کے بعد ملک کی آزادی کی جدوجہد میں جو شخص حصہ لیتا تھا۔
 اور آزادی کی حصول کے لئے خلاف قانون حرکت کرتا تھا اس کے ساتھ وہی
 سلوک کیا جاتا تھا جو چور، بد معاش اور ڈاکو کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس کو کوئی
 اہمیت نہیں دی جاتی تھی اور نہ اس کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک روارہا
 جاتا تھا۔ تقشیش میں جس طرح چور پر مار پڑتی تھی اسی طرح پولیسکل لوگوں کو
 کوٹا ہانا تھا۔ اور ماہ کے بل پر اقبال جرم کرانے کی کوشش کی جاتی تھی۔
 چنانچہ مولانا محمد جعفر تھانیسری جو سسٹم میں تحریک واپسان کے
 سلسلہ میں گرفتار ہوئے تھے اپنی تصنیف کاے بانی میں اپنی زود کو بی کا حال
 لکھتے ہیں :-

دوسرے دن فجر کے وقت پارس صاحب وغیرہ میری کوٹھی
 میں آئے اور مجھ سے کہا کہ تم اس مقدمہ کا سبب حال بتا دو
 تمہارے واسطے بہت بہتر ہوگا۔ میں نے کہا میں کچھ نہیں جانتا

۵ وقت اس عنوان پر آزادی کے ساتھ لکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ نہ چھونے
 کے برابر جو کچھ لکھا جاسکتا ہے وہ حاضر ہے۔

اس وقت پارس صاحب نے مجھ کو بہت دھمکایا اور پھر مارنا شروع کر دیا۔ جب میری ہار
حد کو پہنچی اور گر پڑا تو وہ باہر چلے گئے۔ اگلے دن جب میں روئے سے تھا
علی الصبح پارس صاحب پھر آیا اور وہی کارروائی شروع کر تھوڑی زد کو بکے
بعد مجھ کو اپنی گنجی میں بٹھائے۔ ہائی صاحب کے بنگلے میں بیگیا انہوں نے میری
خوفناکی انکار کرنے پر ایک کمرے میں لے گئے جہاں یہاں کہہ رہا تھا شروع
کیا۔ میں کہاں تک نکھوں اٹھ بجے رات تک مجھ پر یہ اس قدر مار پیٹ
ہوئی کہ شاید کسی پر سوئی ہو۔

کھانا پونہکل قیدیوں کی بھی یہی حالت تھی ان کو عام قیدیوں کی طرح رکھا
جاتا تھا۔ کھانا بدترین قسم کا ملتا تھا۔ صاحب تواریخ عجیب نے جیل
میں جیسا کھانا کھایا اس کی کیفیت ملاحظہ ہو۔

دور و ثیاں اور تھوڑا سا ساگ میرے چائے کیا گیا۔ ساگ میں
سوائے موٹے موٹے ڈنٹھلوں کے بقی کا نام نہ تھا۔ جن کا جہانا
بھی دشوار تھا روٹیوں میں قریب چوتھائی کے بالو اور مٹی ملی تھی۔
اس کے بعد اکثر جیلنیوں میں وقتا فوقتا رہ کر دیکھا تو سب جگہ
قیدیوں کا کھانا ویسا ہی پایا۔ کیونکہ قیدیوں کو دراصل جو خوراک
ملتی ہے اس سے ان کا پیٹ نہیں بھرتا اور جب ان کو گھیروں
پیسے سمجھنے دئے جاتے ہیں تو وہ مارے بھوک کے سیرد
گیہوں جبا جاتے ہیں یا کچا آٹا بانی میں گھول کر پی پیتے ہیں
اور کٹے کا وزن پورا کرنے کے واسطے آٹے میں بالو یا مٹی ملا

دیتے ہیں اور اسی طرح جو غمخوار تریکھیل کے باغوں میں پیدا ہوئی ہے اس کو جیل کے عہدیدار کھا جاتے ہیں۔ ناکارہ ڈنٹل جن کو مانور بھی نہ کھائیں گنڈاسوں سے کاٹ کر قیدیوں کے واسطے پکا دیتے ہیں۔

یہی نہیں بلکہ عام قیدیوں کے مقابلہ میں پولیس قیدیوں کے ساتھ انتقامانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ اور اردو ڈنٹل کرنے کے منصوبے کاٹے جاتے تھے۔ چنانچہ ۱۹۶۶ء میں لاہور سنٹرل جیل کے اندر پولیس قیدیوں کا جو جالان گیا تو ان پر یہ عتاب ہوا۔

کل قیدی ایک ایک قطار کر کے دروازہ پر بٹھا دئے گئے۔ سپرٹنڈنٹ جیل نے ان کا معائنہ کر کے غصہ کے ساتھ حکم دیا کہ ایک ایک آڑا ڈنڈا بھی ان لوگوں کے پاؤں میں ڈالو۔ چنانچہ ایک آڑا ڈنڈا جو ایک فٹ ۷ گز سے زیادہ لمبا ڈالیا گیا۔ یہ حکم الزامہ تعصب فقط ہم لوگوں کے واسطے تھا اور تمام جیل میں ہم نے کسی اور قیدی کے پاؤں میں یہ ڈنڈا نہیں دیکھا تھا۔ چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا نہایت مشکل ہو گیا اور رات کو بے بس پار کر سونا بھی محال تھا۔ (کالا پانی صفحہ ۷)

لباس عجیب و غریب ہوتا تھا۔ گیرہ اور کبل کا کتہ پاؤں میں بیڑی اور سان خطا کر دیتے تھے۔ اور اس پر طرہ یہ کہ اگر ڈاڑھی ہے اور کوئی مشرّع مسلمان ہے تو اس کی ڈاڑھی قمیج کی نکر کر دیا جاتی تھی

خانچہ جیل میں داخلہ کے بعد مولانا محمد جعفر تھا نیسری کو سب سے پہلے یہ رنج فرما سا نوحہ پیش آیا۔ آپ لکھتے ہیں:-

ڈاڑھی مونڈنے کا دستور | جیل خانے کے دستور کے موافق مندرجہ

ہماری ڈاڑھی مونچھ اور سر کے بال وغیرہ قراش کر منڈی بھڑسا بنا دیا اس وقت میں نے دیکھا کہ مولوی بچیا علی صاحب اپنی ڈاڑھی کے گرے ہوئے بالوں کو اٹھا کر کہتے تھے کہ افسوس نہ کہ تو خدا کی راہ میں پکڑی گئی اور اس کے واسطے کتری گئی۔

کاغذ کوٹنے کی مشقت | مشقتوں میں بھی پولیٹیکل قیدیوں کو سخت سے سخت مشقت دی جاتی تھی۔ کاغذ

کوٹنے کی ڈھینکلی کا کام جو جیل میں سب سے زیادہ سخت کام تھا اس کے لیے میں بھی جیل فسران گریز کرتے تھے۔ سوت کھولنے اور ردی کاغذ کے پھاٹنے کی مشقت تو عام طور پر دی جاتی تھی۔

پیدل چالان | جب قیدیوں کا چالان ایک جیل سے دوسری جیل میں جاتا تو ان کو جیل سے اسٹیشن تک لے جانے کے لیے پیدل راستہ طے کرنا پڑتا تھا۔ جس کا منظر یہ ہوتا تھا۔

”ہاؤں میں بیڑی، سر پہ بسترہ جس کو ایک ہاتھ سے تھامے

ہوئے اور دوسرے ہاتھوں میں ہتکڑی کی گھجیوٹ، اس پر

سہا بیوں کی مار مار، کہ جلدی جلدی چلو ریل علی با سگی“

نمک نکلنے پر بید کی سزا | سزائیں بھی معمولی معمولی خطاؤں پر دی جاتی

تھیں۔ تلاشی ہوتی اور ذرہ سا نیک بھی نکل آتا تو بیدیں لگائی جاتیں اور بولہ بان
 ہونا پڑتا تھا۔ غرض کہ وہ طریقہ جو ایک عام قیدی سبکے ساتھ برتا جاتا تھا وہ پھیل
 قیدیوں کے ساتھ بھی کیا جاتا تھا۔ انسان اور جانور برابر تھے۔ مہیرہ اور مٹی ایک
 دامن بکتا تھا۔

یہی صورت و حالت ۱۸۶۲ء میں ہی نہیں بلکہ ۱۹۰۵ء میں بھی قائم تھی۔
 ہندوستان کے مشہور قوم پرست لیڈر مولنا حسرت موہانی کے ساتھ جیل
 میں جو سلوک ہوا اس کو مولنا موصوف نے اپنے رسالہ میں اس طرح لکھا ہے۔
 ۴۔ اگست ۱۹۰۵ء سے قید سخت کا آغاز اس
 ۱۹۰۵ء کا لباس | طرح ہوا کہ کچہری سے جیل داہیں بیٹھتے ہی ایک

لنگوٹ ایک جاگلیا اور ایک کرتہ ایک ٹوپی۔ پہنے کو۔ اور ایک ٹکڑا ٹاٹ کا ادھ
 کبیل اوڑھنے بچانے کے واسطے اور ایک قدح آہنی بڑا اور ایک چھوٹا دیگر
 جو ضروریات کو رفع کرنے کی غرض سے مرحمت ہوا۔ ان چیزوں کے سوا قیدیوں
 کو اور کوئی شے پاس رکھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ابتدا میں بحالت نیم برہنگی
 فریضہ نماز کے ادا کرنے میں تکلیف ہوتی تھی لیکن رفتہ رفتہ اپنی مجبوری دیکھی
 کے احساس نے اس کا بھی جوگر بنا دیا۔

جیل کی سخت ترین مشقت چکی سے پہلے ہی روز سابقہ پڑا اور راتم نے
 بمصدق برسرِ اولاد آدم ہرچہ آید گزرد اس جبری خدمت کو بسر و حلیم قبول کیا۔
 اور تقریباً ساری مدت روزانہ ایک من آٹا پیسنے سے سروکار رکھا۔ حالانکہ عام
 قیدیوں سے بھی عموماً چکی ایک یا دو ماہ سے زیادہ نہیں پسوائی جاتی۔

ریل کا کرایہ علی گڑھ سے الہ آباد جیل کی روانگی اور وہاں پہنچنے پر جو تکلیف کا سامنا ہوا اس کی نسبت "مشاہدات زندان" فرنگ کے تحت میں مولانا تحویر فرماتے ہیں۔

گورنمنٹ نے کرایہ کے علاوہ دوسری ضروریات کے لئے ایک میسجز لیب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ راستے میں قیدیوں کی خوراک کے لئے ایک آنہ فی روز کے حساب سے ملتا ہے۔ وہ بھی نہیں ملا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دس سرے دن صبح تک تھوٹے سے بٹھے ہوئے جن کے سوا کچھ کھانے کو نہ ملا۔

کشیف و غلیظ بدبودار کپڑے الہ آباد جیل میں داخل ہونے کے بعد علی گڑھ جیل کے کپڑے اتر دلتے گئے اور کہا گیا کہ کپڑے کچھ دیر میں مٹس گئے اس وقت تک کپڑے پہنہ جن کی کیفیت یہ تھی کہ ان سے زیادہ کشیف و غلیظ اور بدبودار کپڑوں کا تصور بہ آسانی ذہن میں نہیں آتا۔ لیکن مجبوراً وہی کپڑے پہنے پڑے۔

کتابیں جلانا عینک بھی اتر والی گئی۔ حالانکہ علی گڑھ میں معائنہ کے بعد اجازت مل گئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد جیل صاحب نازل ہوئے اور میرے ساتھ کے تمام اخباروں، کتابوں اور کاغذوں کو باشتائے دیوان حافظ جلو کر خاکستر کر دیا اور دفتر میں حاضر ہونے کا حکم صادر فرمایا۔

مستحانہ سلوک دفتر میں مجھ کو غضب آلود اور قہر بارنگا ہوں سے دیکھ کر ارشاد ہوا کہ "اگر یہاں ٹھیک طور سے نہ رہو گے تو

اسپتال پہنچے جاؤ گے۔ اور وہاں مارکر خاک کرنے جاؤ گے۔“

اس کے علاوہ ان دفعہ اہل کو جو قیدیوں سے کام لینے

میں حکم ملا تھا کہ ان کے دماغ کی گرمی نکال دو۔

چنانچہ گرمی نکلانے کے لئے یہ قدم اٹھایا گیا کہ کچا فلدہ کھانے کے الزام میں پیشی کرائی گئی جس میں تین دن کی رہائی ضبط کی اور اس کے بعد خراب چکی و دیگر فلدہ کم پینے کے جرم میں دو دن کے لئے رات کو جکڑ پیاں ڈالنے کا حکم ہوا یہ سب کچھ وارڈروں کی معرفت ہوتا تھا۔ اس کا علم سپرنٹنڈنٹ کو کچھ دن بعد مولانا نکلتے ہیں :-

”میں چاہتا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ سے سب مال کہہ دو لیکن برقیان کو

پیشی اتار کر زد و کوب پر آمادہ پا کر میں نے خاموشی اختیار کی

اور معاملے کو خدا کے سپرد کیا۔“

ہر ہمنہ کر کے تلاشی لینا | جوں جوں قید کے ایام گزرتے تھے مولانا پر سختی ہوتی جاتی تھی۔ اور نائب حیدر خان نے

میں کوئی کسر اٹھانا نہ رکھتا تھا۔ کتابوں کا پڑھنا، کتابوں کا رکھنا حتیٰ کہ شاعری کی بیاض کو چھونا جرم تھا۔ ایک پڑھے لکھے اور عالم و فاضل انسان کے لئے علم و فہم کی یاد تازہ کرنا بڑا باپ سمجھا جاتا تھا۔

مولانا کے دوست منشی عبدالحق جو شعر و شاعری سے ذوق رکھتے تھے ایک روز اپنے ہمراہ متفرق اشعار و غزلیات کا ایک مجموعہ لے آئے۔ جسے میں آپس کے خوش مذاق قیدی نے اپنے دل بہلانے کے لئے مرتب

کیا تھا۔ وہ بیاض مولسنا کو دکھائی۔ مولسنا اس کو دیکھ کر مسرور ہوئے مگر اس واقعہ کی اطلاع کسی نے ناہب جلیہ سے کر دی۔ دفعہ گئی برقندازوں کے ہمراہ کچی خانہ میں آیا۔ اور فرداً فرداً ہر قیدی کو بالکل بوجہ کھکے تلاشی لی، مطلب تو اس کا مولسنا پر الزام لگانا تھا۔ مگر مولسنا کے پاس کچھ نہ نکلا مگر اس بہانے وہ ان کو برہنہ کر کے اپنی کم ظرفی کا ثبوت دے گیا۔

اس زمانہ میں خوراک کی بھی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ جوار، باجرا، پینا، سب کچھ پیشانی سید | ماش اور گیہوں کے مخلوط آٹے کی کچی روٹی دی جاتی تھی۔ جس میں گیہوں کی مقدار سے کچھ ہی کم مٹی یا چونہ ملا ہوا ہوتا تھا۔ روٹی کچی ہوتی تھی اور قانوناً چٹانک وزن کے ٹٹنے کے بجائے چھ چٹانک وزن کی روٹی ملتی تھی جس کو مولسنا حسرت نے ایک مرتبہ تول کر دیکھا۔ سبزی بھی انتہائی نفرت زدہ ہوتی تھی۔ اور خاص طور پر رات کو کھانا کرنے کا کوئی معقول انتظام نہ تھا جس سے بعض اوقات سخت تکلیف ہوتی تھی مولسنا فرماتے ہیں:-

صبح کو جب بارک کا دروازہ کھلتا ہے۔ تو سب قیدی ایک ساتھ باخانے جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سید سے قیدیوں کو آخر تک منتظر رہنا پڑتا ہے۔ اور کبھی کبھی جب گھنٹی سے کام لیا جاتا ہے۔ تو اور بھی زیادہ وقت کا سامنا ہوتا ہے۔ کیونکہ گھنٹی دو تین منٹ سے زیادہ پانڈے میں رہنے کی اجازت نہیں دیتی جس کے بعد بلا توقف باہر نکل آنا چاہیئے۔ اس بات کی پرواہ نہیں کی جاتی کہ کل قیدی

نارغ ہوئے ہوں یا نہ ہوں۔

۱۹۰۵ء میں عام قیدیوں کی طرح پولیس قیدیوں سے کہو لو
مشقتیں چلانا، کنواں کھینچنا، سوخ کوٹنا، چکی پینا، بان بٹنا وغیرہ
 مشقتیں بجاتی تھیں۔ اور مشقتیں پوری کرنے میں جیل کا تمام عملہ پولیس قیدیوں کے
 پیچھے پڑ رہتا تھا۔ اور اس کا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ پولیس قیدیوں کو ایک لمحہ بھی
 جین سے نہ بیٹھنے دیتے۔

انہی غیر شریفانہ سلوک اور ہیمانہ مشقتوں کا ذکر ارا بندو گھوش
کہو لو چلانا کے بھائی برنڈرکار اپنی جیل آپ بیتی میں کرتے ہیں ۱۵
 نئے سپرنٹنڈنٹ نے آنے ہی پولیس قیدیوں کو کہو لو میں جوت
 کرتیل نکالنے کا نیا دھندا پیدا کیا۔ ایک آدمی کو دن میں ۱۵ سیر
 سرسوں کا تیل بھکانا پڑتا تھا۔ بڑے بڑے پہلو انوکھے بھی کہو لو
 چلائے میں دم ٹوٹ جاتے تھے۔ پوری سہواں تھی۔ آٹھ دس
 منٹ میں دم چڑھ جاتا تھا۔ اور صق سوکھنے لگتا تھا۔ گھنٹے بھر
 میں تو اتھ پاؤں مٹی ہو جاتے تھے۔

خند گو بال نہجانی کھتری لو بے چوٹے جوان تھے۔ بغاوت کے جرم میں
 دس سال کے لئے کالے پانی بھیجے گئے تھے۔ یہ ”الآباد“ سوجا جیہ کے
 ایڈیٹر تھے جب کہو لو چلائے چلائے تھک گئے۔ تو انھوں نے انکار کیا، سپرنٹنڈنٹ

نے دیکھا کہ نندگوپال سے پندرہ سیر میں نکالنے کی امید نہیں ہے۔ اس لئے
 باؤں میں ڈنڈا بٹیری ڈاکٹر تا حکم ثانی رستگین تنہائی کو ٹھہری میں بند کر دیا۔

ادھر کو بہو چلا تے چلا تے اوناش چندر ادھر ہر ہو گیا۔ دس
 رکھشا چلا **اما** بچے کے بعد اس کی کام کرنے کی طاقت ہی داخل ہو جاتی
 تھی اعصاب بے حس ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ہمارے ساتھیوں کی صحت خراب
 ہونے لگی جس پر جیل کے افسروں نے حالت کو تبدیل کرنا ضروری سمجھا۔ اس لئے
 ہم میں سے چند ایک کو انتخاب کر کے کارنیشن دربار کے کام پر جیل خانے کے باہر
 عمارت کے کام پر بھیجا۔ بریڈر کمار کو مستری کے پاس گارا دینے کے کام پر بھیجا
 گیا۔ الاسکر کو اینٹ بنانے اور کسی کو لکڑی کاٹنے کے کام پر روانہ کیا۔ کسی کو
 رکھشا گاڑی کھینچنے پر لگایا گیا۔ یہ مشقت کالے پانی کے قیدیوں سے بلاروک
 ٹوک لہہ بلا بھجک لی جاتی تھی۔

یہ دور ایسا تھا تھا جس میں پولیٹیکل قیدی پر کوئی رحم نہیں کیا جاتا تھا بلکہ
 افسران جیل بدن بر ختیاں کرنے کو اپنی ترقی، فاداری کا باعث سمجھتے تھے۔ ان
 کا نظریہ یہ تھا کہ یہ حکومت کے باغی جس قدر ستائے جائیں گے اور پریشن
 کئے جائیں گے۔ اسی قدر حکومت کی ہم پر نظر عنایت ہوگی۔ اور ہم اونچے
 مدارج پر پہنچیں گے۔

چنانچہ مسٹر اچیت رائو کوئیل ایڈیٹر اخبار ناگپور پر جو سختیاں کی
 چھڑکھڑک **چھڑکھڑک** گئیں وہ اس نظریہ کی شاہد ہیں۔

آپ کو شروع میں ہی پتھر توڑنے کا کام دیا گیا۔ ایک قیدی کو ہر روز

چھ مریخ فٹ پتھر کے ٹکڑے ٹوڑ لے پڑنے سے مہنوڑی کی چوٹ سے انگلیاں
 پھوٹ پھوٹ کر علیحدہ ہو جاتی تھیں۔ پتھر کے ٹکڑے ہلکے ہلکے کر جسم کو زخمی کر دیتے
 تھے۔ اگر کہیں دانت اور ہونٹوں میں لگ جاتا تو جنم میں لپکھی آ جاتی تھی۔
 چنانچہ یہی حال وکیل صاحب کا ہوا۔ وہ کچھ عرصہ کے بعد روٹی پکانے، چکی
 پیسنے، کی مشقت پر لگائے گئے ان مشقتوں میں ان کے سارے پانچ ماہ گزر
 گئے۔ جیل افسران بھی ان سے غافل نہ تھے میں روپوٹیں کر چکے تھے جس کے
 نتیجے میں وکیل صاحب ہتھکڑی، بیڑی، ڈنڈا بیڑی، کھڑی ہتھکڑی اور ٹاٹ
 وردی کی سزائیں پا چکے تھے۔

ٹاٹ وردی کی سزا | ٹاٹ وردی کی سزائیں ان پر کیا گزری
 یہ انکی قلم سے سنئے۔

مارچ، اپریل اور مئی کے مہینوں میں صوبہ متوسط میں بڑی سخت گرمی
 ہوتی ہے لیکن ان تینوں ماہ مجھے بد قسمتی سے ٹاٹ وردی پہننی
 پڑی جن قیدیوں کو ٹاٹ وردی کی سزا دی جاتی ہے انھیں ناگہور
 جیل میں ٹاٹ کا کرتا اور ٹاٹ کا ہی لنگوٹ دیا جاتا ہے۔ دوسرے
 قیدی اپنی مرضی کے مطابق اپنا کپڑا گرمی میں اتار سکتے ہیں لیکن
 ٹاٹ وردی والوں کو ۲۴ گھنٹے برابر یہ ٹاٹ کی کٹٹے والی پوشاک
 پہنے رہنا پڑتا ہے۔ ٹاٹ وردی پہنے ہوئے پسینہ میں انکی
 نوکراں جھمن بدن پر چھتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی
 سوئیوں کے فرش پر سکر نپسا کر رہا ہے اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پرتے

ٹاٹ کے کانٹے بدن میں چبھتے تھے اس ہوشاک سے بچ سکتے تھے
ایک چلتا پھرتا دوزخ معلوم ہوتا تھا۔

اہری، مٹی کے دن ملتی ہوئی دھوپ کی گرمی، کانٹوں
سے چھلنی ہوا بدن، جسم پسینہ سے تر تر۔ نہانے کا نام نہیں،
پسینہ پوچھنے کے لئے بھی پاس کو رومال یا انگوچا نہیں ایسی
الت میں خیال کیجئے کہ کتنا عذاب سہنا پڑا ہو گا۔ ٹاٹ کے
کپڑے میں پسینہ کی بو کی سبب سلیکڑوں قسم کے کیڑے اہر ہو جی
پڑ گئی تھیں ہم کے تمام حصوں پر جو نہیں لام ہاندھے دوڑتی اور
خون چوستی تھیں اس بدبو کے سبب روٹی کھانے کو بھی دل نہ
چاہتا تھا۔

جسم پڑاٹ کی ودی تو پہلے ہی نصب ہو گئی تھی اسی
دقت پاؤں میں بیڑیاں بھی ملا کی گئیں۔ ان سب باتوں کا نتیجہ
یہ ہوا کہ مجھے بخار آنے لگا۔ سری رات بخار ہوتا رہا۔

یہ ظالمانہ اور جابرانہ مشقتیں یہ فرعون سی سختیاں کون برداست کر سکتا
تھا۔ چنانچہ بعض غیر تمند پوشیکل تمدنی بے عرقی اور گالیوں سے
گھبرا کر خود کشی کو بہتر سمجھتے تھے چنانچہ بالواسطہ اندکھارے سے مراقبوں کا ذکر اپنی
آپ جی میں کرتے ہیں۔

اس وقت ایک دردناک واقعہ ہوا اندو بھوشن نے خودکشی کر لی۔
 اس کا مضبوط جسم، سخت سے سخت کام میں لپی نہیں گھبرا سکتا لیکن وہ بے
 عزتی اور گالیوں سے پاگل ہو جاتا تھا وہ کہہ کر دیتا تھا کہ اس بے عزتی سے
 جینا میرے لئے ناممکن ہے۔ ایک دن رات کو اپنا کرتا بھاڑ کر اسے رتی
 بنائی اور کھونٹی سے بازو کھڑکے میں پھنسا ڈالا گیا۔
 پاگل پن | پاگل بننے کی نسبت بھی سن لیجئے، کس طرح پاگل اور دیوانہ
 بنائے جاتے تھے۔

اس وقت جتنے قیدی باہر گئے تھے، جیل میں وہ بس آنے لگے، کچھ
 تو اس لئے کہ باہر کام عمارت کا ختم ہو گیا تھا اور کچھ بیمار ہو کر، الا سکوت
 بھی واپس آ گیا۔ اسے دھوپ میں بیٹھ کر اینٹ بنانے کا کام دیا گیا تھا۔
 ۱۳۔ چھینے دھوپ میں بیٹھا کر الا سکوت سے اینٹیں بنوائی گئیں آخر
 تنگ آ کر اس نے کام سے انکار کیا اس لئے اسے واپس جیل بھیجا گیا۔
 یہاں اسے سات روز تک ڈنڈا پیڑی لگا کر کھڑا کیا گیا۔ وہ بپارا
 پہلے دن ہی بخار کے زور سے بہوش ہو گیا اسے ہسپتال بھیجا گیا۔ رات
 کو اس کا بخار ۱۰۶ ڈگری تک بڑھ گیا۔ بخار اترا لیکن اب وہ الا سکوت نہ
 تھا سخت سے سخت مصیبتوں میں جس کے منہ سے آف نہ نکلتی تھی وہ
 الا سکوت پاگل ہو گیا۔

۱۹۱۵ء میں پولیسکل قیدی | بجائی برمانڈ بھی ۱۹۱۵ء میں
 اسی سلوک کا ذکر کرتے ہیں

ان کے دور میں بھی پولیس کی قیدی کو ذلیل سمجھا جاتا تھا۔ اور جیل کے نمبر داروں کو ہدایت کر دی جاتی تھی کہ پولیس کی قیدی اچھوتوں کی طرح کسی قیدی سے بات نہ کریں اور جب کھانا کھاتے تھے تو عام قیدیوں سے الگ۔ بٹھائے جاتے تھے۔ حالانکہ عام قیدی سب مل جل کر کھاتے تھے۔

خراب کھانا اور جو دار کپڑے | اور سڑی ہوئی دو روٹیاں جو کی

ریتدار اوکڑے چاول، پتے اور گھانس دار سبزی ملتی تھی اور مشقت میں مچی جس کو بھائی جی نے بھی چیلایا اور پھاسی کو ٹھہری میں رہے جو سنگین مجرموں کے لئے مخصوص ہوتی ہے۔ چنانچہ روٹی اور کپڑوں کے سلسلہ میں بھائی جی کہتے ہیں :-

تھوڑی دیر میں دو قیدی اور ساتھ ساتھ سپاہی کھانا لائے۔ ایک پیالہ میں پانی اور دوسرے میں دال، اور دو روٹی ہاتھ میں دے کر انکی کو ٹھہری کو روانہ ہوئے روٹی جو کی بنی ہوئی تھی اس میں خاصہ حصہ ریت تھی دال سڑی ہوئی اور معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ کس اناج کی ہے۔ ایک ہی لقمہ روٹی کا منہ میا ڈالا دوسرا ڈالنا ناممکن ہو گیا۔ پانی سے منہ صاف کر لیا۔ اور بیٹھ رہا۔ اندھیرا ہو گیا بھوکے پیٹ رات گزارنے کا فکر تھا ابھی کہل بچا کر لیٹا ہی تھا کہ تمام بدن کے ساتھ جو میں چپٹ گئیں انہوں نے کہل جوؤں سے

نہترے ہوئے تھے۔ کبیل اٹھا کر پرے پھینک دئے اور
کھڑی کے اوپر لیٹ رہا پھر بھی جوئیں کا نی چڑھ چکی تھیں۔

کھانا پیریدہ | یہ روٹی کس طرح کھانی پڑتی تھی اور روٹی پر یہ کاکیا طریقہ
تھا یہ کہ ”پچی افسر یا منڈیل پکارتا تھا برتن ہاتھ میں
لو۔ ایک لائن میں بیٹھ جاؤ۔ جاول کا ڈبہ ڈالا، دال کی کڑھی پڑی تھوڑی
سی ترکاری دو چھوٹے سے پھلکے ل گئے۔ چار پانچ منٹ کے اندر سو
ڈیڑھ سو قیدی کو کھانا بانٹ کر بھنڈاری دوسرے احاطہ میں جا داخل
ہوئے۔ پندرہ منٹ گزرے کھانا کھا کر اٹھ جاؤ، پلیٹ صاف کرو اور
لائن میں رکھ دو اور اپنی اپنی لائن یا قطار میں بیٹھ جاؤ۔“

پولیسکل قیدی کے بیتیں لگنا | خوددار انسان، جس رکھنے والی
بستیاں، اور قوم کی غلامی کے

پھندے کو پاش پاش کرنے والے افراد، بھلا ایسے ذلت آمیز اور مستقام
سلوک کو کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔ وہ جیل میں محکومیت کی لعنت کو
ختم کرنے کی پادشیں پس بھیجے جاتے ہیں وہ جیل میں محکومیت کو کیسے پسند
کریں۔ کیوں جیل کے قانون کو انہیں اس کشمکش میں ان کی قید بیت جاتی ہے
وہ کسی قانون کو نہیں مانتے۔ ان کی خودداری کی قدر بھی ہوتی ہے لیکن
جیل افسران اس کو کچلنا چاہتے ہیں چنانچہ بھائی پرمانند جی اپنے ہمنام
اور اپنے ساتھی پولیسکل قیدی کا ایک واقعہ لکھتے ہیں:-

پرمانند نے کام کرنے سے انکار کیا۔ اس نے کہا مجھ سے

یہ کام نہ ہوگا۔ جیلر غصہ سے بڑبڑانے لگا۔ اور کرسی سے اٹھ دھکانے کے لئے اٹھنے لگا پرمانند نے اسے دھکا دیا وہ کرسی پر گرا۔ کرسی گر گئی وہ نیچے جا پڑا۔ جمہدار وغیرہ نے پرمانند کو پیٹا۔ اس کے سر سے خون نکل آیا۔ ہینٹ سپرنٹنڈنٹ کو ٹیلیفون کیا۔ چار یا پنج دن کے بعد سپرنٹنڈنٹ نے مقدمہ کیا۔ اور تمام جلیں کے پھانگ وغیرہ بند کرانے پرمانند کو بید لگانے کی سزا دی۔ اسے تیس بید گئے۔

مراعات یا تفریق یہ سلوک یقیناً قابل اعتراض اور ناقابل برداشت تھا چنانچہ پہلک ایچی ٹیشن ہوئے، ملک کے کوئٹہ کوئٹہ میں سدارے احتجاج بلند ہوئیں تو حکومت نے پولیس قیدیوں کو امتیازی درجہ دیا۔ اور بی کلاس میں ان کو منقسم کرنا شروع کر دیا اس کا فوری اثر یہ ہوا کہ پولیس قیدیوں میں پھوٹ پڑنے لگی۔ چھوٹے بڑے، اسے کلاس، اور بی کلاس کا احساس ہونے لگا جس کو کلاس یٹھاقتی تھی وہ دوسرے کے سلوک سے لاپرواہ ہو جاتا تھا۔ یا ادنیٰ بجز کلاس والا جب معیبتیں برداشت کرتا تھا تو اس کو اسے کلاس کی رحمتوں اور نعمتوں کا خیال آنا قدرتی بات تھی۔ جس سے نفرت و حقارت کا پیدا ہونا لازمی تھا۔ چنانچہ آٹھ دن جلیوں میں اسی عندیہ پر جھگڑے ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اسی تنازعہ کو مولانا افضل حق صاحب اپنی کتاب ”میرا فسانہ“ میں لکھتے ہیں :-

اے کلاس اور بی کلاس کے سیاسی قیدیوں میں کچھ عرصے
کے کشمکش جاری تھی، بی کلاس کا تقاضا تھا کہ اے کلاس
کو مراعات سے مستفید ہونا اصول مساوات کے منافی
ہے اس جھگڑے کی صورت روز بروز دل شکن ہو رہی
تھی۔ آئے دن آپس میں ٹکراؤ اور تھوکانے لگتی رہتی
تھی

جس مراعات پر یہ کشمکش ہوتی تھی اور اصولوں کا واسطہ دیا
جاتا تھا۔ اس کی بھی حالت ملاحظہ کیجئے۔ اس وقت
یعنی ۱۹۲۲ء کی اے کلاس کیسی تھی۔ مولانا افضل حق
جو اے کلاس کے ہی نہیں بلکہ اسپیشل کلاس کے مالک تھے۔ انہوں نے
کوششیں کیں دس دن جس کوٹھری میں گزارے۔ اس کی حیثیت یہ تھی۔

مجھے ایک کوٹھری میں بند کر کے تالا لگا دیا گیا۔ میں
اس کوٹھری میں ایک قبر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ خیال کیا کہ یہ
کسی قیدی بزرگ کی خالقاہ ہے اور فیوض روحانی سے
بہرہ اندوز ہونے کا موقع دیا گیا ہے۔ دیکھنے سے پتہ
چلا کہ قبر بلا تعویذ ہے۔ گستاخ وار ڈرنے قبل قبر پر
بچھا کر کہا کہ اس پر آرام فرمائے۔ وہ یہ کہہ کر چلا دے کی
طرح نکل گیا۔ اور میرے لئے یہ مہمہ حل طلب ہی رہا۔۔۔
میں نے اپنے پیشرو سیران فرنگ سردار بھگت سنگھ د

دریا ننگہ سے جو علیحدہ علیحدہ قریب کی کوٹھڑیوں میں بندھے
 اس قبر کے متعلق سوال کیا معلوم ہوا کہ یہ مٹی کا چبوترہ قیدی
 کا پتنگ ہے۔ اور عام طور پر اسے کھڈی پکارتے ہیں۔
 کھڈیاں ہر شیار پر جیل کی نسبت چوڑائی میں کم تھیں۔
 مجھے اس کا تلخ تجربہ اول رات ہی ہو گیا۔ میرے برتن
 کھڈی کے پاس پڑے تھے اور میں کھڈی پر سورا تھا
 رات کا آدھا بجا ہو گا کہ میں کروٹ بدلتے ہی برتنوں پر آگرا
 چوڑائی میں یہ کھڈیاں گھوڑے کی پیٹھ سے زیادہ چوڑی نہ
 تھیں اس لئے اکثر قیدی گر کر سوار ہوتے تھے۔ دس رات
 میں تین دفعہ گرا۔ اس سے یہ ضرور ہوا کہ میں ہوشیار سوار ہو گیا۔
 چنانچہ اسی کھڈی پر اسپیشل کلاس کے قیدی کے اپنے قید کے ایام پتے کئے۔
 اسپیشل کلاس کا مالک بنا دیا گیا تھا لیکن ذلیل
خود داری کا خون کرنے اور خود داری کو ٹھیس لگانے کی جیل فسل
 برابر کوششیں جاری رکھتے تھے۔ اور غلامانہ حیثیت و ذہنیت کے طالب
 رہتے تھے ان کا بس نہیں جتنا تھا کہ وہ پولیشل قیدیوں کو زندہ موت کے
 گھاٹ اتار دیں اور یہاں سلوک کا شکار بنائیں۔ رونا کہ کشمکش رہتی تھی۔
 کوئی ساعت نہ کوئی لمحہ ایسا نہ گزرتا تھا جس میں پولیشل قیدیوں کی خود داری
 کا امتحان نہ لیا جاتا ہو۔ اس کشمکش سے ہر قیدی کو واسطہ پڑتا تھا۔
 مولانا فضل حق بھی اس کا نشانہ بنائے گئے۔ اسکی تفصیل انکی زبانی یہ ہے:-

ایک دن سپرنٹنڈنٹ اور انسپکٹر جنرل پولیس جیل
 آئے ملاحظہ کے لئے آئے۔ میری کوٹھری میں بھی آیا اسی باہر
 کی دہلیز کے اندر قدم نہ دھرتا تھا سپرنٹنڈنٹ نے دادیلا
 شروع کر دیا۔ افضل حق کھڑے ہو جاؤ میں کہتا ہوں کھڑی
 ہو جاؤ۔ ان کا اضطراب اور میری خاموشی، ایک عجیب
 سماں تھا دونوں انگریز انسپکٹروں کے ساتھ حیرانی کے
 عالم میں سرنگوں کھڑے تھے۔ اور میں بیٹھا ہاں باٹا کیا۔
 آخر انسپکٹر جنرل نے مہر سکوت توڑا۔ میرے متعلق
 سپرنٹنڈنٹ سے چند سوالات پوچھے۔ مگر مجھ سے کسی
 نے کچھ دریافت نہ کیا۔

ہتھکڑی لگانا سپرنٹنڈنٹ کو میری یہ حرکت کہا گئی۔ اگلے روز
 اتوار تھا۔ پیر کے روز خود سپرنٹنڈنٹ تو میرے پاس
 نہ آیا۔ داروغہ ہتھکڑی لایا۔ مجھ سے کہا کہ جناب تشریف لائیے۔
 نے کہا کہ فرمائیے۔ بولے ہم حکم دار بندے ہیں۔ سپرنٹنڈنٹ کا حکم ہے
 کہ آپ کی ہتھکڑی لگائی جائے۔ کہا عند کیا ہے سب شوق اسے دیکھنے
 میں نے اتنے بڑے اٹھے انہوں نے سلاخوں سے باندھے اور ملے ملے
 میرے بازو ادبچے تھے اور سر باز نہیں جھکا تھا یہ سچا کھیل اور بے عیب
 صورت بنانے کھڑا تھا مجھے اب اپنی حالت پر ہنسی آتی تھی یہ تھکدہ ضرور
 کا فر ہو چکا تھا۔

اتنے میں ڈاکٹر صاحب فخریت لائے مجھے زنجیر سے بندھا دیکھ کر
 واپس چلے گئے آدھ گھنٹہ کے بعد ایک عہدہ دار قیدی آیا۔ مجھے میرا ہسٹری
 مکمل دکھایا کہ میڈیکل افسر کے مشورہ سے آپ کے لئے بیٹریاں تجویز ہوئی
 ہیں میں نے کہا سر تسلیم خم ہے غرض ہتھکڑی اتار دائی اور بیٹری پہنائی گئی۔
 میری حالت عجیب تھی جسم کا بیٹری بھاری قدم اٹھانے میں دقت محسوس
 میں مشکل جب کہی دل کڑا کر کے قلم اٹھاتا۔ درود یوار زبان سے تھوڑے کر
 آہستہ خرام، بکا، خرام زیرِ بابت ہوا جاںست۔

گرمی کے دن تھا۔ بغیر چارہ نہ تھا، بیٹری پہنکر باجامہ اتارنے اور
 باندھنے کی ابتداء میں جو دقت ہوتی ہے وہ وہی جانتے ہیں جسکو بد قسمتی
 سے ایسا اتفاق ہوا ہو۔ عموماً قیدی کو بیٹری پہنکر تہ بند دیا جاتا ہے
 تاکہ قیدی کو یہ تعلیم نہ ہو کہ باوجود میرے مطالبے کے تہ بند مجھ کو نہ دیا
 گیا۔ اس لئے استاد کے آگے زانو تہ کرنے پڑے۔ رات کو ہر کوٹ پر
 بیٹری کی جھنکار سے آنکھ کھلتی ہے۔ لو کہیں اس ٹانگ پر لگتا ہے کبھی دوسرا

(میرا افسانہ ۱۳۹)

پیش کلاس قیدی سے مان کا بٹوانا بیٹری دہتھکڑی کی سزا کا
 دیا جانا شاندار مراعاتی سلوک ہے۔

سردار جگت سنگھ بی کلاس قیدی ہیں آپ کھاتے
 بیٹے مگر کے خاصی جاندا کے جن تہا دارت
بی کلاس قیدی
 تھے اور بیوہ اس کے ایک ہی بیٹے تھے تحریک ترک موالات سے قبل

آپ کی شان ملاحظہ طلب تھی بوٹ سوٹ کارکنٹائی سے کام تھا۔ اب بد چکی پر سوار ہیں، منہ پر ٹٹھاٹھا۔ انھوں میں بچی کا ہتھہ اور دانت ہیں میں کرشنا نے میں رہے ہیں، سردی میں پسینہ پسینہ ہو رہے ہیں۔ انھوں میں آہستہ اور آنکھیں نمناک ہیں۔ اور سپرنٹنڈنٹ انھیں گزشتہ ترقی مشقت پر ڈانٹ رہا ہے کہ یہ جیل ہے کھیل نہیں ہے مشقت پوری کرو۔ ورنہ ٹھنکی ہانڈ کر بیدار کیے گی۔ عیبی نہیں بلکہ ان بی کلاس کے قیدیوں سے سپرنٹنڈنٹ جیل کا اسرار ہے کہ جیل کے رواج کے مطابق ہر قیدی گٹے میں طوق اور کٹی ڈالے جس پر قیدی کا نمبر اور جرم کندہ ہوتا ہے۔ سب انکاری ہیں۔ سردار جو الاسٹیک کے گٹے میں ڈالنے کی کوشش کی گئی آپ نے سرتابی کی آپ کے برخلاف چچی تو اعدا جیل کے خلاف ورزی کا الزوم لگا جیل میں ہی مقدمہ کی سماعت ہوئی اور حکم سنایا کہ جو الاسٹیک تھیں ایک سال اور قید سخت کی جاتی ہیں۔ ان ہی جو الاسٹیک پر مسلسل سختیاں کی گئیں ہتھکڑیاں بیڑیاں کئی ماہ تک۔ ان کے ذریعہ تن رہیں۔ ان کو قید تنہائی کی سزا دی گئی کئی بار ان کو ۳۔ روز۔ یہ زیادہ عرصہ کے لئے کو بیڑی میں بند رکھا گیا۔ چنانچہ ان سختیوں کا ذکر اخبارات میں ہوا۔ اور اس کی تمام روڈ اور میر عبدالستار صاحب نے ۲۶ جون کو بند سے ماترم لکھو میں شائع کرائی۔

یہ وہ ۱۔ نے بی کلاس کے قیدی تھے جن کو جیل کی کلاس قیدی میں تکلیف دہ کے بعد تھوڑا بہت آرام مل جاتا تھا۔

یہ صحیح ہے کہ ان کو بھی کافی امتحانات دینے پڑتے تھے لیکن وہ لوگ جن کی بد حالی و پریشانی پر کوئی توجہ نہیں دیتا تھا اور محسوس خدمت، جسم قربانی اور جاں نثاری کے پتے تھے، وہ سی کلاس قیدی ہی تھے۔ ان کے سلوک میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی تھی۔ بلکہ وہ اخلاقی قیدی سے بھی بدتر طریقے پر رکھے جاتے تھے۔ ان کے لئے جیل میں کوئی آرام نہ تھا۔ وہ سوائے دکھ کے اور کچھ نہ جانتے تھے۔ ایک دردمند ان کی حالت کا نقشہ یوں کھینچتا ہے :-

میں تنہائی کی کوٹھریوں میں رضا کاروں کو دیکھنے کے لئے چلا گیا۔ تفریح طبع کے لئے جب کبھی چڑیا گھر میں میرا جانا ہوا۔ جانوروں کو تانا سالتے دیکھا کرتا۔ بالکل اسی طرح یہ والیٹیر کوٹھری کے اس سرے سے اس سرے تک تانا سالتے تھے۔ اور جھگنے کے قریب جا کر مجھے اس قسم کی بدبو آتی جس طرح کہ چڑیا گھر کے جانوروں کے پنجے سے آتی ہے۔ چڑیا گھر کے جانوروں کو مصروف نگ و دو دیکھ کر عبرت سی ہو آتی تھی۔ والیٹروں کو رواداں دیکھ کر بات کھل گئی کہ غذا کے بارے میں اور خون کے دورہ کے درست کرنے کے لئے چلنے پھرنے پر افسانہ و حیوان محبوب ہوساتے ہیں اور بند مکان میں پاخانہ پھرنے کی ذمہ داری سے عفو لازمی تھی۔ والیٹروں نے میرے پاس صفائی کی کمی کی شکایت کی

سکے بعض دن باخانہ بالکل اٹھایا تک نہیں جاتا۔ نیز انھوں نے اپنے حُسن آلود کپڑے مار پیٹ کی کہانی سننا کر بطور ثبوت پیش کئے۔ اس وحشیانہ زبردستی پر افسوس ہے بلکہ

ہسپتال کی ادویا ہسپتال میں خاص طور پر قابل ذکر ہے وہاں پر دوائیوں کی کافی مقدار نہیں کسی بھانجے شخص کو معلوم نہیں ہو سکتا کہ نمبر ۱، ۲، ۳، ۴ کیا ہیں۔ لیکن یہ ضرور کہ یہ کچھ ہر ایک بیماری کی دوا ہے۔ شاید ان پر ”بڑے نام“ کا جادو بہرا گیا ہو اس لئے یہ ہر ایک بیماری کی دوا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے کہ ایک اور علاج سچا گیا۔ اگر قیدی کے پیٹ میں درد ہو یا دستوں کی خشکیت ہو اور بد قسمتی سے وہ ڈاکٹر کے پاس اپنی بیماری کی اطلاع دیتا تو اس کے لئے ایسا ہی سب سے بہتر علاج سمجھا جاتا تھا۔ ۵۔

تحقیقاتی کمیٹی کی سفارش ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا کہ جو معقول انسان انکو دیکھے تو ان کی

اصلاح کی طرف متوجہ ہو۔ چنانچہ ۱۹۳۲ء کی یوپی کی تحقیقاتی کمیٹی نے ان نا لائق بہ حالات کی سفارش کی پولیس قیدیوں سے کام کم لینا چاہئے اور کپڑے، رہنے کی جگہ اور کھانے کا خاص خیال رکھنا چاہئے اور ان کو عام قیدیوں سے علیحدہ مخصوص قیدی سمجھنا چاہئے۔ اور سزائیں عام قیدیوں کو

دیجاتی ہیں۔ ان سے پولیس کی قیدیوں کو مستثنیٰ کیا جائے تو بہتر ہے۔
 ان سفارشات کے ساتھ ساتھ ۱۹۳۲ء اور ۱۹۳۳ء میں انتخابات
 نے بھی پولیس کی قیدیوں کو مراعات دے جانے پر زور دیا۔ اور خاص طور پر
 کلاسوں کی تقسیم اور پولیس کی قیدیوں میں باہمی امتیازات کو اڑانے کا مطالبہ
 کیا۔ کچھ شنوائی ہوئی تو پنجاب گورنمنٹ نے ۱۹۳۲ء کی تحریک کے قیدیوں
 کی ایک کلاس بنادی، اور اے، بی، سی کلاس کا جھگڑہ ختم کیا اور تمام
 چھوٹے بڑے لیڈر، ڈکٹیٹر، والٹیر قسم کے قیدیوں کو ایک جگہ، ایک کھانا
 دینے کا فیصلہ کیا۔

نظر بندی ۱۹۳۲ء [۱۹۳۲ء کے نظربندوں کے ساتھ حکومت
 نے کیا سلوک کیا اس کے لئے بہترین واقعات
 و حالات دیے ہوئے ہیں جو مشاہدات میں آئے ہوں اور جو اپنی ذات پر
 گزرے ہوں اس لئے ۱۹۳۲ء کی نظر بندی کی کیفیت و تاریخ لکھنے کیلئے میں
 انہی آپ بیتی سے کام لوں گا۔ جو میں نے دیکھے اور مجھ پر گزرے ہیں۔
 ۱۵ اگست ۱۹۳۲ء کی شب کو ڈھائی بجے دہلی میں کرفیو آڈر نافذ
 تھا اور شہر میں میونسپل کیٹی کی عمارت، پبلک کوٹھی، انکم ٹیکس کے دفتر کو جلائے
 سب انسپکٹر پولس کو قتل کرنے اور بازاروں میں بجلی کے کھمبے توڑنے، ٹیلیفون
 کے سلسلوں کو منقطع کرنے کی وار داتوں سے خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا۔
 اور شہر فوج کے قبضہ میں زیادہ تر دیدیا گیا تھا اس وقت مجھ کو چودھری کہنہ
 انسپکٹر سی، آئی، ڈی نے گرفتار کر کے دہلی جیل بھیجا۔

رات کا وقت تھا جیلہ آرام کمرہ میں مصروف خواب تھے۔ کوشش ہوئی کہ کسی اخلاقی قیدیوں کی بارک میں رات بھر بند کیا جائے۔ لیکن میرے انکار اور وارڈن کی بچان نے نظر بند ساتھیوں کی قیام گاہ دہلی کے کارخانہ میں پہنچا دیا۔

معلوم ہوا کہ نظر بندوں کو دو کلاسوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اے کلاس اور بی کلاس۔ بی کلاس کارخانہ میں رکھے گئے ہیں۔ اور اے کلاس نظر بند پین وارڈ میں مقید ہیں۔

دہلی جیل کا کارخانہ | کارخانہ میں چارنل میں ایک غلی کوٹ موقع پر غسل خانہ پر ایک کچن کے پاس، ایک بیت الخلاء (دفش سسٹم) کے دروازہ پر، اور چوتھا لمبی چوڑی جہاں کپڑے دھوئے جاتے ہیں۔ غسل خانہ کی سارٹھے پانچ فٹ تینوں جانب سے اونچی دیواریں ہیں، کچن دس فٹ چوڑا اور پچاس فٹ لمبا ہے۔ جس کے اندر تین مٹی کے چیلے بنے ہوئے ہیں۔ جو کم و بیش ہر وقت چلنے رہتے ہیں۔

ہر قیدی کو ایک چار پائی لی ہوئی ہے۔ چار پائی دو قسم کی ہوتی ہے ایک عام بان کی بنی ہوئی اور دوسری لوسہ کی بنی ہوئی۔ ہر ایک چار پائی میں زنجیر آہنی ڈالکر کسی درخت کی جڑ سے لپٹ کر مقفل کر دیا جاتا ہے تاکہ کہیں قیدی چار پائی کے ذریعے کوٹ موقعہ (جیل کی دیوار) سے نکل نہ جائے۔ یہ زنجیر بان کی چار پائی میں بھی مقفل کی جاتی ہے۔ علاوہ بان کی

چار پائی کی ٹیجی بہ آسانی نکالی جاسکتی ہے۔ اور بہ آسانی پٹی کو ڈالا بھی جاسکتا ہے۔ اور کام لانے کے لئے چار پائی استعمال کی جاسکتی ہے۔ مگر اب تک اس قسم کا کوئی واقعہ دہلی میں سننے میں نہیں آیا۔ مگر جیل حکام مضبوطی اور ضد کے ساتھ اپنے پرانے دستور پر اڑے ہوئے ہیں۔

یہ کارخانہ تقریباً ایک ایکڑ زمین میں بنا ہوا ہے۔ اس کے صحن میں ٹنٹ لگا دئے جاتے ہیں۔ ہر اک ٹنٹ میں دو آدمی بہ آسانی اور تین آدمی بدقت معہ چار پائی کے رہ سکتے ہیں۔

کارخانہ میں پھر زیادہ ہیں جس کی وجہ سے باہر سونے میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سیاسی قیدیوں کو کارخانہ کے اندر گھومنے کی اجازت ہے لیکن کارخانے کے باہر جیل کے بقایا حصہ میں بلا نمبر دار کے بلا ضرورت نہیں جاسکتے گشت لگانے کی سخت ممانعت ہے۔

یو یو مین وارڈ | یو یو مین وارڈ جیل کے کونے پر بنا ہوا ہے جس کے بیچ میں ایک چھوٹی سی عمارت ہے جس میں تین کوٹھریاں ہیں۔ ہر اک کوٹھری میں دو چار پائیاں دو آدمی کے لئے آسکتی ہیں۔ ان چار دیواری میں چھوٹے چھوٹے درخت زیادہ ہیں جس کی وجہ سے یہ مقام اندھیار معلوم ہوتا ہے۔ اس کی زمین نصف ایکڑ سے کچھ کم ہے۔ فلیش سسٹم اور غلغلا نہ بچتہ ہے۔

اے کلاس نظر بند کا سامان | اے کلاس نظر بندوں کو جو سامان دیا جانا چاہئے تھا وہ یہ تھا:-

ایک کرسی، ایک میز، ایک چار پائی، ایک الماری، ایک کبیس،
دو دھوتیاں رات کے لئے، دو گڑھی پانچ گڑھی، دسی ایک جوڑا جوتی
دو چادریاں، ایک چٹائی، ایک تکیہ، دو تکیہ غلاف، ٹھانس بھرا ہوا تکیہ، دو
تولنے، دو سوتی، ایک پر نہ پانچ فٹ لمبا، دو جانگئے اور دو کچھ (سکھونگو)
اس کے علاوہ اپنے خرچ پر کپڑا استعمال کر سکتے تھے۔ اور جہاں
جیل میں بھی ہو، اپنا کچھا بھی رکھا جاسکتا ہے۔

چار کرتے دو سوتی (بائیں کٹی ہوئی) گرمیوں کے چار
لباس گرمی | پا جا رہے دو سوتی، یا چار دھوتی، ایک کبیس، دو جانگئے
دو سوتی، یا دو کچھ، دو چادریں

ایک اون کا کوٹ بند گئے والا، ایک اون کا پا جامہ
لباس سردی | ایک فلائین کی قمیص، دو سوتی جانگئے، دو جوڑی
اونی جواب، ایک کبیس مزید، سپرنٹنڈنٹ چاہے تو اسے کلاس قیدی کو
کسی کپڑے کے پہنے سے منع کر سکتا ہے۔

خوارک دس آنہ روز تھی جس میں دس چھٹانک آٹا
برتن و خوارک | دونوں وقت کا، پاؤ بھر سبزی، اور سبزی کی قیمت
کا گوشت، دال، چھٹانک بھر گئی، مصالحہ اور چھٹانک آدھ سیر دو دو
دیا جاتا تھا۔ پیراشن، ایک تیل کی تھالی، دو قلعی دار کٹوریاں، ایک گلاس،
ایک چیل کاوٹا، ایک قلعی دار چچا۔ ہندو دن میں ایک صابن کی ٹکیہ، نیم کی دھن
ایک روزانہ اور اپنے خرچ پر لے، بی کلاس واسے تیل، شیشہ، برتن، کنگا،

ٹوٹے پوڑے، برش وغیرہ منگائی جاسکتے ہیں۔

بی کلاس نظر بند کا سامان | بی کلاس نظر بندوں کے سامان کی یہ لسٹ تھی۔

ایک چار پائی، ایک لمبی میز، اس کے ساتھ بیچ، چار دو سوئی، کرتے چار دو سوئی، پچاسے یا چار دو سوئی، دو سوئی جاسنگے، یا کچھ دستکھوں کے لئے، دو سوئی تو لئے، دو سوئی دو چار دیں، دو سوئی دو پٹے یا پگڑی یا بیچ گزی، ایک ٹمکیہ گھانس دار، دو ٹمکیے غلاف، ایک درزی دو چادریں، دو بنیان، ایک جوتی ویسی، ایک کبل۔

سرمدی کا لباس | ایک کبل، ایک کبل کوٹ، کپڑے اور کبل کی نوعیت سی کلاس کے کپڑے۔

خوراک برتن | خوراک آٹھ آنہ پومیہ، اس کے ساتھ ایک قلعی دار تھالی، ایک قلعی دار کٹوری، ایک گلاس، ایک چمچا صابن پندرہ دن میں ایک ٹمکیہ۔

نظر بندوں کو جن سٹوں کے مطابق ایک دن بھی سامان نہیں دیا گیا کسی نے کلاس نظر بند نے اور نہ بی کلاس نظر بند نے جوتی کی تو کبھی شکل دیکھی نہیں ہے۔ ان کو منہ، جہالا ایستار کے ملنے میں بڑی دقتیں ہوتی تھیں اور اس کے دینے سے گریز کیا جاتا تھا۔ اگر بہت زور دیا جاتا تو ایک ایک چیز بمثل ملتی تھی۔

دس آنے اور آٹھ آنہ پومیہ کی خوراک کا مٹھن بھی (نیجی مرضی کی متعینہ

قیمتوں سے لگا کر دیا جاتا تھا۔ جس میں ہر چیز نکمی اور ناسوارہ ہوتی تھی۔ دودھ سپرٹیا لیا، گھی بنا سیتی، اور قیمت ناخس دودھ دیکھی گئی جاتی تھی۔ گویا ۱۱ اور ۴ آنہ کی یومیہ خواب دی جاتی تھی۔ نصف رقم کے حصہ والو جیل انسران ہوتے تھے۔

کارخانہ میں سخت نگرانی نہ تھی۔ ہر نظر بند کے پاس بکھنے پڑھنے کا سامان تھا۔ آئرن میل باقاعدہ روزانہ آتی اور جاتی تھی۔ گھروں سے ہر نظر بند کا کھانا آتا تھا۔ دودھ وقتہ اسی ذریعے سے پیغام رسانی ہو جاتی تھی۔ اور انواع و اقسام کی نعمتیں کھانے کو مل جاتی تھیں۔

نظر بند اپنی نگرانی میں جیل والوں سے لیکر قیدی تحریک کرواتے تھے۔ اور کسی قسم کی ملاوٹ اور خرابی پیدا نہ ہونے دیتے تھے۔ دودھ خراب آتا واپس ہوتا۔ آٹا ملاوٹی دیا جاتا۔ توہ لیا جاتا تھا۔ سبزی پر روزانہ جھگڑا ہوتا تھا۔ گھیا، گھیا ہی ملنے لگا تو اسٹراک کی دھکی۔ کھانا چھوڑنے کا ڈراوا پہنچایا اور معاملہ طے ہوا۔ غرض صبح و شام کوئی نہ کوئی چھیڑ چھاڑ جاری رہتی تھی۔

۱۷ اگست کو مولانا نور الدین بہاری

اولڈ سنٹرل ملتان جیل | فرید محسن نصاریٰ، ڈاکٹر یحیٰ مدد پرنگ

میرشتاق احمد، حکیم خلیل الرحمن، پنڈت خرمون شرما، مسٹر کنھیا سنگھ

مسٹر آر سی اگر وال، وغیرہ نظر بندوں کا پہلا چالان شاہ پور جیل روانہ

کر دیا گیا تھا، ۳ ستمبر کو شریستی استیبدانی، مسٹر غور شید احمد کاظمی،

لالہ دیش بندھو گیتا۔ پنڈت منو دیو شاستری، سٹرا من۔ لالہ عجب رائے، سردار دیوان سنگھ، سٹریوٹ، سٹری لالہ جرنلست، ڈاکٹر کجڑال، بکنڈال، جوہری، سٹریوٹ ڈاس گیتا، سوامی ستریا پانڈ، جوہری، لہاری، سٹری جوتی پرکاش، لالہ اونکار ناتھ، برج کشن چاندی واسے۔ اور راقم الحروف وغیرہ کا دوسرا چالان ملتان، اولڈ سنٹرل ملتان جیل میں کر دیا گیا۔ جن کو دہلی جیل سے بلا تھکڑی لگائے دہلی اسٹیشن تک پولس لاری میں جو جنگلے دار بھی لے گئے اور ریل کے مخصوص قیدیوں کے سلاخدار ڈبول میں بند کر کے ملتان بھیجا گیا۔

گاندھی ٹوپی پہننا ممنوع | ملتان جیل کے دروازہ کے اندر پہنچے تو جیل افسران کا حکم ملا کہ گاندھی

ٹوپیاں اتار دو۔ گاندھی ٹوپی جیل میں پہننے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ حکم کون برداشت کر سکتا تھا اجتماعی اور متفقہ طور پر انکار ہوا۔ جواب ملا زبردستی کی جائے گی کہا گیا منظور ہے جو ظلم چاہے کرو لیکن یہ توہین برداشت نہیں ہو سکتی۔ جیل و محنت سے سمجھایا گیا، کہ پیشرو نظر بند ٹوپیاں دسے چکے ہیں دفتر میں جمع ہیں تم کیوں انکار کرتے ہو۔ یوں کام نہیں چلے گا۔ اسی کشمکش میں دو تین گھنٹے گزر گئے۔ کوئی تیار نہ ہوتا تھا۔ آخر بطور پروٹسٹ ملے ہوا

۱۵ اولڈ سنٹرل ملتان جیل کی عمارت کا نقشہ "جیل کی عمارتیں" کے عنوان میں دیکھئے۔ نیز ہسپتال کا انتظام "علاج" کے عنوان میں دیکھئے۔

کہ ہم اپنا کپڑا کوئی نہ پہنتے، تمام کپڑے اور سامان جیل افسران کے حوالے کئے۔ اور جیل کے اندر داخل ہو گئے۔

اس قافلہ کے آگے آگے سرکار دیوان سنگھ مفتوں

مہنت کی شان

مہنت بنے خراماں خراماں چل رہے تھے۔ اور یہ تو سی الجشتہ انسان لنگوٹ باندھے کپڑوں کو نظر افسران کے ہونے کا تھپوٹا کوہنسا تا ہوا رندانہ تبسم کے ساتھ فیل مست کو شرمسار کرتا تھا۔ وہ دلنریب سامان جب کبھی خیال و ذہن میں آتا ہے۔ تو بھلائے نہیں بھوتا۔ کیا صحبت تھی اور آپس کا اتحاد تھا۔ برہنگی میں خوش و خرم تھے۔ لیکن جھکنا نہیں چاہتے تھے چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پندرہ سولہ روز کے بعد انسپکٹر جنرل کی چٹھی آئی کہ گاندھی کیپ کے اوڑھنے کی پابندی غلط فہمی پر مبنی ہے۔

ایک امتحان سے واسطہ پڑا ہی تھا کہ دوسرا امتحان

کلاس کا خاتمہ

ہوئے تو بتایا گیا۔ یہاں لے، بی، کلاس کا جھگڑا نہیں ہے۔ اور نہ خوراک آٹھ آنہ اور دس آنہ ہے۔ بلکہ ۶ آنہ یومیہ کی خوراک ہے اور نہ کپڑوں اور سامان کی لمبی چوڑی لسٹ ہے۔ سی کلاس کا سلوک کیا جائیگا۔ روٹی بھی سی کلاس کی سی ملے گی اور کپڑے بھی سی کلاس والے دئے جائیں گے۔ ہاں سبزی میں تیل نہیں ملے گا۔ اور آدھ سیر دودھ دیا جائیگا۔ سونے کے لئے کھڑیاں ہیں۔ چار پائیاں ہیں۔ پتہ چلا گیا کہ ہم کو دہلی میں اسے بی کلاس دی گئی تھی اور ہمارے ٹکٹوں پر بھی اسے، بی کلاس درج ہے۔

نوبہم کو یہاں کیوں لے، ابی کلاس نہیں دے جاتی۔ اور اچھا سلوک کمیوں نہیں کیا جاتا بتایا گیا کیا کہ ہم کو یہی حکم ہے یہی کریں گے اور آپ کے اعتراضات کو افسران تک پہنچا دیں گے۔ اس جیل میں نظر بند اور پولٹیکل قیدی تقریباً آٹھ سو تھے۔

رات ہوئی ایک ایک کوٹھریوں میں باکر لیٹ گئے۔ چھروں، کھٹولوں اور چوٹوں نے پریشان کیا تو ہر آپس سے۔ نیند کس کو آتی تھی رات بھر جاگے۔ پیٹ خالی، ردی کس سے کہا جاتی تھی۔ شکل بھی دیکھنی حال تھی دودھ نواسے جبراً کھائے اور صبر و شکر کر کے لیٹ گئے تھے۔ صبح ہوئی، چنے بھی نادر، دودھ کی شکل دیکھنے سے قہ آتی تھی، آنکھیں بند کیں اور پی گئے۔ دوپہر ہوئی پھر سیاح بڈل میں سبزی آئی۔ بڑے بڑے روٹ لے۔ یوں ہی کسے یوں ہی رکھے رہے۔ دل سخت کیا تو سبزی کو کھچا نہ چلی تو احتجاج کرنے کی سوچی۔ لیڈروں نے مطالبات کی لسٹ تیار کی۔ ہم نے ایریل چلائی۔ جیل کے سلوک کے بارے میں اخبار تیغ دہی میں یہ آرٹیکل شائع ہوا۔

سپرٹنڈنٹ ملتان جیل قیدیوں کا دشمن ہے

میں اپنا جواب نہیں دیتی اور قیدی حکام جیل کی فرعونیت کا شکار ہوتے رہتے ہیں میڈیکل آفیسر بھی کھاتے پیتے لوگوں کو مراعات سے نوازتا ہے اور غریبوں اور مفلس رخصتوں کو نظر انداز کرتا ہے۔

جیل کا پانی دلی ہو دیوں میں پانی بھرتا جاتا ہے جس میں غلطی اور گندگی ہوتی ہے۔ ہودی کے پانی نکلنے کے لئے کوئی راستہ نہیں ہوتا چار چار پانچ پانچ روز تک ان میں پانی بھرا رہتا ہے قیدی رات کو اسی کے قریب سوتے ہیں اور پریشان ہوتے ہیں انکی صحت و تندرستی خطرے میں ہے۔ مگر اس مقام کو دیکھنے کے لئے کوئی افسر نہیں آتا اس کے پانی کے نکلنے کے لئے کوئی تجویز نہیں کرتا۔ دو دو ہفتہ گزر جاتے ہیں مگر قیدیوں کو شکل دیکھنی نصیب نہیں ہوتی ۱۰ پیراج (کالیہ) خود مختار ہے روزانہ نئے نئے قانون بناتا ہے۔ اور ان کو اپنے حکم سے ختم کر دیتا ہے۔

۱۲ ستمبر کو بارک میں جو واقعہ ہوا ہے وہ انکی خود مختاری اور غور و فکر کا بھانڈا پھوٹنے کے لئے کافی ہے۔ اسی طرح ایک جرنلسٹ قیدی سے میڈیکل افسر صاحب نے جو گفتگو کی وہ ان کی امرانوازی کی میں توضیح ہے۔ کاش انسپیکٹر جنرل جیل خانہ جات ان بد عنوانیوں کی طرف متوجہ ہوں تاکہ بے بس قیدی آئندہ سے مغرور و تکبر افسران کے غلبوں کا شکار نہ بن سکیں۔
(تیغ دلی مارکتہ ۱۹۷۲ء)

ادھر مڑتا ہوں پر جیل افسران نے لالچی چارج کیا۔ شرارتی اور باجی ٹیر لوگوں کے جالان کی سوچی، تیار ہاں ہو رہی تھیں کہ راقم الحروف کا ایک خط مع مذکورہ تیغ کے آرٹیکل کی کپی گئے پڑا گیا۔ پھر کیا تھا۔ جالان والوں میں ہمارا بھی نام آیا۔ اور دوسرے دن ان کا نظر بند مارکتہ برصغیر کو انبالہ روانہ کر دئے گئے۔ شکر کیا انتہائی بدترین جیل ثابت ہوئی، اخبار کی شکل

دیکھنی نامکن ہو گئی تھی۔ لیکن چہرہ بھی اسے بھر خیال رہا دیکھو کن تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں بند کئے جاتے ہو۔ اور کیسی کیسی سزاؤں کا سامنا ہوتا ہے۔ معتوب ہو ایچی ٹیٹر بنا کر نکالے گئے ہو۔ یعنی سنا متائے جاؤ گے۔ اور ایک ایک چیز کی تلاشی ہوگی۔ نہ کاغذ، نہ قلم نہ سیاہی، نہ پینل کچھ نہ لے جا سکو گے۔

ان ہی خیالات میں انبالہ جیل رات کے دو بجے پہنچے۔ دروازہ **انبالہ جیل** میں قدم رکھا تو کوئی تلاشی نہیں ہوئی۔ نہ کاغذ نہ قلم نہ ہولڈر کچھ نہ چھینا گیا۔ معہ سامان و سرمایہ بخیر و خوبی جیل کی باڑکوں میں جیل کے عین دروازوں کے سامنے پہنچا دئے گئے۔ کھڑیاں تازہ تازہ نکلی بنی ہوئی ان پر ٹیٹریاں رکھی ہوئیں تیار تھیں۔ تھکے ماندے لیٹے تو کمریل گرا اینڈ گیس کھڑیاں ٹھیک کرائیں بالکل فرد کی طرح قریب قریب بنی ہوئی تھیں ان کو ٹرڈا کر چلنے پھرنے کا بیج میں فاصلہ کرایا۔

چھ آنہ یومیہ کی خوراک | چھ سات روز کے بعد معلوم ہوا کہ خوراک پتہ آنہ کے بجائے پٹہ و آنہ یومیہ ہو گئی ہے۔ اب ہم کو باقاعدہ گوشت بھی ملنے لگا تھا۔ آنہ دو آنہ خوراک سے بچتے تو اس کا پھل وغیرہ منگا لیتے تھے۔ پی پی سے سامان لانے کے لئے جیل کا ایک وارڈ تھا۔ وہ خوب لوٹتا تھا۔ چوگنی اور اٹھکنی قیمت پر سامان لا کر دیتا تھا۔ غریب ایک دفعہ منگا کر دوسری دفعہ نہ منگاتا۔ ضرور تمند پیسہ دالے مجبوراً منگاتے اور لیتے تھے۔ سپرنٹنڈنٹ کی توجہ دلائی جاتی تو وہ بھی سکوت اختیار کر لیتا تھا۔ پی پی سے صرف صابن، تیل، گڑ، منگا یا جا سکتا تھا اور کچھ نہیں۔

خط مہینہ میں ایک سے زیادہ نہ لکھ سکتے تھے، درخواست کی جاتی تو انکار ہوتا۔ وارڈن یہ خدمت انجام دیتا۔ روپیہ نقد وصول کرتا۔ اور جیل کے باہر گئے لیٹر بکس میں خط ڈال دیتا۔ وہ وارڈن کی مزدوری ہوتی اور قیدیوں کا کام انجام پاتا تھا۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں ایک دلچسپ اور ناقابل فراموش واقعہ یہ ہوا۔

دلیری ایک مرتبہ سردار دیوان سنگھ کے پاس دہلی سے اس مضمین کی پہلی آئی کہ آپ کے وفردالے آپ کو تباہ کر رہے ہیں اور آپ کا کاغذ بیچ رہے ہیں۔ اس جھٹی کے سلسلہ میں سردار جی نے سپرنٹنڈنٹ جیل سے بات کی کہ آپ تجارتی خط لکھنے کی مجھ کو اجازت دیں۔ تاکہ میں بینک اور ڈاک خانہ کو منع کر دوں کہ وہ میری ڈاک دفتر والوں کو نہ دیں۔ اور ان کی جگہ یا احسان کے ہتھ پر ڈاک روانہ کریں۔ اور انہی کے دستخطوں سے بینک روپیہ بھی نکالاجاے ایسا کرنے سے میں نقصان سے بچ جائیں گا اگر آپ اجازت نہ دیں گے تو یہ خطوط ایرمیل سے مجبوراً بھیجے پڑیں گے۔

اس معقول درخواست کا جواب سپرنٹنڈنٹ نے نفی میں ہی دیا۔ جس پر سردار جی نے بینک اور ڈاک خانہ کے نام دو چھٹیاں بھرائی ڈاک سے بھیج دیں۔ وہ ڈاک خانہ اور بینک میں پہنچی دستخطوں کی تصدیق کے لئے سپرنٹنڈنٹ کے پاس واپس آئیں تو سپرنٹنڈنٹ نے سردار جی سے جواب طلب کیا۔ سردار جی نے وہی مجبوری ظاہر کی۔ اور کہا میرے پاس سوائے اس کے اور کوئی حارہ نہ تھا۔ آپ جو چاہیں کارروائی کریں۔

مجھے باہر سپرٹنڈنٹ کی وجہ طیش آیا تو اس وقت سردار جی کو پاس
دوست احباب کی بھیجے والی پوری ڈاک تھی۔ اور ان کا یہ جواب خطرہ سے خالی
نہ تھا۔ مگر وہ جواب دینے سے نہیں چوگے اور سپرٹنڈنٹ خاموش چلتا بنا۔
 ملاقات کی قطعاً اجازت نہ تھی۔ مہینوں ہو گئے تھے احباب و
رشتہ داروں کی شکلیں نہ دیکھیں تھیں۔ افسران اس سلسلے میں کچھ رعایت نہ
کرتے تھے شروع شروع میں اخبارات پر ہی سخت پابندی تھی کوئی اخبار دیکھنے
میں نہ آتا تھا۔ عجیب و غریب خبریں زبانی سننے میں آتی تھیں جو سن لیتے تھے
اس پر آمنا و صدقنا کہنا پڑتا تھا۔ اور اسے عجیب انداز سے پھیلا یا جاتا تھا
خبریں پھیلائی والی مگر ڈی الگ تھی جس کا کام صرف یہی تھا کہ خبریں بنائے
اور اڑائے۔

تفرت | سب سے پہلے ہمارے دل میں رات کے ۱ بجے بند ہو جاتے تھے اور صبح پانچ
بجے کھولے جاتے تھے۔ دن بھر جیل کے حالات اور افسران کے
طریقہ پر تبصرہ ہوتا تھا۔ جن میں جی جاری رہتی تھیں۔ رائی کے مصنوعی وارنٹ
کھاتے تھے۔ اور لوگ رہا ہونے کے لئے جاتے اور بیوقوف بننے تھے۔ بیوقوف
بننے کے فن کے طاق سردار دیوان سنگھ تھے۔ وہ اپنا شکار آپ تلاش
کرتے تھے۔ کبھی اڑا دیتے تھے کہ میری رائی آگئی ہے۔ میں جا رہا ہوں۔
لوگوں کا پیغام دو گئے، لوگوں کے پیغام اور چٹھیاں لے لیتے۔ کبھی کسی کے خط
میں کسی کی رائی کا ذکر کر کے اس سے مٹھائی کھانے کے منصوبے گھڑتے۔
کبھی کسی کو جیل کے باہر سیر کرانے کے پروگرام بناتے، کبھی گانے کی محفلیں

جیتیں، کبھی نقیض نقل ہارے اتارنے کی خدمت انجام دیتے، اور سردار بھی میر معطل بنے جھے رہتے تھے۔ ان کی جانب سے چائے کا پانی ہوتا آنے والے اپنے ساتھ چینی اور دودھ لاتے تھے۔ اور کمالات دکھاتے تھے۔

تامی فضا | کبھی کبھی ایک تامی فضا چھا جاتی تھی۔ اپنی تباہی کے دکھڑے روئے جاتے، نقصانات کی فہرست تیار ہوتی، تباہ ہونیوالوں کے نام لکھے جاتے۔ ان کو درجے ملتے جو حرب زمان ہوتا وہی اپنے آپ کو زیادہ مظلوم دکھاتا۔ یہ مرثیہ خوانوں کی محفل نئے نئے مرثیہ تیار کرتی، جب تذکرہ طویل ہو جائے اور ذہنوں پر ایسی دنا مردی کی کوفت چھا جاتی تو مستقبل کے لئے اسکیموں کا تانا بٹتا۔ اس میں دنیا کو تباہ کرنے اور دنیا داری کو ختم کرنے کے منصوبے بھی ہوتے تھے، نیز سرمایہ داری کے بڑے بڑے خا کے بھی درود شور کے ساتھ تیار کئے جاتے تھے۔ کرڈروں سے کم کوئی خیال نہ ہوتا تھا۔ غرض اس طرح دل کو مطمئن کر کے ٹھنڈے سانس کے ساتھ جیل کی سلاخوں کو ہڈی میں لیٹ جاتے۔ ان محفلوں کی صدارت بھی سردار دیوان سنگھ کو ہی نصیب ہوتی تھی۔

کھانا چکانے اور نہانے دھونے کا یہاں انتہائی معقول انتظام تھا چار ہارکوں میں نظر بند اور پولیٹیکل قیدی تھے۔ ہر اک باریک میں کچن، غسل خانہ، بیت الحلاء تھا۔ کسی کو نہانے دھونے کی کوئی تکلیف نہ تھی۔

انبالہ جیل کا سامان | انبالہ جیل میں ہی موسم گرما گزرا، شروع شروع

میں جبکہ سر دی کم تھی دو کرنے ایک پجامہ دو سوتی ایک پر نہ ، ایک چادرہ ، ایک لنگوٹ دیا گیا۔ جب سر دی زیادہ ہو گئی تو ایک گدا پلنگ پر بچھانے اور ایک اوڑھنے کے لئے رضائی گرے نما دگئی۔ ساتھیوں ایک ادنیٰ کرتہ اور ایک پجامہ اور سی کلاس قیدیوں کے کبسل کا کوٹ جس میں بڑے بڑے کلڑی کے ٹہن لگے ہوئے تھے۔ دو ماہ گزرنے کے بعد ، انتہائی جھج و پکار پر چار پانیوں کی شکل دکھی۔ کھڈیاں ٹوٹیں اور چار پائیاں بچیں۔

اس آئنا میں دو مرتبہ جیل آئیڈوانٹری بورڈ
آئیڈوانٹری بورڈ کی آمد کے ممبران کے درشن بھی ہوئے۔ گرچہ

ان کا بائیکاٹ ہوا نعرے لگے پھر بھی وہ آتے رہے۔ ان کا آنا بے معنی ہی ہوتا ہے۔ پہلی مرتبہ آئے گوان سے کہا گیا کہ میڈیکل انتظام انتہائی ناکارہ ہے انہوں نے اس کو سنا ، وعدہ اصلاح کیا۔ مگر شرمندہ ایفا نہ ہوا۔

چونکہ فیروز پور کمپ دہلی کے نظر بندوں اور پولیٹیکل قیدیوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا اس لئے ملتان اور انبالہ جیل سے دہلی والے کو فیروز پور بھیجے گئے۔ جن میں نظر بندوں کی تعداد تقریباً اسی کے قریب ہو گئی تھی۔

۱۷ جن کے اکثر نام یہ تھے۔ مولانا نور الدین بہاری۔ مسٹر حکیم شمس الدین ، پنڈت منو دیو شاستری
 مسٹر خورشید احمد کاظمی۔ امداد شاہی۔ سردار دیوان سنگھ ، مسٹر کے پی شنکر اوکھل لالہ
 پاڈی داسے۔ پنڈت شتر گھن شرمہ۔ اجیت پٹیل گپت۔ میر مشتاق احمد صاحب مسٹر
 بے رگو۔ راجندر شرمہ۔ مسٹر مین گوپا ناٹھ من۔ رام لال درما۔ اجیٹر تیج۔ مسٹر ٹانک
 (بقیہ مشہور)

قدرتی انتقام | انبالہ جیل سے فریاد پور جانے وقت پولس نگاروں نے کافی پریشان کیا۔ ایک سخت قسم کے ہتھکڑیوں کے حوالے سے، اس نے کھانے، پینے کی ہر چیز کو ممنوع قرار دیدیا تھا۔ ہر بات پر ٹوکتا تھا۔ ہر حرکت کو منع کرتا تھا۔ مگر یہ کب باہر آنے والے تھے۔ موقع ملا اور دلو جا۔

چنانچہ ان حضرات نے ایک اسٹیشن پر ایک مرغے کو ایک ٹوکری میں بند بلاکر ایہ ریٹ کے نیچے اپنے پاس رکھ لیا۔ مرغابوں نے اور اذان دینے والا جانور ہے حسب عادت بانگ جو دی تو ساقی متھرتھرتے کہ یہاں مرغابوں کا ادھر ادھر دیکھا وہ دوبارہ بولا جانچا تو پتہ لگا کہ ہیڈ کانسٹیبل صاحب کی سوتیلی

(بقیہ صفحہ) لالہ پریس لائے، آر، سی اگر دال۔ ڈاکٹر گجرات۔ فرید الحق انصاری۔ نند لال بہت۔ ڈاکٹر دیدہ سنگھ۔ مسٹر پوڑہ۔ کنھی سنگھ۔ نعیم الدین ذروٹی۔ مسٹر شاملال مسٹر جاسکر۔ منظر سعید، گند لال۔ جونی پرکاش۔ سوادی سرد پانند۔ چودھری بیاری مسٹر گامی۔ دھور داس ڈیک۔ پروفیسر جہری۔ مسٹر جاسکر۔ مسٹر چند لال۔ مسٹر روپ۔ ڈاکٹر دیدہ سنگھ۔ حکیم خلیل الرحمن۔ لالہ اونکار ناتھ۔ دیسراج چند، ایم، ایل شاہ شانتی سرپ۔ دید گور زائن۔ پری جی۔ مول چند مین۔ سردار جگت سنگھ مسٹر جنت۔ مسٹر پنچہ۔ مسٹر وندر۔ مسٹر دت۔ مسٹر راج زائن۔ مسٹر گووند سرن۔ مسٹر شیل۔ پریشری دال، دیارتی، زندر مہر۔ رام زائن، شانت اور ان کے صاحبزائے مسٹر زائن۔ مسٹر شانت شاستری۔

وہ دھونس دھونس میں کودا کر ایہ خلاف قانون طریقہ پر لے جا رہے ہیں۔

اب کیا تھا۔ سب پہلے بیٹھے تھے۔ سردار جی کا بھی دم گھٹا جا رہا تھا۔

کچھ بول نہ سکتے تھے۔ تیسری مرتبہ جو اس نے اذان دی تو سردار جی کے اشارہ پر سردار جی کو ساتھی شاستری جی لے ریل کی خطہ والی زنجیر کھینچ دی۔ زنجیر کا کھینچنا تھا کہ ہیڈ کانسٹبل نے فوراً وہ مرغامہ ٹوکری کے ریل کی کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ گاڑی ٹھیری تو گاڑی وہ ٹوکرا بے کر ڈبہ کے سامنے آیا۔ بولا یہ کس کا مرغامہ ہے۔ سب نے کہا کہ یہ ہیڈ کانسٹبل کا ہے جو بلا کر ایہ سارے جا رہا تھا۔ اور اب اس نے قانون سے بچنے کے لئے یہ کارروائی کی ہے کہ اس کو پھینک دیا ہے۔

گھبراہٹ نے مختصر سی شہادت لیکر گاڑی چلائی۔ ہیڈ کانسٹبل کو دیکھو تو بڑے معصوم بنے بیٹھے تھے۔ ایک ایک کی خوشامد شروع کر دی تھی۔ کوئی روک کوئی ممانعت نہ تھی۔ سب نے خوب کھایا خوب پیار ہر اسٹیشن پر پھیلے خطوط خریدے اور اسٹیشنوں پر ڈالے پھر راستہ میں کوئی ممانعت نہیں ہوئی۔

فیروز پور کیمپ جیل | فیروز کیمپ میں انبالہ جیل کے دہلی والے نظربندوں کا جالان ۲۴ فروری ۱۹۴۷ء کو پہنچا جیل کی

چھوٹی ڈیوڑھی میں قدم رکھا تو بانچ بائچ نظر بندوں کی سلسلہ وار تلاشی لگ گئی۔ ایک ایک کپڑا دیکھا گیا۔ ایک ایک چیز گھولی گئی۔ جوتا اتار دیا، گڑھی کھلو کر سامنے کیا۔ کتابیں سب قبضہ میں کر لیں۔ ہولڈر فائنڈیشن کا غنڈہ نسل بھت سرفار ضبط ہوئیں۔ جامہ تلاشی بھی کی سینہ، نفل اور مانوں پر ہاتھ پھیرا غرض رعب و

دبہ جانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی لیکن لے چسے والے نہ چو کے، پھر بھی ممنوعہ اشیاء اندر گئیں۔

ہوائی ڈاک چلی، بڑی نگرانی اور انتہائی سخت پابندی لگی ہر اک وارڈ کو ہدایتیں تھیں کہ کوئی خط نہ لے جائے پائے ورنہ برطرف کر دئے جاؤ گے۔ بیڑیاں مہاپید ہو گئیں لانیوالے وارڈوں کی کیا مجال تھی جولا سکیں دو تین منقہ کر بلائی گذرے، لت والے میں بول گئے، لیکن تباہی کے راستہ کھلا، کش لگے، دھوئیں اڑے اور وارڈوں کی جیبیں گرم ہوئیں۔ سپر فٹنٹ کے دورہ کا دن آیا۔ بڑے جاہ و جلال کے ساتھ مشرٹو وارد ہوئے۔ آتے ہی ڈانٹ ڈپٹ ہوئی، پردے ہٹوائے، ہر جگہ پابندی لگائی، سانس لینا مشکل کر دیا جنگ جھڑنی بھی چھڑی، ڈپٹی کمشنر آیا تو ہندوستان کو خالی کر دو کے فلک شگاف نعرے بلند ہوئے۔ انتقامی دور شروع ہوا۔ تنہائی کی کوٹھریاں لے جائے گئے۔ بھوک ہڑتال کی دھمکی ملی تو نرم ہوئے، تنہائی کی کوٹھریاں خالی ہوئیں، کیمپ میں لائے گئے۔ کچھ دن اچھے گزرے، پی، پی، کے سامان پر جھڑپ ہوئی، ادویات کے دیرنگانے پر میر مشتاق احمد نے بارک میں بند ہونے سے انکار کر دیا۔ خواہاں ہوئیں بند کرنے کے قہقہے گئے گئے لیکن رات کے تین بجے تک مکمل پٹ پٹ چلتی رہی۔ اور میر صاحب بارکوں کے باہر بیٹھے رہے آخر جیلر زیادہ ایساں منگانے کا وعدہ کر گیا جب قہقہہ مٹا۔

خطوں کی تقسیم میں ستایا جانے لگا تو ناامنگی کی لہر دور ہو گئی قضا عطا

انہی دنوں دوبارہ ڈپٹی کمشنر دورہ برآیا۔ پھر کیا تھا بقول شخصے ایسے وقت کا انتظار تھا پھر نعرے لگ گئے اس مرتبہ سپرنٹنڈنٹ نے پھر قید تنہائی کی کوٹھریوں میں بند کیا۔ لیکن نتیجہ کے اعتبار سے کافی دب گیا۔ مگر منتظر با کہ کوئی شرارت پکڑے اور سختی کرے چنانچہ ایسا ہی ہوا مسٹر شانتی راہوئے ڈیوڑھی میں جامے تھے کہ ان کی تلاشی لی گئی کسی خبر کی خبر پرانگی جوتی کے تنے اوڑھ لئے گئے اس میں سے چھٹیاں ملیں۔ شانتی روک لئے گئے اور جن جن کی چھٹیاں تھیں ان کے دو ماہ تک خط آنے اور جانے بند کر دئے ان خطوں میں راقم الحروف کا بھی خط تھا۔

ہیڈ وارڈر کی شرارت | ان تمام شرارتوں میں ہیڈ وارڈر کا ہاتھ تھا جو فطرتاً ذلیل اور کمینہ آدمی تھا اسکو پریشان کرنے اور ستانے میں بہت مزہ آتا تھا۔ چنانچہ اس کا دستور یہ تھا کہ وہ بلاوجہ سپرنٹنڈنٹ کے کان بھرتا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے سپرنٹنڈنٹ کو بتایا کہ کمپ کے دائرہ میں بہت نیچے ایک جہاز آیا۔ اور اس نے مسٹر ٹیناٹک ٹامیلٹ (نظر بند) سے بات چیت کی کہ آپ مٹھن رہے ہم آپ کو چھڑا کر لے جائیں گے۔ ایک دور دراز میں ایک سیڑھی پھکیں گے اس پر چڑھ کر آپ آجائیں۔

حیرت ہے کہ اس داستان پر یقین کر کے سپرنٹنڈنٹ نے مسٹر ٹیناٹک کے پیچھے دو نمبر وارنگز بھی لگا دئے جو ان کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ دن رات ان کا بھیانک چھوڑتے تھے۔

دوسرا قصہ یہی ہیڈ جمعدار نے یہ بتایا کہ خود ایک جمعدار کے ذریعہ مسٹر
 ہٹنایک سے یہ کہلا کے بھیجے یا کہ جیل کے سامنے بانسکوپ کے پاس آپکی
 بیوی کھڑی ہیں آپ ان کو بارک کی چھت پر چڑھ کر دیکھ لیں مسٹر ہٹنایک اس
 قریب میں آکر اوپر چڑھنے لگے ، پیچھے سے یہ ہیڈ جمعدار چلا یا آخر شرمندہ ہو کر
 مسٹر ہٹنایک نیچے اتر آئے ۔ اور جمعدار سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ یہ خبر
 مجھ کو ہیڈ جمعدار نے دی تھی اور تاکید آپ سے کہنے کو کہا تھا ۔

تیسرا قصہ گھڑے کے اس ہیڈ وارڈ نے سپرنٹنڈنٹ کو یہ خبر دی کہ جیل
 کے بانسکوپ کے سامنے اور جیل دیوار کے قریب نظر بندوں کے رشتہ دار
 خطوط لکھ لکھ کے جیل میں پھینکتے ہیں اور نظر بند جیل کی چھت پر چڑھ کر ان سے
 باتیں کرتے ہیں ۔

اس واقعہ کی تصدیق کے لئے سپرنٹنڈنٹ نے ایک جمعدار جیل کی دیوار
 پر مقرر کیا جس نے دس روز دیوٹی دے کر رپورٹ کی کہ یہاں کوئی غیر آدمی
 دیوار کے پاس نہیں آتا ۔ اور نہ کوئی باتیں ہوتی ہیں ۔

اس قسم کی غیر معقول شکایتوں کا نتیجہ تھا کہ مسٹر مسٹر قیدیوں سے ہر وقت
 بدگشتہ رہنے لگے ۔ ان پر قسم قسم کی نگرانیاں لگاتے اور سختیاں کرتے تھے ۔
 وہ جب تک فیروز پور جیل میں رہے انھوں نے نظر بندوں کو چین سے نہیں بیٹھنے
 دیا ۔ کبھی ان کے خطوط روکے ، کبھی ان کے پارسل واپس کئے کبھی کسی چیز
 کی مانعت کی ۔ کبھی کھیل کود پر پابندی لگائی کبھی حکم ہوا کہ صبح دس بجے
 برا تعنا مت کرو ۔ نعرے مت لگاؤ ۔

قیدیوں کو بھی ایک فصل ہاتھ لگ گیا تھا۔ وہ مفت میں نئے شرے چھوڑتے۔ پروگرام بنتا کہ ہر مہینہ کی وٹارچ کو صبح پر بجات پیری ہو۔ اور ترجمے جھڈے کی سلامی کی جائے۔ وہ روزانہ تقریریں کرتے، مشاعرہ جاتے، اور جیل افسران کے قبضہ و اقتدار کو خاک میں ملائے رہتے تھے۔ سپرنٹنڈنٹ تنگ کرتا تو راشن کے لینے سے انکار کر دیتے تھے۔ جس پر اس کو ڈھیلا ہونا پڑتا تھا۔

چنانچہ انہی تنازعات میں انسپکٹر جنرل کا نزول ہوا۔ قیدی جیل بیٹھے تھے۔ سپرنٹنڈنٹ کی شکایتیں ہوئیں بتایا گیا کہ بہار می عزت بھی محفوظ نہیں ہے انسپکٹر نے پوچھا کیوں تو تفصیل ظاہر کی گئی کہ ہمارے پرائیویٹ خطوں کو انچارج دھیتا ہے اور کہتا پھرتا ہے کہ میں ان خطوں کو لطف اور مزہ لینے اور راز معلوم کرنے کے لئے پڑھتا ہوں و سپرنٹنڈنٹ سے یہ شکایت کہی جا چکی ہے لیکن وہ اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا اور بہار می ذلت کے وہ ہے۔

ان شکایتوں کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا، انچارج درست ہوئے۔ خطوط باقاعدہ ملنے لگے، کھیل بھی کھیلے جاتے گئے۔ اور معلوم ہوا کہ حکومت پنجاب نے نظر بندوں کی سواروپہ روزانہ اور چودہ آنہ پینسل قیدیوں کی خوراک کر دی ہے۔ اور پی، پی سے کھانے پینے، اور پھلوں کو منگوانے کی بھی اجازت دیدی ہے۔

پی، پی کا سامان | پی، پی سے اجازت ملنے کو حکام نے اپنے اقتدار پر

ایک ضرب کاری لگی اور ان کے بارے میں انسپکٹر جنرل کو اپنی دقیق لکھیں کا شاف پی پی کے طویل حسلب نہیں رکھ سکتا۔ رقم مقرر کی جائے تاکہ حساب رکھنے میں سہولت ہو۔ جواب میں پانچ روپیہ ہارسوار کی اسٹیجیٹنگ کے کا حکم ہوا۔ قیدیوں نے اس کو بیکار سمجھا۔ لیکن کیا کرتے۔ قہر درکشی برعاب درویش تسلیم کیا۔

اسٹھ خط | مسٹر مٹو کا تبادلہ ہونے والا تھا کہ پنجاب اسمبلی میں اعلان ہوا کہ نظر بند مہینے میں آٹھ خط اپنے رشتہ داروں کو لکھ سکتے ہیں اور سولہ خط آمدہ لے سکتے ہیں۔ چنانچہ اس اعلان کے مطابق نظر بندوں کو اسٹھ خط جیل کے خرچ پر دے جانے لگے۔ اس میں بھی مسٹر مٹو نے سرکاری ذہانت سے کام لیا اور سرکاری خرچ کم کرنا چاہا اور اس سرکل کا یہ مفہوم نکالا کہ دو کارڈ ملنے چاہئیں لفاظ نہ ہیں۔ اس پر نظر بند معترض ہوئے۔ احتجاجاً قدم اٹھانا چاہتے تھے کہ سپرنٹنڈنٹ ایک خط اور ایک لفاظ دینے پر تیار ہو گیا۔ معاملہ اسی پر طے ہو گیا۔

الائونس | نظر بندوں کے لئے قانون ہے کہ ان کے گھر والوں کو گھر کے خرچ کے لئے حکومت الائونس دے تاکہ گھر والے مالی

پریشانی سے بچ جائیں۔ اس قانون کے مطابق ہر نظر بند نے کم و بیش حکومت کو درخواست دی اور الائونس کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ درخواستیں ۹۹ فی صدی منظور ہوئیں اور رڈی کی ٹوکری میں ڈال دی گئیں۔

الائونس لینے والوں میں مسٹر منو بو شاستری اور کچھ دن شاید سپنڈت شترگوں جی شرا کا نام رہا۔ یہ لوگ یقیناً مستحق تھے۔ ان کو بلا نتیجہ ملا۔ مگر جن اور مستحقوں کو نہیں ملا۔ اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ مسٹر حکم سنگھ کے دو بیٹے ایک بیوی ہیں

بچے پڑھتے ہیں۔ ان کی پڑھائی اور بیوی کے گزارہ کے لئے الاؤنس نہ دینا ستم ظریفی سے کم نہیں ہے۔ اسی طرح مسٹر چوہدرہ کی بیوی بھی الاؤنس کی مستحق تھیں۔ بیماری کی حالت میں انہوں نے الاؤنس طلب کیا تو انکار کر دیا گیا۔ نہ معلوم کیا معیار حکومت نے مقرر کیا تھا۔

مشترکہ کچن | ملتان، انبالہ جیل کے تجربوں اور کوششوں نے آخر نظر بندوں اور پولیٹیکل قیدیوں سے ایک ایسا اقدام کرایا تھا جس سے جیل حکام متحیر تھے ہمیشہ سے ان کا دستور یہ چلا آ رہا تھا کہ وہ پولیٹیکل قیدیوں اور نظر بندوں میں اختلاف ڈالو اگر دو ٹکڑیاں بنوا دیا کرتے تھے اور باہمی نزاع سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ اس شرارت کا سدباب کرنے کے لئے یہ طے کیا گیا کہ نظر بند اور پولیٹیکل قیدی مشترکہ کچن قائم کریں اور جو ہیز خوراک کی آئے اس کو تمام پر تقسیم کر لیں تاکہ جیل والوں کو آپس میں نفاق ڈلوانے کا موقع نہ ملے۔ یہ اقدام نہایت کامیاب ثابت ہوا۔ نفاق انگیز کل ختم ہو گئی تھی نظر بندوں کے سوار و پیہ میں سے چورہ آنے خوراک میں لگ جاتے تھے اور بقایا جو بچتا تھا اس میں بھل بادام وغیرہ منگاکر تمام نظر بندوں اور پولیٹیکل قیدیوں کو تقسیم کر دے جاتے تھے۔

مصروفیات | دہلی کے نظر بند دہلی جیل، ملتان جیل اور انبالہ جیل میں اجتماعی صورت سے نہیں رہے۔ اور ایک فیصد فنانس کمیپ جیل ہی ایسا مقام تھا جہاں تمام دہلی والے ایک جگہ تھے اور ان کو کافی وقت گزارنے کے لئے وہاں رکھا گیا تھا۔ چنانچہ وہ جب کل ایک جگہ جمع ہو گئے

اور ان کو یقین ہو گیا کہ یہاں سے ہم کو کسی دوسری جیل میں منتقل نہیں کیا جائے گا تو انہوں نے وہاں دھکپیاں بڑھانی شروع کیں اور پڑ و گرام بنائے۔ چنانچہ ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق مصروفیتیں مہیا کر لیا کرتا تھا۔

کھیل | ناش کے کھلاڑی صبح اٹھ کر کھیلتے کھیلتے شام کر دیتے تھے، نہ کھانے کا ہوش، نہ پینے کا خیال۔ ہر وقت ناش اور شرطیج کھیلنے میں مگن رہتے کبھی کبھی ہار جیت بھی ہو جاتی۔ شام کو بالی بلی کا کھیل جتنا، گیم ہوتے، پلڑی بندی کے جوش و خروش ظاہر ہوتے۔ کسی دن آٹا بٹا کھیل کھیلا جاتا تھا، ہارپوں کا مذاق اڑتا، بے ٹیکے لوگ تماشہ بینوں کی تفریح کا سامان بنتے، کہنے والے نہ چوکتے۔ کاغذ کے پٹے بازوں کا مشاعروں میں نقشہ کھینچا جاتا تھا۔ ایک دل جلے نے کیا خوب کہا تھا۔

کھیلتا ہوں میں، نٹوں کو مات کرتا ہوں دوڑتا ہوں، انگلیوں سے بات کرتا ہوں
گیم کر دوں، آرزو یہ تنگ کرتی ہے اس لئے آگے اچھلکے دانت کرتا ہوں

مشاعرے | مشاعرہ باز مشاعروں کی نیاریاں کرتے، انجمن بیوقوفان کا قیام ہوتا۔ صدر محترم شکل و صورت کے اعتبار سے منتخب ہوتے۔ ماشاء اللہ چشم بد دور خوب جچتے۔ کسی پر ناراض ہوتے تو آنکھوں کے ساتھ دانتوں کی چمک بھی اپنا رنگ دکھاتی۔ جیتے جی جوازہ نکلوانے سے بھی نہ چوکتے تھے۔ ان کا مقولہ تھا۔

مان لولیدرز کا لو خواہ جوازہ جس طرح لیڈری پر ہو رہی ہے جانی تاریا کل
ہفتہ کے ہفتہ مشاعرہ ہوتا، لوگوں کو خطاب دے جاتے، ڈاکٹر زن لال شاردہ۔

اور میرشتاق اس پارٹی کے روح رواں تھے۔ ان پر ہر وقت مشاعرہ سوار رہتا تھا۔ ہر شخص کو شاعر بنانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ بھن منڈلی ہر لمحہ بھگوان کی چرن لپتی تھی۔ ہر ساعت اس کی مالا جپی جاتی تھی۔

مشاعرہ میں جیل افسروں کو نہ بھجتا جاتا تھا جیل کی بد انتظامیوں کے خاکے کھینچے جاتے تھے۔ دوست اجاب بھی زد میں آتے تھے۔ بھبتیاں کسی کو نہ بھنتی تھیں۔ ایک محفل میں ایک نوجوان نے خوش الحانی کے ساتھ نظم سنائی۔

قوم کے سیوک ادیب کھنوی ہیں باکمال وہ بنے ہیں حاتمے سرا بہ داری آجکل
زر پرستوں کی برائی کیجئے ہونگے خفا بے غرض کرتے نہیں ہیں پاسداری آجکل
قوم کا سرا بہ چٹ ہو یا وطن پر کچھ واسطہ اس سے نہیں ہے پاس یاری آجکل
نظم کے ایک ایک مصرعہ پر دل کھول کے داد ملی، سمجھنے والوں نے سمجھا

اور جاننے والوں نے جانا کہ خوب ہوئی۔ اچھے اکڑ و خاں کی اکڑ نکالی۔ اچھے پھندے میں پھنسے لیکن یہ سب کچھ کہنا اور سمجھنا تفریح تھی۔ کوئی کسی سے ذاتی مخالفت یا کسی کے دل دکھانے کے لئے نہیں کہتا تھا۔ جس کے بارے میں کہا جاتا تھا وہ سب سے زیادہ خوش ہوتا اور محفل کی جان بنتا تھا چنانچہ محفل کے چند ہیرو تھے وہ جیل کی زندگی بنے ہوئے تھے۔ مسمریزم کے کمالات دکھانا اپنی کا کام تھا۔ وہ جس بات میں حصہ لیتے سب اس میں لگ جاتے، آنکھیں بند کر کے لکڑیوں سے ٹکے پھڑواتے، ایک ٹانگ کی دوڑ کراتے، تاش کی پتہ بازی دکھاتے، ہفتوں ان چیزوں کی تیاری کرتے، اور پھر داد لیتے۔

ڈرامہ اسی کو لڑکی کسی کو لڑکا کسی کو لڑکا ہارا بنا کر لکڑ ہارے کا کھیل دکھاتے

اور پوڈر، رنگ، روغن کپڑے وغیرہ ہیا کرتے اور اسٹج بنا کر چراغ اللہ دین کی یاد تازہ کر دیتے تھے یہ جیل ریل سلی گھرنہا ہوا تھا۔ مسٹر بھاسکر اور مسٹر جوہری کے زمانہ پڈرٹ پر ہر شخص شہید تھا۔ مسٹر بھیت، مسٹر نیچہ، مسٹر ٹننا یک دیوانہ وار کمپنی کی شہرت کو چار چاند لگانے میں مصروف نظر آتے تھے۔

پیٹ پوجا کچن سلامت رہے اور اس کی انچارجی اس کو ان محفلوں سے صرف اس قدر دھپپی رہتی تھی کہ جب کچن انچارج کے انتخاب کی ٹینک ہوتی تو وہ اس میں آجلنے ورنہ کوئی سروکار نہ رکھتے۔ وہ دودھ پواتے، جاتے،

بٹواتے، اس کے جھاگڑے چکوانے جلیہ سے راشن کی کمی و بیشی پر لڑتے، لکڑی گیلی ہے، گھی خراب ہے، آٹا نہ نکما ہے، سبزی بد تر ہے، کے شکوے در دربان رستہ اوریوں بی دن بھر جرج پچ پٹ کر کے گنتی کے بعد مشکل تمام آٹھ گھنٹے سونے سونے میں بھی مشقتیوں کو ڈانٹتے جھڑکتے اور جلد کام کرنے کی تاکید فرماتے تھے اس گروپ کے کرتا دھرتا و دیار بھی جی ہی تھے۔

سیوا سیوکوں کا گروپ صبح گنتی دینے کے بعد پر بھات پھیری کرتا، نظمیں گا گا کر تمام جیل میں گشت لگا کر سنائی جاتیں، آٹھ ٹونجے جھنڈے

کی سلامی کرتا، دو تین گھنٹے چرچہ کا تھا، دوپہر کو اسٹنان گھرا و ربیت اخلا کی صفائی کی خدمت انجام دیتا۔ شام ہوتی تو جھنڈے کی سلامی ہوتی۔ اور قومی نعرے لگائے جاتے تھے جھنڈے کی سلامی کے انچارج مسٹر اجیت داس گنتا تھے یہ بیچارے بنگالی ہیں یہ جھانڈا کی سلامی بڑے دلچسپ لہجہ سے

کہتے تھے اور لوگ اس میں لطف لیتے تھے :

ہَمُول | مذہبی لوگ ہون کا سامان جمع کرتے۔ ہون کی کنڈلی بنانے اور اس میں شرکت کے لئے دعوت دینے میں کافی وقت صرف کرتے تھے۔

دیباوندی کے فلسفہ پر بحثیں ہوتیں۔ آزاد خیال اور مذہبی لوگوں کی چھیڑ چھاڑ کبھی دھچپ اور کبھی تلخی کا باعث بن جاتی تھیں۔ جیل کے ماحول سے ثابت ہوا کہ کانگریسی ہندو طبقہ ابھی تک مذہب کا دیوانہ ہے۔ اور مذہبی ہے۔ ہون میں کم و بیش ہر خیال کا ہندو شامل ہوتا تھا۔ مگر اسی تعداد بھی تھی جو ہون پر یقین نہ رکھتی تھی اور اس کو پولیٹیکل اعتبار سے صحیح نہیں سمجھتی تھی۔

رہائیوں | رہائیوں کے مذاق تو ہر وقت ہوتے تھے کسی نہ کسی کو بیوقوف بنا کر تفریح کی جاتی تھی۔ لیکن واقعی جب کوئی رہا ہوتا تھا تو اس کو

دعوت دہی جاتی۔ اس کی تعریف و توصیف میں تقریریں ہوتیں اور جیل میں آنے کے مقاصد اور باہر جا کر پروگرام کا ذکر کیا جاتا۔ زیادہ مالدار اور اثر رسوخ کا مالک ہوتا تو دو تین سے دعوتیں کھا جاتا اور نہ چند دوست دعوتیں کر کے نصرت کرتے چھٹیوں کے پشتارے باندھ دیتے اور ملنے جلنے والوں کو اس کے ذریعہ پیغام پہنچاتے تھے۔

شروع شروع میں چھٹیاں خوب گئیں مگر جب شانتی جی کا واقعہ ہو گیا تو ان کی معافی ضبط کرنی لگی تو انتہائی احتیاط برتی جانے لگی۔

رہائیوں کے وقت ایک دھچپ کیفیت ہر شخص کو محسوس ہوتی تھی ہر شخص رہا ہونے والے سے ملتا اور اپنے پیغامات پہنچانے کی یاد دہانی کراتا تھا

رہا ہونے والے کے دوست و احباب غمگین سے نظر آتے تھے۔ وہ اس کو چھوٹا بھی نہ چاہتے تھے اور نہ رہائی میں داخل ہو سکتے تھے۔ جبراً قہراً الوداع کرتے اور چلتے چلتے دروازے سے نکلتے وقت ”پیچھے گھوم“ کا فلک شگاف نعرہ مخلصانہ طریقہ سے لگاتے تھے۔

رہائی کے بعد رہا ہونے والے کے دوست احباب جیل کی چھتوں پر رونق افروز ہوتے۔ چوروں کی طرح چڑھتے اور میتابوں کی طرح سڑک پر نگاہ ڈالتے رہا ہونے والا وہاں موجود ہوتا تو وہ روال ہلا دیتا۔ جس کا مطلب یہ لیا جاتا کہ تمہاری چیزیں جیل کے دروازے سے باہر محفوظ پہنچ گئیں۔

رہائی یا قید | پرچہ آیا کہ مسٹر درگا داس کھنہ کی درخواست ہمیں کارپریس منظور ہو گئی ان کو رہائی کے لئے ڈیوٹی بھیجا جائے پانچویں اس خبر نے کیمپ میں ایک پبلشنگ ایجنسی، فوراً دعوت کی تیاری ہوئی عاتھیلوں ایڈریس دینے اور تنہیت نامے لکھنے شروع کر دیے۔ سامان کی لسٹیں بنیں۔ گھڑائیاں چڑھیں اور آٹا فائنا میں سامان دعوت تیار ہونا شروع ہو گیا۔ دریاں بھریں، دسترخوان آئے، گونیوں نے الاپنا شروع کیا۔ سحرور نے قہقہوں کی دنیا پیدا کی۔ پیٹ میں پڑنے کا دور آیا۔ چھینا جھپٹی ہوئی، کسی نے منہ بنایا۔ ہڈیوں کے ڈھانچے نے دانت نکالا۔ پرانے بھڑوں کی طرح بڑبڑانا شروع کیا۔ مظلوم ہوا کہ کوئی تازہ نظم سنائی ہے۔ ماشاء اللہ، سبحان اللہ، واہ واہ، مکرر، سہ کر، چہار کر، رکی صدائیں بلند ہوئیں۔ کچھ نہیں سمجھے۔ اور ہوا اصرار جاری ہوا۔ میر صاحب آدھے انہوں نے جو کہا تھا وہ مایا کلیم الخمل

بھی حضرت ذوق کی طرح قصیدہ خواں ہوئے۔

ڈیوڑھی پر کھنہ جی کے بدشتہ دار، بیوی بچے انتظار کر رہے تھے۔ اسلئے ان کے جانے میں عجلت برتی گئی۔ وہ گئے۔ بیوی نے دیکھا۔ بچے چمٹے کہ اب آبا جان کی گودی میں بیٹھیں گے۔ ان سے روزانہ چیریں کھائیں گے۔ کھلونے لیں گے۔ یہ دیکھ کر لطف منظر جاری تھا کہ پولیس افسران نے ایک ہاتھ میں رہائی کا وارنٹ دیا اور دوسرے ہاتھ میں ۱۲۹ میں نظر بند ہونے کا حکم پکڑ لیا۔ خوشی غم میں بدل گئی۔ بچہ رونے لگا۔ بہادر باپ نے تھپڑ مارا کہ چپ رہ، خوشی کا موقع ہے رونے کا نہیں۔ تو کس باپ کا بیٹا ہے۔ روتا ہے۔ یہ کہہ کر سب ملنے جلنے والوں اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر کھنہ جی خوش و خرم جیل کے اندر چلے آئے۔

انبالہ جیل سے ہمارا چالان فیروز پور کیمپ میں پہنچا تو وہاں **جمعیداری** حکم سنگھ جی کی جتھے داری تھی۔ یہ لوگ ملتان جیل سے پہلے جتھے میں آچکے تھے۔ یوں تو انبالہ جیل میں بھی جتھے داری شروع ہو گئی تھی اور ملتان جیل میں بھی جتھے داری تھی۔ انبالہ جیل کی ناقص جتھے داری ہونے اور ملتان جیل میں کم مدت رہنے کی وجہ سے ہمارا ان جتھے داریوں سے خاص تعلق نہیں رہا۔ ہاں فیروز پور جیل میں رہے وہاں جتھے داری کے نظام کو چلانا پڑا۔ جتھے دار قیدیوں میں سے چنا جاتا تھا۔ تمام قیدی جمع ہو جاتے تھے اور اس کو جن لیتے تھے بعض مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ بیرک دار جتھے دار منتخب ہوتے اور وہ منتخب جتھے دار اپنے اندر سے ہیڈ جتھے دار منتخب کر لیتے تھے۔ کچن کا

انچارج الگ ہوتا تھا۔ اس کے ماتحت چھوٹے کچن کے انچارج ہوتے تھے۔ کچن انچارج چھوٹے انچارجوں کو اپنی موجودگی میں ان کے کچن کا راشن دلواتا تھا اپنے سامنے تلاوتا اور دیکھ بھال کر کے حساب سے تقسیم کرتا تھا۔ ہیڈ کچن انچارج کی مرضی کے بغیر راشن واپس نہ ہوتا تھا۔ واپس کرنا ہوتا تو ہیڈ کچن انچارج ہیڈ جتنے دار کو اطلاع کرتا۔ وہ جیل حکام سے بات کرتا۔ ان تک شکایتیں پہنچاتا اور ان کو دور کرانے کی کوشش کرتا تھا۔

جیل حکام کی بدعنوانیوں کے خلاف عملی قدم اٹھانے کے لئے قیدیوں کی جبرل ٹینگ ہوتی تھی اس میں ملے کیا جاتا تھا کہ کیا قدم اٹھانا چاہئے اس میں پارٹی بازی ہوتی۔ جتنے داری احتیاطاً یا حفاظتاً عام طور پر عملی قدم اٹھانے کی مخالفت ہوتی۔ بہت پھونک پھونک کر قدم رکھتی۔ اور عملاً ایسی معلوم ہونے لگتی کہ یہ جیل حکام کی وکیل ہے اور ان کی وکالت کر رہی ہے۔ ان کا نظریہ یہ ہوتا تھا کہ جو کچھ کرنا تھا وہ کر لیا۔ گرفتار ہوئے۔ چہار دیواری میں بند ہو گئے اب یہاں آرام و سکون سکوت سے زندگی گذارنی چاہئے۔ جو باندی ہو اس کو قبول کرنا چاہئے اور ایچی ٹیشن سے دور رہ کر زندگی بتانی چاہئے۔

دوسرا گروپ اس نظریہ کا حامی نہ تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ جب ہم باہر جلائے ذلیل کن ذہنیت کے خاتمہ کی جدوجہد کی پاداش میں جیل کے اندر بھیجے گئے ہیں تو پھر ہم اس ذلیل ذہنیت کے سامنے جیل کے اندر کیوں جھکیں۔ اور اپنی خود داری کو کیوں بھیس لگائیں۔

فیروز پور جیل کے ایام میں تین جتنے داریاں وجود میں آئیں۔ اول

حکم سنگھ جی، دوم میر مشتاق احمد، سوم ڈاکٹر بدھ ویر سنگھ کی۔ موخر الذکر جھٹے داری بالکل رحمت پسندانہ ذہنیت رکھتی تھی۔ اس دور میں پولیٹیکل قیدیوں کی بری طرح مٹی پلید ہوئی۔ جیل کے جمہدار راج کرتے تھے۔ ہیڈ جمہدار نا خدا بنا ہوا تھا۔ وہ جھٹے دار کو ڈانٹ دیتا تھا۔ وہ غریب خاموش سنتا تھا۔

راشن دینے والے نمبردار کم راشن تول دیتے تھے اور کوئی آواز نہیں اٹھائی جاتی تھی۔ طرح طرح کی پابندیاں لگادی گئی تھیں۔ دودھ انتہائی خراب آنے لگا تھا۔ گیارہ بجے دن کے اس کی شکل دکھائی دیتی تھی۔ بارہ ایک بجے روٹی سبزی و سالن کے ساتھ تقسیم ہوتا تھا۔ گویا پانی کی جگہ استعمال کرنے کی چیز دودھ کو تصور کیا جاتا تھا۔

البتہ چند لوگ ایسے ضرور تھے جن کو باقاعدہ ڈاک مل جاتی تھی۔ دن میں دو خط سبیشل طریقہ سے جاتے اور دو آتے تھے۔ اور تمام مٹھائی اور پھلوں کے پارسل ان کو مل جاتے تھے۔ وہ کتابیں پڑھتے اور بڑے ایک ایک چیز کیلئے ترستے تھے۔ سپرنٹنڈنٹ آتا تو اس کے ساتھ جھٹے دار ایک ملازم کی طرح چلتا، جی حضوری کا بازار گرم ہوتا۔ اس کو فکر رہتا کہ کوئی سپرنٹنڈنٹ سے ذاتی شکایت نہ کر دے۔ اگر کوئی شکایت کرتا تو وہ سپرنٹنڈنٹ سے اس کی تردید کر دیتا۔ لکڑی گیلی اور خراب آتی تو خاموشی سے لے لیتا۔ دوسرے پی پی کی چیزوں سے محروم ہوتے۔ لیکن وہ ضرورت کی اشیاء بھی وغیرہ منگانے سے نہ چوکتا۔ اس جھٹے داری میں دو بیک جھٹے دار سٹر خورشید احمد کاظمی اور نیڈت شتروگھن شرم تھے۔ یقیناً اس قابل تھے کہ ان کی محنت و کام کی تعریف کی جائے۔ یہ لوگ اگر اس جھٹے داری

میں نہ ہوتے تو یہ جیتے داری جماعتی عقرت و وفادار کو بری طرح کا دھکا لگادیتی۔ ادھ جیل میں بڑے دلوں نیلام کراتی۔

یہ ذامیاں حکم سنگھ جی اور میر صاحب کی جیتے داری میں قطعاً نہ تھیں۔ یہ خود دار لوگ اپنی خود داری کو کسی قیمت پر قربان کرنے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے یہ ہر وقت عملی قدم اٹھانے کے لئے تیار رہتے۔ ان کو جیتے داری کی بھی پروا نہ تھی جیتے داری ان کے پیچھے پھرتی تھی۔ حکام تھراتے تھے۔ انہوں نے کبھی اپنی جیتے داری کیلئے بیٹریاں، پھلیکیاں اور کپڑیاں نہیں بائیں۔

ہمارا ڈاک گھر | دہلی جیل اور انبالہ جیل میں، لکھنے پڑھنے کی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ یہی وہ جلیں ہیں جہاں تباہی جرم و سزا کے اوراق لکھے گئے۔ انبالہ جیل میں ہسپتال کے فارم اور ردی جس کے ایک طرف لکھا ہوا ہوتا تھا کام میں آتی تھی۔ لکھی ہوئی طرف لئی لگا کر اس کو چھپا دیتے تھے۔ ان کاموں میں منشی عبدالقدیر صاحب بہت دلچسپی لیتے تھے اور بہترین محاذوں ثابت ہوتے تھے۔ انبالہ جیل میں مختصر سی لائبریری بھی ہے۔ لیکن جتنی کتابیں ہیں وہ تمام کارآمد ہیں۔ ان کتابوں سے ہم کو کافی مدد ملی۔ خاص طور پر مسٹر بارکراٹسپیکٹر جنرل جیل پنجاب کی تصنیف امپرنزمنٹ (مسٹر سلیمین کی تصنیف ریمیلز اینڈ ریکولیکیشن) اور دارالحکومت دہلی مصنفہ مولانا بشیر احمد ہیشیہ مطالعہ میں رہیں امپرنزمنٹ کا اردو ترجمہ انبالہ جیل میں ہی پروفیسر کمار کی مدد سے کیا گیا۔

فیروز پور کمیپ میں کاغذ، پنسل، سیاہی، قلم، دوات، پخت پابندی تھی۔ کوئی ان چیزوں کو اپنے پاس نہ رکھ سکتا تھا۔ اس کا رکھنا خلاف قانون تھا

کتابیں بھی چارپانچ مہینے نہیں دی گئی تھیں۔ ذاتی کتابیں بھی ضبط تھیں۔ ایسی صورت میں کچھ پڑھنے کا کام مفقود تھا۔ بہت چھپ چھپا کے چھٹی پتہری لکھی جاتی تھی۔ مہینہ کا خط لکھنے کے لئے نمبردار دفتر سے دوات قلم لاتا اور اپنے سامنے خط لکھوا کر لے جاتا۔ کاغذ کی شکل دیکھنے میں نہ آتی تھی۔ کوڑی پر کاغذ کی شکل دیکھ کر طبیعت خوش ہو جاتی تھی۔ ایک طرف لکھا ہوا کاغذ اٹھالیا جاتا تھا اور سوغات سمجھ کر اس کو تسنیت کر رکھتے تھے۔

لفافہ بنانے کے لئے شروع شروع میں لٹی اور گوند نصیب نہ ہوا تو لمبے توڑ کر استعمال کئے ان سے لفافے بنائے کبھی کبھی آٹا گوندھا اور موٹا بھدا لفافہ بنا کر روانہ کیا۔ لفافہ کی وضع عجیب ہوتی تھی۔ چار انگل سے بڑے نہ ہوتے تھے۔

میرے لئے یہ شکل کچھ عرصہ رہی۔ اس کے بعد قلم سرکنڈے کی ہمانی اور پتی لگا کر کام چلانا شروع کیا۔ دوات کے لئے ایک شیشی مل گئی۔ دفتر سے نمبردار سیاہی لانے لگا۔ چٹھیاں تیار ہونے لگیں۔ غرض ایرمیل کا انتظام ہوا۔ "ٹوسیل" نے ڈاک گھر کا خطاب پایا۔ اس میں ایک پیسہ، دو پیسہ، تین پیسہ، چار پیسہ اور چھ پیسے تک کے ٹکٹ لفافے ملنے لگے۔ ہر قاعدہ ایک ٹھیکہ بن گیا۔ چغل خور نے چغلی کھائی کہ قلم دوات فلاں سیل میں رکھی ہے۔ جمہدار آدھما۔ دوات مانجی۔ پکڑادی پھر ایک شیشی لی دوات کا کام چلنے لگا اور ایسا چلا کہ سب نے دیکھا کہ قلم دوات رکھی ہے۔ اور کچھ والا لکھ رہا ہے۔ اور کچھ بس نہیں چلتا۔

مٹھائیاں | کچن پہلے تین تھے میٹ رگوشت اچن۔ ویجی ٹیل رسبری اچن۔

یہ دونوں کچن نظر بندوں کے تھے۔ تیسرا کچن قیدیوں کا تھا۔ بعد میں دو کچن رہ گئے ایک گوشت دوہرا سبزی والا، ان کچنوں کے انچارج اولتے بدلتے رہتے تھے۔ اور لوگ اس جگہ کے لئے خواہشمند رہتے تھے۔ جو ہٹتا تھا وہ الزام سے نہ بچتا الزام لگتا تھا کہ گھی کم خرچ کرتے ہیں۔ اپنے ٹولے کے لئے رکھتے ہیں۔ روٹیاں خشک رہتی ہیں۔ دودھ میں پانی ملایا جاتا ہے۔ روٹیاں بلا سکی دی جاتی ہیں اور انہوں کو سینک سینک کر دیتے ہیں۔

گوشت بنانے اور مچھلی کے تیار کرنے میں کاظمی صاحب اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ وہ کچنوں کے ہیڈ انچارج تھے جب کبھی سالن بنانے بیٹھے خوب بناتے۔ ان کے طفیل بہت سی چیزیں کھانے کو مل جاتی تھیں۔ میر صاحب بھی اچھے خانہ سال ثابت ہوتے تھے۔ آلو کے چاول کا پلاؤ وہی بناتے تھے۔ رمن جی اور شاستری جی گھی بجانے میں کمال رکھتے تھے۔ مٹھائیاں ان کے دُور میں خوب بنیں اور لوگ پیٹ بھر بھر کر کھاتے تھے۔ اور نپڈت شروگھن مٹھائی کی تیاری میں رت جگہ مناتے تھے۔

مٹھائیوں کے استاد شروگھن جی تھے۔ ان کے بغیر مٹھائیوں کا بنا مشکل ہوتا تھا۔ ان کی مٹھائی کھا کر دہلی والوں کو دہلی کی مٹھائیاں یاد آ جاتی تھیں ان کے دوسرے ساتھی مٹھائی بنانے کے مہٹر کنھیا لال عرف کٹی تھے۔ قد کے اعتبار سے چھوٹی بالوشاہی یا مٹھڑی جچتے تھے۔ پہلوانی میں ہمارے استاد بھائی تھے۔

گنے کی چوری | پھلوں کے سلسلہ میں جماعتیں بندھی ہوئی تھیں۔ کوئی

گئے شگتا تھا کوئی کیلے کا شائق تھا۔ اس کے لئے کیلے آتے تھے۔ کوئی آم کا ذوق رکھتا تھا تو آم لائے جاتے تھے۔ ایک کے حصہ میں ایک چیز آتی تھی دغواہ گنا لے لیا یا آم و کیلا کھا لو۔ بعض طبیعتیں دوسری چیزیں دیکھ کر للچا جاتیں۔ اس کے اڑانے کی فکر کرتیں۔

ایک مرتبہ دس پندرہ گئے آئے۔ شریر ٹکڑی کو کوئی دوسری چیز ملی تھی۔ گئے کی فکر ہوئی تو دات کو دو گئے اڑا کر کھا گئی۔ اود ستم ظریفی یہ کہ گئے کے پھیلنے بقاء یا گنوں پر جو سر کر ڈال دے۔ یہ واردات مات کو ہوئی تھی۔ حضرت شیخ سازش میں شامل تھے اور گئے کے مالکوں کو گفتگو میں منہمک کئے ہوئے تھے ان کی برکت سے کامیابی ہوئی۔

صبح ہوئی تو چھلکوں نے چغلی کھا دی، سمجھنے والوں نے سمجھ لیا کہ اچھی چغ ہوئی۔

اسی صبح چغ میں رہا ہونے کی خبر آئی۔ پہلے جتھے میں تین نظر بند رہا ہوئے۔ چار فہتموں میں چالیس کی تعداد چھوڑ دی گئی۔ ستر سو کے تبادلے کے دن بھی آگئے۔ سردار دیوان سنگھ بھی چالیس میں بدل کر نظر بندوں کا ساتھ چھوٹ گئے۔ جاتے ہی وظائف شروع کئے اور دو ماہ کے بعد راقم الحروف کو بھی اپنے پاس بلا لیا۔ یعنی راقم الحروف۔ سہر نومبر ۱۹۳۷ء کو دہلی جیل سے رہا کر دیا گیا اور علاقہ نمبر میں پابند کر دیا گیا۔

اگر پندرہ ماہ کے عرصہ میں اس کو اور اس کے ساتھیوں کو اپنے عزیز و اقارب سے ملاقات کرنے کی اجازت نہ تھی۔ چنانچہ کوئی ملاقات نہیں ہوئی لیکن

اپریل ۱۹۴۷ء میں ملاقات کی نظر بندوں کو اجازت ہو گئی ہے جو ہر ماہ میں دو مرتبہ مل سکتے ہیں۔

اس عرصہ میں نظر بندوں کے خطوط لکھنے پر پابندی بھی لگائی گئی تھی۔ کہ وہ مقررہ الفاظ سے زیادہ نہ لکھیں۔ اس پر نظر بندوں نے احتجاجاً خط لکھنا بند کر دیا تھا مگر بعد میں کچھ مطالبات تسلیم ہونے کے بعد لکھنا شروع کر دیا تھا۔

یہ تو آپ نے جیل کے سلوک کی روئیدار پڑھی جو حکومت کی جانب سے قیدیوں کے

سیاسی قیدیوں کی قسمیں

ساتھ کیا جاتا ہے۔ لیکن بذاتِ خود سیاسی قیدی کیا ہوتے ہیں اور کن کن نظریات کے ماتحت جیلوں میں آتے ہیں۔ اور کس طرح اور کن صورتوں میں زندگی گزارتے ہیں اس کی داستان بھی دلچسپی اور سبق سے خالی نہیں ہے۔ ہم نے سیاسی قیدیوں کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ اول لیڈر، دوئم ڈکٹیر، سوئم والٹیر۔ لیجے دیکھئے قسم اول کا سیاسی قیدی جو لیڈر کہلاتا ہے۔

بارکول کے سامنے قیدیوں کی ٹکڑیوں سے الگ تھلگ منہ

لیڈر

پوش انسان کھڑا ہے اس کا لباس سادہ مگر فاخرہ ہے۔ اس کا چہرہ پروونی ہے، وہ بھی قیدی ہے۔ لیکن پونجی پتی اور سرمایہ داری کا طرہ لگائے ہوئے ہے، اس کو اپنے ساتھی غریب پولیٹیکل قیدیوں سے نفرت ہے کہ ان کے

منہ سے بدبو آتی ہے وہ ان سے ہمکلام ہونا اپنی توہین تصور کرتا ہے۔ کیونکہ وہ آداب محفل نہیں آتے۔ گفتگو کرنے کا سلیقہ نہیں رکھتے اور گنوار پن برتتے ہیں۔

وہ ان سے میل جول رکھنے کا روادار نہیں ہے۔ اس لئے وہ منہ پھٹ اور بدتمیز ہوتے ہیں۔ محفل و مقام و محل کی تمیز کرنا اس کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس وجہ سے وہ اُن سے دور رہنے کی کوشش کرتا ہے۔

اُن کے ساتھ رہنے سے وہ اپنے آپ کو ایک بلا و مصیبت میں سمجھتا ہے۔ ان کی ضروریات کی اشیاء کے حصول میں جو دقیقہ ہوتی ہیں۔ اُن کی جدوجہد سے وہ الگ رہتا ہے۔ وہ ایچیٹیشن کے نام سے کانپتا ہے۔ نعرہ سے تھرتھاتا ہے۔ جلسوں اور مشاورت کی میٹنگوں اور میٹنگوں کو غنڈہ ازم سے تعبیر کرتا ہے۔

اس لئے کچھ ہم بدلہ اور کچھ خوشامدیوں کو ساتھ میں لے کر ایک محفوظ تنہا مقام پر رہنے کا متمنی ہوتا ہے۔ مگر اس نفرت و دخارت کا اظہار قیدیوں پر نہیں ہونے دیتا اور ان کو فریب میں رکھنے کے لئے سرکڑیں اور بیڑیاں بھڑانہ مقررہ تعداد میں تقسیم کرتا ہے۔ تاکہ اس کی قوم پروری اور وطن توازی مسلم سمجھی جائے اور کسی قسم کی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔

وہ ہر تحریک کا لیڈر ہوتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ اس کو قیدیوں کے مطالبات سے ہمدردی ہے بلکہ جیل حکام کو خوش کرنے اور ان کو پریشانیوں سے دور رکھنے کے لئے اپنی قیادت کو ضروری سمجھتا ہے۔ اس کی لیڈری ہر ایچیٹیشن کی تمام پابندیوں سے پاک و صاف رہتی ہے۔ اگر فیصلہ ہو جائے کہ ہسپتال سے دوا نہ لی جائے گی اور ہسپتال کا بائیکاٹ کیا جائے گا تو وہ اس پابندی کا پابند نہ رہے گا بلکہ وہ دوائیوں کو منگا کر شیر مادر سمجھ کر فراہم کرے گا۔

یہ سرمایہ دار لیڈر جو سیٹھ جی یا لالہ جی یا میاں جی کے خطابوں سے
پکارے جاتے ہیں دن بھر کسی نہ کسی کام میں مصروف و منہمک نظر آتے ہیں
چنانچہ ان کا معمول یہ ہوتا ہے کہ وہ صبح اٹھتے ہی جمعدار کا انتظار کرتے ہیں
جو ڈاک لاتا ہے اور پھل، مکھن بھی ٹوکری میں پوشیدہ طور پر دے جاتا ہے
اور دوسرے تیسرے روز بیڑیوں کے ہنڈل اور سگریٹ کے ڈبے بھی
پہنچا دیتا ہے جس کے محتنامہ میں سیٹھ جی سے اس کو بچیس روپے ماہوار
ملتے ہیں اور سرکاری تنخواہ اٹھارہ روپیہ وصول کرتا ہے۔ ظاہر ہے جو
نائد دے گا اس کی وفاداری کی جائے گی۔

چنانچہ سیٹھ جی کی طرف سے اس کی ڈیوٹی یہ تھی کہ وہ دن میں کسی وقت
شہر میں جائے جہاں سے سیٹھ جی کی ڈاک لے کر سیٹھ جی کو صبح دم پہنچا دے۔
سیٹھ جی ایک گھنٹہ کے قریب ڈاک دیکھتے اور اس کا جواب تیار کر کے
رکھتے کہ نو دس بجے کا ٹائم ہو جاتا۔ ہسپتال جاتے، ڈاکٹروں کے اندر گرد پھرتے
لیڈرانہ خوشامد ہوتی۔ ٹکٹ پر پی پی کے ذریعہ مقوی ادویات منگانے کی سفارش
کراتے۔ نیبو، پیاز کے لئے جھگڑتے اور گھنٹوں میڈیکل آفیسر کے پاس بیٹھتے۔
یوں سیٹھ جی بارہ بجے کے قریب وہاں سے اٹھتے۔ کھانا کھاتے۔ کلا
ولہ کہتے کہ اتنی دیر میں جمعدار نیمفہ سلجھالے ہوئے آ جاتا اور اڑ میں ہو کر
نیمفہ سے اخبار نکال کر دیتا ہوا چلتا بنتا سیٹھ جی کافی دیر اخبار پڑھتے گھنٹہ
تین بجاتا تو وہ ڈیوٹی صی جاتے۔ کلاس کی گڑ بڑ ہوتی تو اس کے لئے کوشش
کرتے کہ ان کو وہی سپیشل کلاس مل جائے اور وہی تمام رعایتیں حاصل

ہو جاتیں جو ان کو حاصل تھیں۔

شروع میں سیٹھ جی یہ بھی کوشش کرتے کہ ان کے دوست اجاب پو شیدہ طور پر دفتر یا ڈیوڑھی کے کسی حصہ میں ملاقات کرا دی جائے جس میں وہ کامیاب ہوتے اور پانچ بجے تک ڈیوڑھی سے واپس ہوتے کھانا کھانے اور منہم کرنے کے لئے نصف گھنٹہ پہلے پھر پرارکھنا میں جاشامل ہوتے جس میں ایک خوش الحان نوجوان جھنڈے کی سلامی کا دفتری گیت گاتا۔ وہ ایک صرصرہ پڑھتا تو دوسرے اس کو بلند آواز سے دہراتے لیکن سیٹھ جی منہ بنائے خاموش کھڑے رہتے۔ گیت ختم ہو جاتا تو مہمردانہ اور مظلومانہ صورت بنا کر دردناک تقریر کا سلسلہ شروع کرتے۔ افسرانِ جیل کی نالائقیوں اور شرارتوں اور ان سے قیدیوں کے لئے سہولتیں حاصل کرنے کی من گھڑت داستان سنانے اور مقلع کا بند یہ ہونا کہ ہم کو ایک میٹی کے سپرد یہ حالات کر دینے چاہئیں۔ کمیٹی جتنی اور ہر تین چار مہینوں کے بعد باہمی ممبران کے اختلافات میں فنا ہو جاتی۔ یہ سلسلہ کافی عرصہ تک جاری رہتا۔ اس میں قیدی کے قید کا کافی حصہ گٹ جاتا۔

اس طرح سیٹھ جی اپنی لیڈری جیل حکام اور قیدی دونوں میں چلاتے۔ اگر سیٹھ جی کو زیادہ پریشان کیا جاتا تو وہ کسی دوسری جیل میں تبادلہ کرا لیتے تھے۔ مگر کوشش یہی ہوتی تھی کہ قیدیوں کو اپنا گرویدہ بنالیں۔ اور ان میں ہر دلعزیز ہوں۔ ان کو اپنی عزت کا زیادہ خیال لگا رہنا تھا۔ ایک مرتبہ ان کی نظر بندی کے زمانہ میں کئی شقی قیدی نے ان کو قیدی کہہ دیا تو آگ بگولہ

ہو گئے مارنے کے لئے سر پر چڑھ گئے۔ لوگوں نے پکایا اور حال پوچھا تو آپ غصہ سے کانپ رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ قیدی کہا ہے۔ قیدی نظر بند کہہ بدتمیز تو ہیں کرتا ہے تو ہیں۔

دوستوں نے دریافت کیا کہ اس میں آپ کی کیا توہین ہوئی۔ کیا آپ قیدی نہیں رہ چکے تو فرمایا اتنی قیدیں کاٹنے کے بعد اس درجہ پر پہنچے۔ اب بھی قیدی کے قیدی رہیں گے۔ اب ہم نظر بند ہیں۔ سرکار کے خاص مہمان ہیں۔ شاہی قیدی ہیں۔ سرکار کی عنایت ہے کہ ہم جیسے لوگوں کو بلا مہمب گراتے کوئی گولی چلائے یہ شرف بخشا۔ ورنہ ہم کہاں اور یہ اعزاز کہاں۔ اب راجہ دیکھیں کیسے مقابلہ کرتے ہیں۔ ان کی ضمانت ضبط نہ ہوئی تو بات نہیں۔ شاہی قیدی۔ اور اس کا خوف۔ دیکھیں کون راجہ جی کو ووٹ دیتا ہے سیٹھ جی ان ہی خیالات میں رات کا کافی حصہ کاٹتے۔ دوستوں میں کسی کو میونسپل کمشنر کسی کو صوبہ کانگریس کمیٹی کا صدر کسی کو جنرل سکریٹری کسی کو ڈسٹرکٹ بورڈ کا ممبر بنانے کے منصوبے باندھتے اور کھنٹوں اسی فکر میں گزارتے۔ جیتے کہ فلاں ممبر کو کس طرح گرایا جائے۔ کس طرح اس کے علاقہ پر اثر و رسوخ جمایا جائے۔ اور کس کس ساکھی کو کس علاقہ سے کھڑا کیا جائے۔

سیٹھ جی جب یہ تمام خیالات پکا چکے اور تھک جاتے تو ممبری کے امیدوار سا تقبیوں کو سونے اور آرام کرنے کا پیغام دیتے۔ وہ ان دیکھیں اور خوش آئند خواہوں کے سامنے اس مردہ پوزیشن کو دیکھ کر کہہ سکتے

تھے۔ مگر اتنی دیر میں سیٹھ جی ایک دو کروٹیں لے کر خڑاٹے بھرنے لگتے اور بول جاتے
 سیٹھ جی قسم کے لیڈر قیدی عمر میں صرف دو تین مرتبہ
 جیل یا تڑا کرنے کی زحمت گوارا کرتے ہیں۔ ورنہ ممبر بنے کر سی حاصل
 کی توجیل جانے کو طاقت سمجھتے ہیں۔ پھر ان کے نعرے یہ ہوتے ہیں کہ ہم
 جیل چلے گئے تو پیچھے کون کام کرے گا۔ کون چندہ لائے گا۔ دفتر کیسے چلیگا
 جماعت کو کون سنبھالے گا۔ ہمارا باہر رہنا جماعت کے مفاد اور اس کی زندگی
 کے لئے انتہائی ضروری ہے، ورنہ جماعت مُردہ ہو جائے گی اور دفن ہونے
 کے برابر پہنچ جائے گی۔

فیکٹیٹر دوسرے قسم کے قیدی و لیڈرانہ شان کے مالک ہوتے ہیں۔ جو صبح
 اُٹھتے ہی نعرے بازی شروع کر دیتے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر معمولی معمولی
 شکایت پر منہ گامہ کھڑا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو کسی نظام میں چلنا نہیں
 چاہتے۔ لیڈر شپ کے خلاف بغاوت کرنے رہتے ہیں۔ مطالبات کی منظوری مکمل
 چاہتے ہیں۔ ادھر ورے مطالبات کے تسلیم ہونے پر ایچی ٹیشن کو ختم کرنا موت
 سمجھتے ہیں۔ ہر ایچی ٹیشن کے خاتمہ پر انتہائی اختلاف کا اظہار کرتے ہیں۔ اور
 ایچی ٹیشن کو اپنے ہاتھ میں لے کر چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ ایچی ٹیشن
 کچھ عرصہ کے بعد اپنی موت آپ مر جاتا ہے۔

وہ جیل میں مشترکہ نظام چاہتے ہیں۔ امتیازات کے دشمن اور کلاسوں
 کے سخت مخالف ہیں۔ ان کے نزدیک قیدیوں کو اے بی کلاس میں رکھنا اور
 ان میں تفریق پیدا کرنا انتہائی غیر اصولی ہے اور تفریق کا باعث ہے۔ وہ سب کے

لئے ایک ہی قسم کا کھانا۔ ایک ہی قسم کے کپڑے۔ ایک ہی قسم کی قیام گاہ جاتے ہیں ان میں سے ہر شخص خود کو اسٹالن لینن سمجھتا ہے۔ ان کے گروپ میں سے اگر کوئی بی کلاس میں جاتا ہے تو اس پر مردہ باد اور شیم شیم کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ لیکن کوئی بی کلاس جانے سے انکار نہیں کرتا اور شیم کے نعرے سنتا اور ہنستا ہوا بی اور اے کلاس کو منظور کر لیتا ہے۔

ان لوگوں کا قول ہے کہ جہاں بیٹھو چین سے نہ بیٹھو۔ عمل میں زندگی ہے روٹی وال بھاجی آئے تو اس میں سقم نکالو۔ دودھ آئے تو اس کو نہ لو۔ ادویات دی جائیں تو ان کی خرابی ظاہر کرو۔ گنتی میں گڑ بڑ کرو۔ مہینہ میں ایک دو مرتبہ بھوک ہڑتال کو لازمی کر لو۔ جیل حکام کی اعانت مت کرو۔ ان سے گفتگو کرنا ترک کر دو۔ وہ آپس تو خاموش اور گم سم رہو۔

اگر کچن وغیرہ کا ان ہنگاموں سے اپنے ہاتھ میں انتظام آجائے تو اپنے خیال کے لوگوں کو ہر جگہ مقرر کرو۔ دودھ۔ گھی۔ قند۔ گڑ۔ بچاؤ۔ ان کی فروغ ملی کرو۔ حلوے بناؤ۔ اور اگر راز طشت از بام ہونے لگے تو جیل حکام پر چبڑا رکھ کر علیحدہ ہو جاؤ۔ اور پھر دوسروں کے ہاتھوں میں گئے ہوئے انتظام کو ناقص و ناکارہ ثابت کرنے کی کوشش کرو۔ ایک ایک کی قلعی کھولو۔ اور اگر کوئی سرمایہ دار لیڈر ہاتھ لگ جائے تو اس کو نہ بختو۔ بیوقوف بناؤ اور اپنی طاقت کا سکہ اس قدر جھالو کہ وقت ضرورت کام آئے۔ اور بلا تمھاری مدد اور مشورہ کے کچھ نہ کر سکے۔ اور جب چاہو اس کو بیچ ادھر میں چھوڑ دو۔ ایک دو چھٹلے لگنے کے بعد سنبھالا دو۔ اس طرح بہلاتے رہو۔ ان کا ہر قدم تجارتی ہوتا ہے۔ ان سے

تجارتی سلوک رکھو اور بچائے ہو۔

چنانچہ یہ ڈکٹیٹر ان ٹائپ کا گروپ مذکورہ باتوں پر عمل کرتا ہے۔ جب کچن پر قبضہ ہو جاتا ہے تو ایک آنہ میر بھاؤ پر دودھ فروخت کرتا ہے۔ دو دوسرے گھی کے حلوے بناتا اور پر اٹھے تیار کرتا ہے۔ اور روزانہ ہی لیڈر شپ کو پریشان کرنے کے لئے کم و بیش کسی نہ کسی قیدی سے ایک دو وقت کی ہڑتال کراتا ہے ہر بارک میں ان کے گروپ کے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے ڈکٹیٹر کو روزانہ کی مکمل رپورٹ پیش کرتے ہیں۔ ان کی پالیسی میں بڑی خوبی یہ ہے کہ ادلتی بدلتی رہتی ہے دو دو گھنٹے اور ایک ایک دن میں پالیسی کا تبدیل کرنا ان کے ہاں عیب میں شمار نہیں کیا جاتا۔ اگر یہ حکومت کے حامی ہوتے ہیں تو حکومت کی حمایت میں خیر ذمہ دار پروپیگنڈہ کرنے میں کوئی باک نہیں رکھتے۔ قیدیوں کو معافیاں منگوانے اور ان کو خوف زدہ کرنے کی اسکیمیں بناتے ہیں۔ مگر اس صورت میں جب کہ اپنے ہم خیالوں کی کچھ تعداد دیکھتے ہیں ورنہ خاموش رہتے ہیں۔ اور عام قیدیوں کے سے خیالات بنائے رکھتے ہیں۔

عام طور پر ان کی تعداد کم ہوتی ہے۔ مگر غل غباڑے سے بڑھنا چاہتے ہیں۔ رومان والی باتیں لوگوں کو اچھی لگتی ہیں۔ لیکن نتیجہ کے اعتبار سے صفر ثابت ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کا فلسفہ ان کے دماغ کے فکر و تدبیر کا ثمرہ نہیں ہوتا۔ بلکہ غیر کام ہونا منت ہوتا ہے۔ وہ ریکارڈ میں جو سب جگہ ایک ہی چیز لایا کرتے ہیں۔

اس گروپ سے لیڈر لوگ پناہ مانگتے ہیں۔ اس لئے کہ مٹھ بھٹ

اور صاف گوہر تھے ہیں۔ لیڈر ٹاپ کے لوگ نہ ہوں، تو یہ گروپ زندہ نہیں رہ سکتا۔
 والنیزز قیدیوں کا تیسرا گروپ والنیزز کا ہوتا ہے جو رضا کارانہ طور پر جیل کی
 زندگی گذارتا ہے۔ اس کو قصع و بناوٹ آرام و سکون اور نام آوری سے کوئی
 واسطہ نہیں ہوتا۔ نعرے لگاتا ہوا مجمع میں پکڑا جاتا ہے۔ اور دو ہی پیشیوں میں
 بلا کیل، بلا ہار، بلا نعروں اور بلا یار و مددگار کے تنہا عدالت سے مندرجہ کا فیصلہ
 کرا کے جیل پہنچا دیا جاتا ہے۔ جس کے نام اور سزا کی خبر یہ اخباروں کے
 کالم بھی خالی ہوتے ہیں۔

ان کی تخت میں اے بی کلاس کے کوئی الفاظ نہیں۔ اور نہ وہ کبھی
 اس کے شرمندہ معنے ہوئے جب گئے بیل کی جلی بھنی کیڑوں والی سبزیاں
 اور کچی دال، خاک بھری روٹی کھائی زمین پر سوئے۔ پھٹے پڑے ٹاپ نما کپڑے
 پہنے، ہر کڑی مشقت کو محسن و خوبی انجام دیا۔ جب لیڈر کو اپنی لیڈری کی حفاظت
 کی ضرورت پڑی تو انہوں نے گنتی نہ دے کر، روٹی نہ کھا کر حکم حدودی کر کے
 اپنی مکر پر تیس تیس قصوری بلیتیں کھا کر، جیلوں میں بند ہو کر اور دو دو تین تین
 مہینے دھوپ کی ایک شعاع تک نہ دیکھ کر ان کی لیڈری چمکائی۔

ان کو سینکڑوں میل کے فاصلہ والی جیلوں میں تبدیل کیا جاتا۔ جہاں
 ان کو برسوں اپنے عزیز و اقارب اور رشتہ داروں، بیوی بچوں سے ملاقات
 تو ملاقات، ان کی شکل و صورت تک دیکھنا نصیب نہ ہوتی۔ گھر کی کوئی دیکھ
 بھال کرنے والا نہ رہتا تو بیوی بچے تڑپ تڑپ کر جاںیں دیتے۔ گھانے
 کے گھمانے تہاہ مہوتے۔ حکومت کے ڈر اور خوف کی وجہ سے کوئی اس کی

بیوی کی نعلین تک کو ہاتھ نہ لگاتا۔ مسجد کے ملا سندھ کے پجاری اور گردواروں کے
 مہتر تھے۔ لاندھب بے دین؛ اور ناتک کہہ کر مذہبی ہمدردی سے محروم
 کرتے۔ جسکی اور چار ان کی لاشوں کو اٹھا کر دفناتے یا جلاتے۔ مگر وہ جیلوں
 میں مست رہتے۔ انہوں نے کبھی پردل پر ہائی کی خواہش نہیں کی۔ کبھی خوف زدہ
 بد دل نہ ہوتے۔ مرد عالی ہمت دوسروں کے لئے مصیبت اٹھاتے تھے حتیٰ کہ
 لیڈروں کو مکھن، دودھ، پھل، ڈبل روٹی کی ضرورت پڑتی تو مصنوعی بیمار
 پڑ کے ان کے لئے ان اشیاء کے لقمے ہتیا کرتے۔ تاکہ ان کے نازک دل
 پر میل نہ آئے اور ان کی لیڈری سلامت رہے۔

مگر یہ میڈیکل مراعات لیڈروں کے اشارے اور ان کی رشوت
 کے زور پر کی جاتیں۔ لیکن فی الواقع یہ قیدی بیمار پڑتے تو ان کو ہسپتال
 نہیں، آغاز بیماری پر نہیں بلکہ بیماری کے پلنے اور مہینوں گزر جانے کے
 بعد بھی ادویات نہ دی جاتیں۔ ان کو مہینہ تک دیکھنا نصیب نہ ہوتا
 ان کے ساتھ کوئی ہمدردانہ سلوک نہ کیا جاتا۔ لیکن وہ بھی ملال و افسوس نہ
 کرتے اور ہر حال میں گن رہتے۔

ان کا روزانہ کاپروگرام یہ ہوتا کہ وہ صبح اٹھتے، گنتی دیتے اور لائن
 میں بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ کارخانہ کارخ کرتے، بیت الخلاء جاتے، فارغ ہوتے
 گجائی کرتے، آٹا پیسنے، کوھو چلانے، بان بٹے، بوجھ اٹھانے، یا منجھ کوٹنے
 جس سے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے مگر مشقت سے نہ گھبراتے۔ نمبر دار
 جھدار، ہیڈ وار ڈریکے بعد دیگر آتے، کوئی دھونس دیتا، کوئی خوشامد کرتا۔

کوئی مگالیوں سے ہمکلام ہوتا۔ اس طرح کر دیتا، جانچتا کہ کسی آسامی ہے، نہ کچھ جان پاتا تو نظر انداز کر دیتا مگر پوری مشقت لینے کی فکر ہستی پیشیوں پریشیاں ہوتیں مگر اراؤں میں کوئی تزلزل نہ آتا۔ تو حکام جیل کی ضد کام کرتی اگر طے جھکانا چاہتے۔ دن کو مشقت، رات کو اذیت پہنچانے کے لئے سخت سے سخت سزائیں تجویز کرتے۔ دو دو ماہ تک کھڑی بیڑی اور ڈنڈا بیڑیاں لگائی جاتیں۔ وہ اس کو بھی برداشت کرتے۔

غرض انکی تمام قربانیاں خالص ملک و قوم کے لئے ہوتیں۔ وہ کبھی جیل میں جا کر سزا کاٹ کر اجملی کے ممبر یا میونسپل کمشنر بننے کے خواہش مند نہ ہوتے نہ کبھی ان کے دل میں کرسی نشین ہونے کی تمنائیں چٹکیاں لیتیں۔ ان کی ایک ہی منزل مقصود ہوتی آنا دئی قوم، اور دین انسانیت کا بول بالا۔ اور ایک ہی مسلح نظر رہنا، خدمتِ خلق۔

یہی وہ ماحول تھا جس سے متاثر ہو کر فیروز پور کیپ جیل کے مشاعروں میں حسب ذیل نظمیں پڑھی گئیں۔

جیل کی شاعری

اور رہبران قوم کے نقائص کے مرتئے لکھے گئے۔

بننے کی جیل یا ترا

وہ رکھنچو مروت سے جو عاری بنے لایم ہیں انہوں نے آدمیت کے خانے ہی نکالے ہیں
انہیں انسانی ہمدردی کو کچھ بھی واسطہ کیوں ہو انہیں چلو ہو کا چاہئے، نہہریے کا لے ہیں

یہ جملے سے مراد ہندو قوم کی خصوصیات برادری نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہندو مسلمان اس سے مراد ہیں جو غریبوں کا خون اپنے گرد غریب دجالا کی سے چوسنا جائز سمجھتے ہیں اور ان کو اپنا تختہ مشق بنائے ہوئے ہیں

مفسر کی کیا تیرا مہنگی نہیں پڑتی کسی صورت
وہ ٹولے ایک بنا کر قیدیوں پر بار بٹھتے ہیں
مٹھائی کو پھیلوں کی ٹوکری طوقِ غلامی ہے
اسیروں کی امانت کیلئے زمیں یہ لیتے ہیں
نیروقی یہاں مٹا ہے پھلکی اور پکوڑنی کا
حسابی ہیں بنالیں گے یہ کھاتے اپنے مطلب کے
یہ بچن ہیں مگن ہیں جشن میں ساتھی نہ کیوں روئیں
وہ ملٹی کٹھ بٹھتے ہیں بولتے چولے چالے ہیں
حقوقِ جیل پر لین کے وہ برساتے گدالے ہیں
گڑائی ہے کھاتے ہیں ہی منگوانے دے ہیں
مدروان کے نہیں کرتے اڑاتے تر نولے ہیں
نہ درِ قوم ہے دل ہیں دلوں پلٹے ظلم میں
یہ جی جن کا ہے پیالے وہ اللہ کے حوائج ہیں
انہیں تھا اعتماد ان پر وہ نکلے دل کے کالے ہیں

ٹھانا ہے یہودی ذمہ داریوں کو بھارت سے
یہ شیطانی آلے ہیں یہی ظلمت کے جالے ہیں

بننے کی وطن پرستی

یہی وہ سودا ہیں قوم اور ملت کے شیدائی
یہی ہیں انقلابی ورغلانے ہیں غریبوں کو
کھاتے ہیں وہ صدقہ ہیں انھیں معصوم جانوں کے
بلندی ان کو ملتی ہے شہیدوں کے تصدیق کو
یہ سرخی اور اکڑ پامالے گلشن کی ہے ممنون
وہ قابو قوم پر اپنا ہی پاتے ہیں گھمنڈی ہیں
نظر آتے ہیں غنڈے اور پیرے بدچلن ان کو
دلاتے ہیں وطن کے نام پر دار و رسن ان کو
ملا کرتا ہے یونہی گوہر گنگ و جمن ان کو
بنانا صاحبِ دولت ہے عہد پر فتن ان کو
ابھر کر خوار کر رہا ہے یہ ان کا بانگین ان کو
درا دیکھو تماشا اور گرد و موج زن ان کو

یہ سب کچھ ہیں مگر اللہ نہیں بھارت کے رشیدائی
یہ دیوانے ہیں دولت کے ملاخونی دہن ان کو

بغاوت کے زمانہ میں مخالف ہیں بغاوت کے
 نکالے پوٹر جاٹوں کی بازی لگ رہی تھی جب
 لڑانا ان کا شیوہ ہے، بھڑانا ان کی حلویت ہے
 وہ بدذوقی معاذ اللہ معطل ذہن ہو جائیں
 وہ دیتے جان میں ڈھری پڑی ڈھری انکا ایماں ہے
 وہ انسانی ہونکے لوٹھروں کو منہم کرتے ہیں
 نہیں بھاتی ہے راہ پر خطر، منزل کٹھن ان کو
 بنایا روج آبائی نے ہی ملت شکن ان کو
 پسندیدہ نہ ہرگز ہے خلوص انجمن ان کو
 کیا بدنام جس نے مردہ خور و گور کن ان کو
 تمول میں معاون ہوتا ہے تاز کفن ان کو
 بناتی ہے مہاجن عادت زار و زعن ملن کو

عجب ڈھانچہ ہے شیطانِ مجسم مکرو عیاری
 چڑھاتا ہے عروجِ بام پر غیبن وطن ان کو

گھی چور ٹولا

قوم کے خادم ہیں گھی کی چوری شیوہ ہے ہمارا
 عمر یوں کتنی ہے جیلوں میں یہ پیشہ ہے ہمارا
 چورے کی جان ہے گھی، گھی نہیں تو کچھ نہیں پھر
 گھی کچن سے گراڑائیں کنبہ پلتا ہے ہمارا
 کنبہ ہم نے جیل میں خدمت گزاروں کا بنا کر
 قوم کا لقمہ بنایا، قوم لقمہ ہے ہمارا

دوستوں کو لطف آتا چورا کھاتے کھلاتے

میرنا ہجانے ہی کھولا عقدہ ہے ہمارا
ڈاکٹر لائے، نیم و پنڈت و بیرسٹر و وید

ان مقدس ہستیوں سے ٹولہ چلتا ہے ہمارا
یہ فرشتہ شکل رشیوں اور نبیوں کے بھاری
خود بدی کے مرتکب ہوں ان کو خطرہ ہے ہمارا
قوم کے غم میں مٹا پا کس قدر ہے اُن پہ چھایا
رہنا ہی قوم بکیں کا جنازہ ہے ہمارا

قوم میں نفرت نہ کیوں ہو، اعتماد قوم ہو کیوں
آزمودہ ان کا ہر اک شری چرک ہے ہمارا
ڈاکٹر ہی سرغنہ تھے، لالہ کو تھسا گھی کھلانا

اس لئے جائز دلیرانہ یہ سرقہ ہے ہمارا
گھی کا سرقہ کیوں نہ کرتے، کھاتے لقمہ کیوں پیاری
جان وایاں سب واری لالہ قید ہے ہمارا

صابری کیوں ٹولے کے رہبر کے پیچھے توڑا ہے
 بخش دے ان کو یہ پیر شوخ قبلہ ہے ہمارا



ہماری کمزوریاں | ان ہی کمزوریوں کا ذکر مفکر احرار مولانا
 افضل حق نے اپنی تصنیف ”میرے
 افسانہ“ میں ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے۔ یہ واقعات و نکتہ چینی ص ۲۲
 کے جیل کے ماحول پر ہیں۔

میرے مزاج کا عجب عالم ہے کہ مختصر و مختص حلقہ احباب
 میں میں حسن پرست کی طرح بیباک پُر تپاک اور عوام میں
 محبوب اور شرمسار ہوں۔ تاہم دوست اور دشمن کو میں
 نگاہ میں چھانتا ہوں۔ اور ان کے عیب و ثواب کو جانتا
 ہوں۔ میری نکتہ چینی موجب دل شکنی نہ ہو تو بتاؤں کہ
 طلب صادق کے لئے جس جذبہ صادق کی ضرورت ہوتی
 ہے۔ اس سے ہمارا دامن خالی تھا۔ جیل کو کھیل سمجھ کر اندر
 آنا آسان ہے۔ بہادروں کی طرح دودی سے بسر کرنا مشکل
 ہے۔ اگر باہر حکام کے سامنے گردن فراری کا ثبوت دے کر
 جیل میں برنگندہ ہونا ہو تو اس شوقِ قید سے گھر کا آرام
 ملک کے لئے زیادہ مفید ہے ان خیالات پر اگندہ کو مضطر

کرنے سے میری یہ مراد ہے کہ ہمیں اپنی کمزوریوں کا صاف
 اظہار کر کے آئندہ محتاط رہنا چاہئے۔ تاکہ دشمن نظر میں
 ذلیل و خیر نہ ہوں۔ یہ سیاسی قیدیوں کے عظیم مصمم کی تفصیل
 تو عرض ہو چکی۔ اب ان کے قلبِ عظیم کا ذکر خیر کرتا ہوں۔
 ملک کی خاطر گھر کی راحت جب جیل کی مصیبت کے
 عجیب فروخت کر دی تو کسی کی چشمِ کرم کا کوئی منتظر کیوں ہو
 مگر افسوس کا مقام ہے کہ بعض احباب کی ضروریات اور
 خواہشات ان کی غیرتِ قومی سے کہیں زیادہ تھیں۔ اسلئے
 حکامِ جیل کی خوشنودی مزاج کو اسی طرح حاصل کرتے
 تھے جس طرح باہر کے خوشام پسند، بعض کی بھوک جیل کی
 مجوزہ خوراک سے زیادہ تھی۔ انہیں جیلر کی آنکھ سے
 شکرانا اور لنگری قیدی سے گڑا گڑا پرانا۔ تب کہیں جا کر دو
 کے بجائے تین روٹیاں ملتی۔ ہر وقت یہی در رہتا کہ کہیں
 کوئی ملازم ناراض نہ ہو جائے۔ کچھ لوگوں کو باناری چیزوں
 کا ایسا چسکا تھا کہ مزے دار چیز نہ ملنے سے منہ کیا زندگی کا
 مزہ پھیکا ہو جاتا تھا۔ بعض منیٹس دانت کی چٹکی ہر وقت چلانے
 کے عادی تھے۔ وہ خوشامد سے باہر سے اشیاء منگاتے۔
 دربان کی منیٹس کر کے اندر لاتے۔ ملائش کے خوف سے جھجھار
 دو وضع کی بات بات پر ہاں سے ہاں لاتے۔ وہ ذرا مسکرائے

میں تو یہ بھی رانت نکال دیتے ہیں۔ ان میں سے کچھ ایسے
 دیدہ دلیز ہوتے ہیں کہ جب تک چنریاں پڑھی ہے۔ اور
 ملاشی کا خوف دامن گیر ہے تب تک کھان دباے بیٹھے رہتے
 ہیں۔ جب جلق سے نیچے اتری تو طوطہ کی طرح آنکھیں پھیر
 لیتے اور خواہ مخواہ ملازمانِ جل سے الجھتے۔ جب کھانے کے
 مرض کا دورہ ہوتا تو گربہ مسکین بن کر آلو سیدھا کرنا پڑھتے
 اس دورانی سے جامدے و قار کو بہت صدمہ پہنچتا تھا جب
 روٹی کے ساتھ سالن تقسیم ہوتا تھا تو بعض بھوکے طبیعت کے
 ایسے عجز کی صورت بنا کر لب ڈھیلے کر کے اپنے حق سے زیادہ
 مانگتے کہ پاس کھڑے بیٹھے کو شرم آتی۔ جب دلیہ لیا جانا جو
 بیارو کمزور نہیں وہ بھی اٹھ اٹھ کر دوڑتے۔ اندر آنے سے
 پہلے ہی فیروں کی طرح ٹھوٹھا خیرات کے لیے بڑھاتے ہیں
 قسمت کا ہوا تو تھوڑا بہت دوسروں کا پیٹ کاٹ کر شرم
 شرماتے قیدی نے دیا یا ورنہ اکثر شرمندہ کرتے ہیں کہ تم بھی
 ناخ لیڈر کہلاتے ہو مگر ان کی ڈھٹائی کی یہ کیفیت ہے کہ
 دوسرے دن پھر دلیہ کے انتظار میں بائی صاف کرتے دکھائی
 دیتے ہیں۔ سالن اور چنے کے لئے اور ڈال اور ڈال کا تقاضہ
 ہے۔ یہ پھوٹا سا اصرار تو بڑے بڑے بھی بے تکلف کو دیتے
 ہیں لیڈر کے متیرنگ اور عظمت نام کو جس طرح جیل میں پیغام

کیا جاتا ہے اس سے افسوس ہوتا ہے کیونکہ قیدی ہر چھوٹے بڑے سیاسی قیدی کو لیڈر کہہ کر پکارتے ہیں حالانکہ ہم خود گم کردہ رہبری کند کے مصداق بن رہے ہیں۔

جن کی حبیب خرید کر اشیاء منگوانے کی متحمل نہیں ہوتی وہ بھلے چلے بیمار بن کر ہسپتال داخل ہونے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔ بایں امید کہ ڈبل روٹی اڑائیں گے یا دودھ چاول کھائیں گے۔ مگر ڈاکٹر ان کی اصل مرضی کو پانچا جاتا ہے اور سٹر ائل پلاتا ہے۔ پانی میں ساگو دانہ پکا کر کھلاتا ہے۔ روزے بخشواتے جاتے ہیں۔ نمازیں گلے ڈلواتے ہیں۔ اسہال سے جان بڑھال ہوتی ہے۔ جھوٹ کا سچ ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر تنگ کرنے کیلئے کہتا ہے کہ ایک ماہ متواتر تمہیں زیر علاج رہنا پڑے گا۔ وہ منتوں پر آ جاتا ہے کہ چھوڑو بی بی چوہا لندورا ہی بھلا ہے۔ غرض اب ڈاکٹر بیماری پر اصرار کرتا ہے اور قیدی بیمار ہونے سے انکار کرتا ہے۔ آخر ناک رگڑ کر ہسپتال سے نکلتا ہے۔

ضمیمہ

۱۹۳۲ء کی تحریک کے مخصوص بنیادوں کے مختصر حالات

اجیت داس گپتا | آپ مزدور ورکر ہیں کیونسٹ خیالات کے زبردست حامی، مگر ہندوستانی کیونسٹ پارٹی کے مخالف ہیں اور دہلی کے مشہور ورکر چند دہلی کے دست راست ہیں آپ کے کام کا حلقہ مزدور ایریا سبزمینڈی وغیرہ ہے آپ نے ہی ورکرز لیگ دہلی اور ٹریڈ یونین صوبہ دہلی اور دوسری مزدوروں کی جماعتیں بنائیں۔

آصف علی | دہلی کے مشہور معروف لیڈر اور اے ایل اینڈیا کانگریس کمیٹی کی ورکنگ کمیٹی اور سنٹرل اے سی کے ممبر ہیں اور اعلیٰ درجے کی مقرر اور کامیاب بیرسٹر ہیں۔ آپ کی بیوی ارونا آصف علی کو دہلی کی پولیس مفرد قرار دے چکی ہے۔ اور اس کی اصطلاح میں وہ دو سال سے لاپتہ ہیں۔

آرے سی، اگر وال | آپ کا پورا نام رام چرن اگر وال ہے۔ آپ کی سیاسی زندگی پانچ چار سال کی ہے۔ سنہ کی تحریک میں منہ پانی اور سنہ میں نظر بند ہوئے۔ نظر بندی کے وقت آپ صوبہ کانگریس کمیٹی دہلی کے خزانچی تھے۔ چندہ جمع کرنے میں خاص دلچسپی لیتے ہیں۔ آجکل آپ تھانے

میں حاضری دیکر ملکی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

امداد صابری

خلافت زندگی

مسٹر پرملا حظ ہوں

امین لکھنوی

لالہ گوپی ناتھ امین، لکھنؤ کے مشہور ادیب اور اخبار تیج کے پرائے
مب ایڈیٹر ہیں۔ آپ کے دور میں اخبار تیج کو دار پر دینگندہ

کے سلسلہ میں جتنے فوضو دیئے گئے تھے ان کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اس کے بعد آپ نظر
بند ہوئے۔ رہا ہونے کے بعد آپ پر کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی۔ آپ اچھے شاعر
اوکا گریس کے پرانے کارکن ہیں۔ آپ جیل کی انجنیوٹرفان کے صدر محترم تھے۔

انند جی

بول راج انند پرانے اور تجربہ کار تاجر اور افریقہ کے سیاح ہیں ملک
کی محبت میں پہلا پرکا نظر بندی لگا۔ جو شیلے اور گاندھی ازم کے حامی ہیں

جیل میں بھی تجارتی کام اپنے ذمہ لے رکھا تھا۔ تمام پی پی کے سامان منگائے کے
انچارج آپ ہی تھے۔

افکار ناتھ

دہلی نیو سپل کمیٹی کے ممبر اور دہلی کے سرگرم کانگریسی کارکن ہیں۔
ملاسب کمیٹی کے کاموں میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ جیل میں فسر

کی دوستی کو ملک کی آزادی سمجھتے ہیں۔ دائمی مریض ہیں اور ہنسی خاص قسم کی ہنستے ہیں

ایم ایل شاہ

دہلی کلاٹھل کے ڈانگ ماسٹر تھے۔ نظر بندی سے کچھ عرصہ
پہلے آپ پر مزدور تحریک کے سلسلہ میں مزدوروں نے حملہ کیا

تھا۔ آپ مزدور ہڑتالیوں کے سخت مخالف ہیں۔ جیل میں اکثر آپ نے ہڑتالوں
کے خلاف ایکوڑ دیئے۔ اور مزدوروں کی ہڑتالوں کو احمقانہ حرکت سے تعبیر کیا۔

نقد قاست کے اعتبار سے پتے دو بیٹے ہیں جن کے ڈرائے میں نازک نیم نازد ادا کی پہلی شعری ریو کا پارٹ ادا کر چکے ہیں۔ کامیاب ایکٹر بھی ہیں اور رنگ سازی میں کامل رکھتے ہیں۔ آپ کے کائنات میں وہی کائنات کی مافی السیہ ہو چکا ہے۔ آپ سٹ بازی کے پرزور حامی ہیں اور اس کو ملک کے لیے انتہائی مفید سمجھتے ہیں۔
برون جی چاندی والے | آپ کے گاندھی جگت ہیں۔ نیک، مرید اور مہی کا استعمال نہیں کرتے۔ اہلی ہوئی سہوی کھاتے ہیں۔
 جھگڑوں سے الگ تھاک رہتے ہیں۔ سچائی یعنی ست کا بہت خیال رکھتے ہیں۔
 کبھی کبھار میل چلانے کام انجام دیتے تھے۔

بسرو کر | آپ نیو دہلی کے پرانے تاجر ہیں۔ اپنے اخلاق کے مالک ہیں آپ کی وسعت قلبی کا ہر شخص معترف ہے۔ آپ کو اکثر جیل کے ساتھی محبت میں تباہی کے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ ساتھیوں کی بد قسمتی کہ آپ نظر بندی کے دوران میں ہمیشہ بیمار رہے۔ آپ کی ہمدردی میں ناقص علاج کے خلاف تمام نظربندوں نے بھوک ہڑتال بھی کی تھی۔

بھاری | کانگریس کا عمر بھر کا ساتھی، بہانا اور ضیف العمر دیہات کا بہترین کارکن اور کانوں کا ہر دوسرا ہر دوسرا ہے۔ آپ کا تلیہ کلام تیرے صاحب نے ہے۔ آپ کو اپنی رائے پر کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ دہائی کے نام سے جیتے تھے۔

پارتی دیوی | آپ سٹ کی تحریک کی ڈکٹیٹر تھیں۔ آپ نے بڑی سرگرمی سے کام کیا۔ آپ کانگریس کے کاموں میں عرصہ سے حصہ لیتی

رہی ہیں۔ اور کافی مرتبہ جیل جا چکی ہیں۔ آپ سیٹھ رام کی قریبی رشتہ دار ہیں۔ صرف شبہ کے شکار، دلچسپ مزاح پسند، کھیلوں کے شائق قوی **پٹنایک** اور طویل اقامت انسان ہیں۔ اور کامیاب ٹائٹ ہیں۔ لوگوں سے ہمدردی کرنا ان پر ترس کھانا آپ کا کام ہے اور دیے بھی ہوائی پتھی کے خبا کے لیے موزوں ہیں

آپ سسٹم میں دہلی ضلع کا ٹھوس کمیٹی کے جنرل سکرٹری **پھول چند جین** تھے آپ نے اس کے بعد مالی پوزیشن کے بڑھانے پر توجہ دی آج سیٹھ جی کے نام سے پکارے جاتے ہیں جیل میں انہی کے سکے کاراج ہے۔ شریر اور چالاک پوری آپ کے ہی قبضہ و تصرف میں ہے۔ اور یہ ان کی عنایت ہے کہ لوگوں کو بیڑیوں کی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

موہن چند پتھ "جیل کے تفریح پسند طبقہ کا ہیرو۔ مزاح کرنے میں کامل **پنتھ** حکیم جی کی نقل اتارنے اور دوائی فروشوں کی طرح لیکچر دینے کا استاد تھا۔ "بچوں" آپ کی ایجاد تھی۔ آپ دہلی کلا تھ مل میں چھوٹے ماسٹر تھے۔ آپ نے دہلی سی، آئی، ڈی سے دہلی کے قلعہ میں ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا۔

حکومت آپ کا دھشت پسندوں میں شمار کرتی ہے پرانے **پریم حسن رائے** پر اس کا ٹگڑیسی ہیں۔ تیز طبیعت اور ہوشیار عقل کے مالک ہیں۔ برہمار اور سمجھدار ہیں۔ حاضر جواب ہیں۔ بات کی تہ کو جلد پہنچ جاتے ہیں۔ ان پر یہ نثر صادق آتی ہے

اے تیز طبع تو برسن بلا شدی

جوتی پرشاو | آپ اچھوت ادھار کے زبردست حامی اور بچے گاندھی وادی ہیں۔
 مخلص اور بے لوث سیوک ہیں۔ خدمت کا بے پناہ جذبہ رکھنے
 ہیں۔ طبیعت انتہائی سادہ ہے۔ ست کا خیال ہی نہیں رکھتے بلکہ اس کے
 سب سے بچاری ہیں۔ برج کشن جی نہیں بلکہ جوتی پرکاش جی دہی کے گاندھی کلائے جانے کے
 ستمی ہیں۔ آپ دو برس کے بعد نظر بندی سے رہا ہوئے تو تھانہ محلہ میں ماضی
 کی پابندی کو گوارا نہ کیا۔ اور جیل چلے گئے۔

جوہری | امریک سنگھ کے پہلے دوست، ہر وقت اما پانی کے خون سے لڑا۔
 دالان، بالی بال کے بہترین کلاڑی، اور جیل کے ڈرامے "شاہی
 لکڑاڑے کی مشہور رانی" اور سترشکر کو گھائل کرنے والے پروفیسر تھے۔

چند دالان | بہترین گوئے، خوش مزاج اور ہر دل عزیز ساتھی ہیں۔ کانگریس کے
 پرانے کام کرنے والے، جیلوں کے دفتروں پر قبضہ رکھنے والے،
 بہترین اردو کے مترجم ہیں۔ آپ کا سنگھ کی تحریک میں سفردہ ہونے کا وارنٹ
 نکلا تھا۔

چمن لال جرنلٹ | اچھا ایکڑ، باتونی، قصہ گو، منہ پھٹ، بے لحاظ، خوبصورت
 کھلونا، معلومات کا مرجع۔ اور پرانا کانگریسی۔ آج کل امرت
 دالوں کو بیوقوف بنانے گئے ہیں۔

حکم سنگھ | آل انڈیا فارورڈ بلاک کی درکنگ کمیٹی کے ممبر، مہی فارورڈ بلاک کے
 جنرل سکرٹری، آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبر اور کسانوں اور مزدوروں
 کے لیڈر ہیں۔ آپ پرمسل باپچ چھ سال سے تقریر کرنے پر پابندی ہے۔ اوجھڑا

کے لئے آپ کو حکومت انتہائی خطرناک سمجھتی ہے۔ آپ انتہائی خوددار اور غیر متدد
دل کے مالک ہیں اور عمر کا کافی حصہ ملکی خدمت میں گزارا ہے۔ ۵۰ سے زیادہ تر
جیل میں رہے ہیں۔

ٹینل الرحمان | آپ صوبہ کانگرس کمیٹی کے ممبر ہیں، کامیاب حکیم ہیں۔ اچھے مفکر
اور اچھے شاعر ہیں۔ دیوانوں کے دیوان اور یاد ہیں جیل میں بار
ہیں اور اختلاج قلب کے دورے پڑتے ہیں۔ لمیم و شمیم آدمی ہیں۔ پولیس نے ۱۹۴۲ء
کی تحریک کے سلسلے میں آپ پر مقدمہ چلایا تھا۔ جس میں عدالت اتحمت نے دوسرا
کی سزا دی لیکن سشن نے بری کر دیا تھا۔

خورشید احمد کاظمی | صوبہ فارورڈ بلاک دہلی کے سابق صدر اور دہلی صوبہ کانگرس
کمیٹی کے ممبر تھے آپ نے ۱۹۳۷ء میں تین سال
کی سزا پائی تھی۔ شاہ پور جیل میں رہے۔ جہاں کی تحقیر اری آپ کو ملی۔ اس سلسلے میں آپ
نے جیل کی ہسپتال پائی۔ بیری ہنگری ڈیلا جھگڑای سب لگی۔ آپ انتہائی سنجیدہ باپسی
کے حامی، شر کے مخالفت، معاملہ فہم، نرم گرم کام چلانے والے دوست نواز
کف دانا، دل کے صاف اور زبان کے میٹھے ہیں۔

دیوان سنگھ اڈھیریا ست | دوستوں کے دوست، غیل دالوں کے لیے
انتہائی خطرہ کا باعث، ایریل کے انبکٹر جنرل
تھے، انکی تلاشی میں کبھی کبھی نہیں ملا۔ خرچ کے لیے روپیہ کی جیل میں کبھی کی نہیں ہی
بیڑیاں پیتے نہیں۔ مگر تقسیم کا مقدس کام انجام دیتے تھے۔ کبھی ایمانداروں کی ٹولی
کے سرمد نظر آتے اور تمام بے ایمانی سے حاصل کی ہوئی چیزیں پھینک دیتے تھے

اور بھی بڑے بڑے جیل انسروں کے کان کاٹنے اور ان کے چونے لگاتے ہوئے دیکھے جاتے تھے۔ آپ کی کسرت یا دو گنا حیثیت رکھتی تھی۔ پریٹ کو کم کرنا چاہتے تھے ہر ذات اس کو بچاتے اور چھڈ کاتے رہتے تھے اور دریافت بھی جاری رہتی تھی کہ دیکھو میرا۔ پریٹ کتنا کم ہو گیا ہے۔

آپ کا نظربندی میں مالی نقصان کافی ہوا۔ اخبار کی ضمانت ضبط کی گئی۔

اخبار ریاست بند ہوا۔ مگر آپ بد دل نہ ہوئے۔ نظربندی سے فارغ ہوئے تو دوبارہ ریاست کو جاری کیا۔ جو آج کل نکل رہا ہے۔ اور پہلی سی شان سے ٹھیک

دیش بند ہو گیا۔ آئل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبر اور پنجاب اسمبلی کے ممبر اور اخبار کے بینک ڈائریکٹر ہیں آپ ملتان جیل تک ہمارے ساتھ رہے۔ بیمار ہونے پر لاہور سنٹرل جیل میں تبدیل کر دیئے گئے۔

اخبار تیج کے اڈیٹر ہیں جیل میں آپ کی شاعری زوروں پر رام لال ورنا رہی۔ اچھے انشا پرداز ہیں۔ منحنی سے آدمی ہیں۔ کپڑے دھونے

میں کمال پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے اور صابن پانافن سمجھتے تھے۔ کبھی نہریہ اشعار بھی خوب فرماتے تھے۔

روپ نرائن جوشیلا نوجوان، بھائی جی کے جادو کا شکار، ارادہ کا مضبوط اور بے لوث کام کرنے والا کانگریسی ہے۔ یہ ان بھادوروں میں سے ہے جنہوں نے تھانہ کی حاضری کئی بے عزتی کو گوارا نہ کیا۔ اور جیل جانا پسند کیا۔

رتن لال شاردا ایک ہر مذاق فتنہ شریوں کا سردار۔ کم مہموں کا دل بڑھانے والا، اپنے مخالفت کے بل بوتے پر جیل کی زندگی کو خوشگوار

بنانے والا، ضرورت کے وقت کے شاعر اور اے کے وقت ایچ، خدمت کے وقت سچا پکا کانگریسی سبک، ہر فن جو لاہر کچن کا سب سے پہلا اور کامیاب انچارج جو الزام سے مبرا اور وجہ سے پاک وصاف رہا۔ دہلی میں ڈاکٹری کرتا ہے۔ اور دلا شفا کا مالک ہے۔ غریب پیچھے پیچھے دوڑتے ہیں۔ کیوں نہ دوڑیں۔ غریبوں کا ہی خو؟ اور ہمد۔ دے۔

امراز بن مشتاق آپ لکھنؤی ہیں اور شاعر ہیں اور دہلی کے پرانے کاتب ہیں کچھ مینائی میں فرق آگیا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے زندگی میں تین لاکھ شعر کہے ہیں۔ آپ نے جیل میں بہت سے لوگوں کو شاعر بنایا۔ اصلاً میں دیں۔ شاعر دل میں آپ کے شاگرد کثرت سے نظر آتے تھے۔ شعر کثرت سے کہتے تھے۔ طنسار آدمی ہیں۔ لکھنؤ کی شرافت جھلکتی ہے۔

رمن جی ضلع کاٹھیں کیٹی ۳۷ء کے صدر اور صوبہ کانگریس کیٹی ۳۲ء کی درکنگ کیٹی کے ممبر تھے۔ معتدل پالیسی کے آدمی ہیں۔ مخالفت سے آپ کو بڑا ہے۔ دشمن کو بھی برا بھلا کہتا پسند نہیں کرتے۔ خطا لیے لکھنے کے عادی ہیں۔ مگر خط نہ لکھنے والوں میں سے ہیں۔ جو برسرِ اقتدار آتا ہے۔ اس کے ساتھ کام کرنا فرم سمجھتے ہیں۔

ریش مہتا اتہا پسندوں کا اتہا پسند سردار تقریر کرنے وقت بے آپے ہونے والا شخص کارکن۔ مجسم ایثار قربانی، نیکہ کلام، "خون کا بدلہ خون" ٹیکل بھی قریب قریب خوبی کی سی ہے۔ دہلی میں آزاد بھارت کی بنیاد ڈالی۔ جس کی تحریک میں کافی اشخاص نے حصہ لیا، اور جیل کی چار دیواری دیکھی۔

ستیرہنی آپ نے نو سو مرتبہ ایسی تحریکوں میں سنا رہی ہیں اور جلیں میں زیادہ تر زندگی بتائی اور دائم المرضیہ جو نہیں سیکھنے کی تحریک میں آپ کا پورا خاندان ملے، بس (سنٹر میں لال جرنلٹ) لڑکی اور لڑکا شامل ہوئے اور جلیں کی چار دیواری میں بند کئے گئے۔ اب آپ ایک پھیپڑے سے بھی رہی ہیں اور دوسرے پھیپڑے آپریشن کے ذریعے نکال دیا گیا ہے۔ سید بیل گراؤنڈ پر رہا کی گئیں ہیں۔ پر جوش تقریر کرتی ہیں جو سوئر ہوئی ہے۔

سری کو استروا آپ سے جیل میں ہی واقفیت ہوئی آپ یو۔ پی کے رہنے والے ہیں۔ سنجیدہ اور متین آدمی ہیں آپ کی گرفتاری دہلی کے ایک طوائف کے کوٹھے پر ہوئی۔ جماعتی نظام و حکم کے ماتحت طوائف کے امن مقیم ہوئے تھے۔ طوائف سے کوئی تعلق نہ تھا۔ آپ کا نام جگدیش پرشاد ہے۔

سوامی بسنت ناتھ ملکی خدمت کے لیے خود کو تیاگ دیا ہے۔ کئی بار جیل جا چکے ہیں۔ نرملہ آشرم میں رہتے ہیں۔ دیہاتوں کا سہارا کرتے ہیں ہمدردی عادت ثانی ہے۔ کسی جھگڑے سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔

سوامی سروپانند گاندھی بھگت ہیں۔ گاندھی جی کے آشرم میں رہ چکے ہیں دن رات کانگریس کا کام کرنا ان کا کام ہے۔ ایسے ہی مخلص لوگوں کی جماعت کانگریس آج ملک پر چھائی ہوئی ہے۔ اور مخالفین سے اپنا لوہا منوار ہی ہے۔

شتر گھنشا آپ دہلی صوبہ کانگریس کمیٹی سیکرٹری کی مرکنگ کمیٹی کے ممبر ہیں۔ دہلی کی دیہات میں کانگریس کا پرچار کرنا آپ ہی ہیں۔

لوگوں کا کام ہے۔ دن رات سائیکل پر سوار ہو کے دیہات کا گشت لگاتے تھے۔ چھ سات مرتبہ جیل جا چکے ہیں۔ سخت سے سخت سزا جگت چکے ہیں۔ غرض ایک پتے، پتے نکلے ملک کے دیوانے اور پروانے ہیں۔

شیرت خاموش اور محسوس کام کر نیوالے، کہتے کم تھے اور کرتے زیادہ تھے۔ دیہات آپ کا والد و شیدا تھا۔ ان کے لئے خود بھی تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور ان کی مصیبتوں میں کام آکر ان کو اپنا بناتے ہیں۔ آپ بھر بہ کار وید ہیں۔

شکرا بدنام کے بانی شکرا ہے۔ آپ لفٹ گروپ دہلی کے جنرل سکرٹری سٹوڈینٹس فیڈریشن کے بانی اور وکیل ہیں۔ دو ماہ سنگھ میں نظر بند رہے۔ اور اب پھر نظر بند کئے گئے تھے جیل میں آپ نے سیاسی لیگور دیکر بہت بڑی سیاسی خدمت انجام دی ہے۔

شوشیل کمار یہ بیس بیس برس کی عمر کا نوجوان شوخ و شریں چند دن میں جیل پر چھا گیا۔ سردار جی بھی طواف کاٹنے لگے۔ اس غریب پر یہ الزام تھا کہ اس نے اور اس کے ساتھی مسٹر دت، اور پروفسر جہری نے دہلی سینماؤں میں بم رکھ کر چھڑوائے تھے۔

گجرال دہلی کے کامیاب و مقبول و ہر دلعزیز ڈاکٹر ہیں۔ آپ کی بدولت جیل کے ساتھیوں کو جیل کے میڈیکل اسٹاف سے کافی سہولتیں حاصل ہو گئی تھیں۔ آپ خود بھی بہت سے ساتھیوں کا علاج کرتے تھے۔ آپ انتہائی خوش حال اور تفریح پسند ہیں۔

فرید الحق انصاری ڈاکٹر انصاری کے بھانجے اور ہندوستان کی ٹیٹ

پادہائی سے تعلق رکھتے ہیں۔ تمام زندگی سیاسی گزاری، اصول کے پتے، اور ضد کے مضبوط ہیں بے فنازی۔ عادت ہے۔ خانگی زندگی میں دنیا داری چھوٹی تک نہیں طبع، لالچ طبیعت میں باطل نہیں ہے۔ دہشہ میں جو ملتا تھا اس کو جس بے نیازی سے ٹھکرایا وہ آپ کا ہی حق ہے۔ ایسے کیر کڑ کے انسان بہت کم ملتے ہیں۔ جیل میں آزادانہ اور بے خوف زندگی گزارنے والے، سال بھر نظر رکھے۔ تھانہ کی حاضری کو نہ مانا دوبارہ جیل میں گئے ہوئے ہیں

کنہیا سنگھ |

کنہی باجیل جاچکے ہیں جیل کی زندگی بہت پسند کرتے ہیں۔

صابن کے تاجر، کپڑوں کے میل اتارتے اتارتے انسانی دلوں کے میل

گامی | اتارنے لگے تو نظر بند کر دیئے گئے جیل میں خود امانہ زندگی گزاری۔ افسران کے سامنے نہ جھکے اور کال کو ٹھری میں رہنا پسند کیا۔

آپ مولانا احمد سعید کے صاحبزادے ہیں جوشیلے اور مخلص کارکن

منظہر سعید | ہیں۔ دوست نواز، اللہ آزاد خیال ہیں۔ شنگ نظری اور حد چھوڑا۔

بک نہیں۔ کسی کامیابی کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں جلتے نہیں۔ دہلی مسلم مجلس کے سکریٹری ہیں۔

آپ دہلی صوبہ فارورڈ بلاک سیکرٹری کے صدر اور بھارتیہ

منو دیو شاستری | کالج کے پرنسپل تھے۔ بڑھانے میں یہ طوٹی رکھتے ہیں سنسکرت اور ہندی کے ماہر ہیں۔ آپ نے جیل والوں کا دیوالہ نکالنے میں کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھی۔ اور جیل کی تمام تندرستی کے خود ٹھیکیدار بن گئے تھے۔ اور اپنے دوستانہ گھونٹوں سے کمزور ساتھیوں کا کچھ مر نکالنے کی کوشش کرتے تھے حکومت

سے الوداع بھی وصل کرتے تھے۔ ان کی شائستراہت و مناظرہ سے لوگ ہمارے
تھے۔ جون کے زبردست پرچارے اور بچے آریہ سماجی ہیں۔

مولانا نور الدین بہاری | قربانی بچتے، اٹل انا دے، اور پختہ رائے
کے مالک، علماء کے طبقہ میں بے نیاز، مدد

وغیرات و نفاذ کی زندگی سے کوسوں دور۔ اور خدا و رسول کے نام کو بیچنے کے گناہ
کے کبھی مرتقب نہیں تھے۔ عمر بھر مفت قرآن کی تفسیر سنائی اور مفت وعظ کیا۔ خود
کمانی کی اور اپنی سیدھی سادی زندگی چلائی۔

عدم تعاون کی تحریک میں ڈھائی سو روپیہ کی بڑی فیسری ہملات ماری اور
جیل کی سزا بھگتی۔ ہر تحریک میں آگے آگے رہے اور کبھی جیل کی مصیبتوں سے
نہ گھبرائے۔ بیوی کا انتقال بھی ایام قید میں ہوا۔ جوتے کا کارخانہ چلایا۔ وہ
تحریک کے نظر ہوا۔ بٹوہ کا کام کیا وہ نظر بندی نے ختم کیا۔ اور مالی اعتبار سے
تباہ ہوئے۔ آپ جمیۃ العلماء ہند کے سکریٹری کئی سال رہ چکے ہیں۔ اور بال
انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبر ہیں۔

میر مشتاق احمد | آپ کی جیل یا ترائی جیل ہے۔ آپ کے والد میر
عبدالستار بھی کانگریسی لیڈر تھے اور انارک میں رہ چکے

تھے۔ اسٹوڈنس، اور دیہاتی سیاسی کاموں سے آپ کو دلچسپی ہے۔ نیو دہلی
کے سیاسی اخصا ہیں۔ نیو دہلی میں جو کچھ سیاسی زندگی پائی جاتی ہے اس میں آپ
کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ آپ کی جیل کی زندگی خود ارادہ اور میاگانہ نہیں ہے۔

میمو بانی | آپ محقق کی نظم امدان میں اصلاح کے جذبہ کو زندہ کر لے

حاجی ہیں۔ دکن ماتِ مجددوں میں کام کرتی ہیں۔ ان میں قومی ذہنیت بھیا کرنا آپ کا کام ہے۔ عسریہ سیاسی کاموں میں گذاری۔ کافی عمر کا حصہ جیل میں گزارا۔

نرائتم | آپ کا پورا نام یدتہ نرائتم ہے۔ آپ ہندوستان ٹائمز ویکی کے ایڈیٹر ہیں۔ لطیف طبیعت، اور سخیہ عادت کے مالک ہیں قابلیت و لیاقت کے اعتبار سے اونچا درجہ رکھتے ہیں۔ بہترین انگریزی ادیب ہیں معلوماً کانگرسینہ ہیں۔

یدھرو پر سنگھ | ضلع کانگریس کمیٹی سٹیٹ کے صدر رہ چکے ہیں۔ دہلی میونسپل کمیٹی کے ممبر ہیں۔ کانگریس کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے ہو۔

ہو میونسپلٹی کے اچھے ڈاکٹر ہیں۔ پر مذاق آدمی ہیں بھت پسندی سواگے نہیں کرتے۔

”جیل کے اہم ساتھی“

مذکورہ پچاس اشخاص وہ لوگ ہیں جو دہلی سے گرفتار ہو کے نظر بند کئے گئے۔ امدھل کے نظر بند کہلاتے۔ دہلی کے کل نظر بند تقریباً اسی تھے۔ بقایا حضرات کے حالات سے واقفیت نہ ہونکی وجہ سے کچھ نہ لکھا جاسکا۔ ذیل میں ان حضرات کا ذکر ہے جن سے جیل کی زندگی میں واسطہ پڑا اگرچہ یہ لوگ دہلی کے نظر بند نہ تھے۔ لیکن انکو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ ان میں بعض وہ حضرات بھی ہیں جو دہلی کے ہیں لیکن نظر بند نہیں بلکہ پولیس کی قیدی کی حیثیت سے جیل کے ساتھی رہے۔

چرواغ دہلی کے رہنے والے دیہات کے سیاسی کارکن ہیں۔

امی لال | دو تین مرتبہ سزا پا چکے ہیں سٹیٹ میں ملاقبہ چرواغ دہلی میں سزا کی پابندی کو توڑنے کے جرم میں دو سال کی سزا پائی تھی آپ دہلی صوبہ فارورڈ بلاک

